تاریخ

تاریخ اور آثار قدیمہ کا سہ ماہی رسالہ

ایڈیٹر

حکیم سیّد شمس اللہ قادری

اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد میں چھپا

دفتر تاریخ کوٹلہ اکبر جاہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا

قیمت سالانہ (صہ) پانچ روپیہ

تاریخ

جلد اول — جنوری ۱۹۲۹ء — حصہ اول

۱۔ یہ رسالہ سال میں چار بار جنوری۔ اپریل۔ جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوا کرے گا۔

۲۔ ہر رسالہ کا حجم کم از کم سو صفحے ہوگا۔

۳۔ قیمت سالانہ پانچ روپیہ۔ ممالکِ غیر سے آٹھ شلنگ۔

۴۔ جو حضرات بنظر احتیاط ذریعہ رجسٹری رسالہ طلب فرمائیں گے انہیں قیمت مقررہ پر آٹھ آنے زائد ادا کرنے ہوں گے۔

۵۔ مضامین اور ریویو کی کتابیں اڈیٹر کے نام۔ زرِ قیمت اور انتظامی خط و کتابت اسسٹنٹ اڈیٹر کے نام ہونے چاہیئے۔

حکیم سید شمس اللہ قادری اڈیٹر

سید احمد اللہ قادری اسسٹنٹ اڈیٹر

کوٹلہ اکبر جاہ حیدرآباد دکن

اَلسَّعیُ مِنّیِ وَالاِتمامُ مِنَ اللّٰہِ

تاریخ اور آثارِ قدیمہ کے رسالے میں کسی قسم کی خیال آرائی یا مضمون آفرینی بے محل سی چیز خیال کی جائیگی اس لئے بغیر کسی طول طویل تمہید کے اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ اس رسالہ کے اغراض و مقاصد حسبِ ذیل ہوں گے۔

ملک میں تاریخ اور آثار و عتائق کی تحقیق و تفحص کا صحیح مذاق پیدا کرنا۔ اسلامی آثار و عتایق سے ملک و اہلِ ملک کو واقف کرانا۔

اِن اغراض کی تکمیل کے لئے "تاریخ" میں اقوام و ملل۔ مذاہب والسنہ اور علوم و فنون کی گزشتہ تاریخیں، اقالیم و امصار کے جغرافیے، مشاہیرِ رجال کے تذکرے آثار و عتایق کے انکشافات پر تحقیقی مضامین شائع ہوا کریں گے۔ ان کے ساتھ ساتھ مورخین کے اختلافات اور تاریخی اغلاط کی تصحیح بھی کیجائے گی۔

آثار و عتائق اور تاریخ و تراجم پر جو کتابیں وقتاً فوقتاً شائع ہوا کرتی ہیں اُن سے بھی اہلِ ملک کو تبصروں کے ذریعے روشناس کرایا جائے گا۔

جن مباحث کا تعلق ممالکِ اسلام اور ہندوستان و دکن سے ہوگا اُن کیجانب خاص توجہ کیجائے گی۔

غیر زبانوں کے بہترین مضامین جو مقاصدِ رسالہ کے تحت آسکتے ہیں، ترجمے اور اقتباسات کے ذریعہ شائع کیے جائیں گے۔

عربی، فارسی، اردو کی نادر و نایاب کتابوں کے خاص خاص اور اہمیت رکھنے والے اجزا بھی اس میں حسب ضرورت شائع ہوا کریں گے۔

موجودہ نمبر ہماری سعی و کوشش کا نقش اول ہے۔ اس میں عیوب اور کمزوریاں دونوں موجود ہیں۔ جن کو رفع کرنے کے لئے آئندہ نمبروں میں ہم تا حد امکان کوتاہی نہیں کریں گے۔ رسالہ کی ترقی کے جو وسائل ہمارے پیش نظر ہیں اُن کا اظہار ناظرین پر وقتاً فوقتاً ہوتا رہے گا۔ تاہم ارباب علم و فضل سے توقع ہے کہ وہ بھی اس کی اصلاح و ترقی سے متعلق مفید مشوروں سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

اگر رسالہ کی اشاعت وسیع ہو جائے اور وہ ٹائپ کے اخراجات کا متحمل ہو سکے تو آئندہ نمبر ہی سے اس کو ٹائپ میں چھپوانے کی کوشش کی جائے گی۔ اور ایسی صورت میں موجودہ نمبر سالانہ جلد کی تکمیل کے لئے ٹائپ میں مکرر چھپوایا جائے گا۔

امید ہے کہ اُردو زبان کے بہی خواہ اور علم تاریخ کے شائق موجودہ کمزوریاں کو نظر انداز فرما کر اس رسالہ کی سرپرستی فرمانے سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

خاکسار

اڈیٹر

مملکت آصفیہ

سنہ ۱۱۶۰ھ میں

گیارہویں صدی ہجری کے اخیر ایام میں دکن کا شمالی حصہ جس میں صوبہ جات خاندیس و برار و احمد نگر شامل تھے۔ سلاطین مغلیہ کے تصرف میں تھا اس کے نیچے مشرق میں قطب شاہی اور مغرب میں عادل شاہی خاندان برسرحکومت تھے۔ جنوب میں پالیگاروں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں واقع تھیں۔

اورنگ زیب عالمگیر نے سنہ ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور اور سنہ ۱۰۹۸ھ میں حیدرآباد فتح کیا۔ ان فتوحات کے باعث مزید کوشش کے بغیر جنوب میں میسور تک دکن کے تمام علاقے مغلیہ عملداری میں شامل ہو گئے[1] جلوس کے پینتیسویں[۳۵] سال (سنہ ۱۱۰۲ھ) بادشاہ نے فساد کرناٹک رفع کرنے کے لئے ایک مہم روانہ کی۔ پانچ چھ سال کے عرصہ میں جنجی تک تمام ملک مفتوح ہو گیا۔[2] اس کے جنوب میں پالیگاروں کی حکومت تھی۔ انھوں نے

---

[1] سنہ ۱۱۱۲ھ میں اورنگ زیب عالمگیر کی طرف سے ضیاء الدین چینا پٹن کی خدمت دیوانی پر مامور تھا۔ ماثر عالمگیری صفحہ ۴۱۲

[2] سنہ ۱۱۰۹ھ میں نواب ذوالفقار خاں نے جنجی کو فتح کیا۔ ماثر عالمگیری صفحہ ۳۹۱

بغیر کسی فتنہ و فساد کے بادشاہ کی اطاعت قبول کرلی۔ اور ان فتوحات کی وجہ سے راميشورم تک تمام ملک بلاد قت و دشواری مغلوں کے قبضہ میں آگیا۔[ف۱]

عالمگیر کے مقبوضات دکن کو مورخین نے دو بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے[ف۲]

(۱) وہ ملک جو نربدا اور کرشنا کے مابین ہے۔

(۲) وہ ملک جو کرشنا کے نیچے واقع ہے۔

پہلا حصہ ذیل کے چھ صوبوں میں منقسم تھا۔

(۱) صوبہ خاندیس (۲) صوبہ برار

(۳) صوبہ اورنگ آباد (۴) صوبہ بیدر

(۵) صوبہ حیدر آباد (۶) صوبہ بیجاپور

دوسرے حصے کو کرناٹک کہا کرتے تھے۔ اس کے مغربی قطعات کرناٹک بیجاپور اور مشرقی قطعات کرناٹک حیدر آباد کے نام سے موسوم تھے۔ اور ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ طور پر صوبہ جات حیدر آباد و بیجاپور کا ضمیمہ بنا دیا گیا تھا۔

ف۱۔ دکن میں حسب ذیل مقامات پر اورنگ زیب عالمگیر کے سکے مضروب ہوئے ہیں۔
(۱) اورنگ آباد (۲) عالمگیر پور۔ (۳) قمر نگر کرنول (۴) اعظم نگر بلگانوں (۵) بنگا پور۔
(۶) بیجاپور (۷) برہان پور (۸) چینا پٹن (۹) ایلچپور (۱۰) گلبرگہ (۱۱) گولکنڈہ (۱۲) گتی۔
(۱۳) حیدر آباد (۱۴) امتیاز گڈھ ادھونی (۱۵) جنجی (۱۶) کرپا (۱۷) مچھلی پٹن (۱۸) محمود بندر
(۱۹) میلاپور (۲۰) نصرت آباد ساگر (۲۱) پرینڈہ (۲۲) شولاپور (۲۳) ورنگل۔
(۲۴) ستارا (۲۵) تورگل (۲۶) ظفر آباد۔

ف۲۔ اس تقسیم کی تفصیل کے لئے دیکھئے۔ جیرن کی چہار گلشن۔ یا ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار کی کتاب انڈیا آف اورنگ زیب جو ۱۹۰۱ء عیسوی میں کلکتہ میں چھپی ہے۔

حیدرآباد کا کرناٹک دو حصوں میں تھا۔ ایک بالا گھاٹ اس میں گنجی کوٹہ۔ سدھوت۔ کورم کنڈہ۔ شامل تھے۔ دوسرا پایان گھاٹ اس کا علاقہ گنٹور سے کولارتک ساحل کارامنڈل پر پھیلا ہوا تھا۔ بیجاپور کا کرناٹک آب کرشنا سے میسور کی اخیر سرحد تک وسیع تھا۔ اور اس میں اناگوندی۔ بدنور۔ چیتل ورگ۔ ہرپن ہلی۔ بنگلور۔ سرا اور میسور کے علاقے شامل تھے۔

عالمگیر اورنگ زیب کی وفات کے وقت کرناٹک کے ہر دو علاقے صوبہ دار ذوالفقار خاں کے تفویض تھے۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد محمد شاہ بادشاہ کی تخت نشینی تک دکن کا تمام ملک مغلیہ مقبوضات میں شمار ہوتا تھا مرہٹوں کی قوت دکن کے شمال اور مغربی علاقوں میں نمودار ہو گئی تھی لیکن ان کی حیثیت غارت گروں سے زیادہ نہ تھی۔ اور مغلوں کے حکام و عمال جو دکن کے مختلف علاقوں میں برسر حکومت تھے وقتاً فوقتاً ان کی مدافعت کردیا کرتے تھے۔

سلطنت مغلیہ کی طرف سے نواب نظام الملک آصف جاہ جب دکن کے صوبہ دار مقرر ہوئے تو وہ تمام ملک ان کے تصرف میں آیا جو عالمگیر کے عہد سے مغلیہ مقبوضات میں شمار ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں کوکن کا علاقہ مرہٹوں کے قبضہ میں تھا۔ سنہ ۱۱۳۰ھ میں جب کہ امیر الامرا سید حسین علیخاں دکن کا صوبہ دار تھا تو اس نے مرہٹہ سردار ساہو جی سے لوٹ مار اور راہ زنی کے چھوڑ دینے کا اقرار لے کر دکن کے چھ صوبوں کی چوتھ اور سردیسکھی عنایت کی اور اُسے صوبۂ دکن کے کارکنوں میں شامل کرکے تنخواہ کے عوض کوکن کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا۔[۱] اس بناء پر پونا سے ستارا تک جو ملک واقع ہے وہ مرہٹوں کی ملک قرار پایا۔

---

[۱] حدیقۃ العالم جلد دوم صہ ۸۶ ۔

نواب آصف جاہ جب صوبہ دار مقرر ہوئے تو اس وقت دکن میں دو شخص مرہٹوں کی سرداری کے مدعی تھے۔ ساہو جی۔ سنبھاجی۔ پہلا ستارا کا دوسرا کولاپور کا راجہ تھا[۱] سنہ ۱۱۳۹ھ میں نواب آصف جاہ نے ساہو جی کو معزول کرکے اس کے عوض سنبھاجی کو مرہٹوں کا سردار قرار دیا اور اُسے اپنے دربار میں بلاکر دکن کی چوتھ اور سردیسکھی بھی حوالہ کی[۲] یہ امر ساہو کے پیشوا باجی راؤ کو ناگوار ہوا۔ اور اس نے سنہ ۱۱۴۰ھ کے موسم برسات میں اورنگ آباد کے اطراف غارت گری شروع کردی۔ نواب آصف جاہ نے جب مدافعت کا انتظام کیا تو باجی راؤ سے مقابلہ نہ ہوسکا اور وہ برہان پور سے ہوتا ہوا گجرات کی جانب چلا گیا[۳] اسی اثناء میں ساہو کے ایک سردار نے سنبھاجی کو مجبور کرکے ایک صلحنامہ لکھوا لیا جس کی رو سے ساہو ستارا کا اور سنبھا کولاپور کا راجہ تسلیم کیے گئے لیکن مرہٹوں کی سرداری صرف ساہو کے حق میں مسلم ہوئی چوتھ اور سردیسکھی بھی اُسی کا حصہ قرار پایا[۴]۔ اس تصفیہ کو نواب آصف جاہ نے بھی ناگزیر قبول کرلیا اور ساہو کو حسب سابق چوتھ اور سردیسکھی کے اختیارات دیدیے[۵]

سنہ ۱۱۴۸ھ میں امیر الامراء کی سفارش سے محمد شاہ نے باجی راؤ کو مالوہ کا صوبہ دار بنادیا[۶] جس کے باعث دکن کے شمال میں مرہٹوں کا اقتدار قائم ہوگیا تھا اور وہ شمال و مغرب دونوں جانب سے جب کبھی موقع ملتا تو نواب آصف جاہ کے حدود میں آکر قتل و غارت کیا کرتے اور جس وقت مدافعت کی جاتی تو واپس چلے جاتے تھے اس لئے نربدا کے نیچے برار و خاندیس میں ان کو کسی قسم کا بھی اقتدار نہیں تھا۔

کرناٹک اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ سے صوبہ جات دکن کا ماتحت علاقہ

۱۔ لیتھبرج کا مقدمہ تاریخ ہند ص ۱۷۱ ۲۔ حدیقۃ العالم جلد دوم ص ۱۳۹

۳۔ حدیقۃ العالم جلد دوم ص ۱۴۰ ۴۔ الفنسٹن کی تاریخ ہند جلد دوم ص ۱۱۰۳

۵۔ حدیقۃ العالم جلد دوم ص ۱۴۰ ۶۔ خزانہ عامرہ ص ۴۳

علاقہ چلا آتا تھا۔ اور یہاں کے حکام صوبہ داران دکن کے نائب ہوا کرتے تھے[1]
۱۱۴۵ھ میں کرناٹک کے نواب سعادت اللہ خاں کا انتقال ہو گیا تو اس کے
قرابت داروں میں جانشینی کے لئے کئی سال تک جھگڑا ہوتا رہا۔ اس فساد کو
رفع کرنے کے لئے نواب آصف جاہ نے کرناٹک پر یورش کی۔ یہاں سے فارغ
ہو کر ترچناپلی پہنچے۔ معمولی لڑائی کے بعد یہ مقام اور مدورا وغیرہ مفتوح ہو گئے۔ اسکے
بعد ارکاٹ واپس آئے اور ۱۱۵۶ھ میں سراج الدولہ نواب انور الدینخاں کو کرناٹک
کی نیابت تفویض کی[2] اس فتح سے راس کماری تک دکن کا مشرقی علاقہ قلمروئے آصفیہ
میں داخل ہو گیا۔[3]

نواب آصف جاہ نے اپنے نواسے نواب مظفر جنگ کو بیجاپور کا صوبہ دار بنایا تھا
رائےچور اور ادھونی کے علاقے اپنے فرزند نواب بسالت جنگ کو جاگیر میں عطا کیے
تھے۔ کرنول، کڑپہ اور شاہ نور میں افغان سردار برسر حکومت تھے۔ مغربی گھاٹ اور
ساحل پر بیدنور کے رانا کی حکومت تھی۔ میسور میں کرشنا خاندان کے راجہ حکمرانی
کر رہے تھے۔

شاہ نور بیجاپور کے اور کڑپہ کرناٹک کے ماتحت تھا۔[4] کرنول کے نواب نے
تسخیر کرناٹک کے زمانہ میں اطاعت قبول کر لی تھی۔[5] بیدنور کا رانا عالمگیر کے زمانے
سے صوبہ داران دکن کا مطیع چلا آرہا تھا۔[6] میسور کے راجہ خود سر ہو گئے تھے لیکن
نواب آصف جاہ نے ان کی تنبیہ کے لئے نواب ناصر جنگ کے زیر کمان ایک مہم
داکن کھیڑہ سے روانہ کی۔ ۱۱۵۹ھ میں سرنگا پٹن کا محاصرہ ہوا تو راجہ نے مطیع ہو کر

---

[1] تاریخ ظفرہ صـ ۱۰۴۔ لایل کی مملکت برطانیہ صـ ۸۴۔ [2] حدیقۃ العالم جلد دوم صـ ۱۰۱۔ اساس کرناٹک
[3] خزانۂ عامرہ صـ ۵۹۔ [4] تاریخ دلیر جنگی صـ ۲۷۔ [5] حدیقۃ العالم جلد دوم صـ ۱۲۴
[6] مآثر عالمگیری صـ ۳۵۴

سالانہ خراج ادا کرنے کا اقرار کیا۔[۱]

میسور کے نیچے کوچین وٹراونکور کے علاقے تھے۔ مغرب میں ساحل سمندر پر ملیبار کا ملک تھا۔ یہ سب آصفیہ عملداری سے خارج اور یہاں کے حکمراں خودمختار تھے۔ ۱۱۶۱ھ میں جب نواب آصف جاہ کا انتقال ہوا ہے۔ تو اس وقت ان کے مقبوضات کی سرحد شمال میں نربدا سے شروع ہوکر جنوب میں رامیشورم پر ختم ہوتی تھی۔ مغرب میں کوکن کا علاقہ ان کی حکومت سے خارج تھا۔ مشرق میں اڑیسہ کے ساحل پر بنگالہ کی سرحد تک ان کی عملداری پھیلی ہوئی تھی۔ موجودہ جغرافیہ کے لحاظ سے ممالک محروسہ سرکار عالی کے علاوہ حسب ذیل ممالک ان کی مملکت میں شامل تھے۔ احاطہ مدراس کا تمام ملک، ملیبار اور کوچین وٹراونکور کو چھوڑ کر۔ احاطہ بمبئی کا جنوبی حصہ۔ ممالک متوسط کے وہ قطعات جو نربدا کے نیچے واقع ہیں۔

مغلوں کے عہد حکومت سے یہ ملک چھ صوبوں میں منقسم تھا اور ہر صوبہ کی تقسیم متعدد سرکاروں پر مشتمل تھی۔ ان صوبوں کا ذکر اور سرکاروں کی تفصیل ہندوستان کی اُن تمام جغرافیانہ تاریخوں میں تحریر ہے جو اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ضبط تحریر میں آئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی کتاب غالباً اخبار النوادر ہے۔ جس کو رائے چترمن نے نواب غازی الدین خاں بہادر کی فرمایش سے ۱۲۰۳ھ میں بعہد شاہ عالم بادشاہ ثانی تصنیف کیا ہے۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مسودہ منتشر و پراگندہ تھا۔ منشی چندر بھان نے ۱۲۴۰ھ میں اُسے از سر نو مرتب کیا اور چہار گلشن اُس کا نام رکھا۔ اس میں چار باب ہیں۔ پہلے باب میں ہندوستان کے پندرہ اور دوسرے باب میں دکن کے چھ صوبوں کا بیان ہے۔ تیسرے باب میں ہندوستان کے راستوں کی تفصیل ہے۔ چوتھے باب میں مسلمان اور ہندو فقرا کے مختلف فرقوں کا تذکرہ ہے۔

دوسری کتاب لالہ چھمی نارائن شفیق کی حقیقت ہائے ہندوستان ہے۔ جو

سنہ ۱۲۰۴ھ میں ولیم پامر کی فرمایش سے بمقام حیدرآباد تصنیف ہوئی ہے۔ یہ بھی چار مقالوں میں منقسم ہے۔ پہلے مقالہ میں ہندوستان کے محاصل و مخارج کا گوشوارہ ہے دوسرے اور تیسرے مقالے میں ہندوستان کے پندرہ اور دکن کے چھ صوبوں کی تفصیل بیان کی ہے۔ تیسرا مقالہ سلاطین ہندوستان کے حالات میں ہے۔

تیسری کتاب مورخ قادر خاں بیدری کی ہے جو نواب سکندر جاہ آصف جاہ سوم کے عہد میں سنہ ۱۲۴۷ھ میں لکھی گئی ہے۔ اس کی پہلی جلد میں جس کا نام سیر الہند ہے ہندوستان خاص کے پندرہ صوبوں کا ذکر ہے۔ دوسری جلد جو گلگشت دکن کے نام سے موسوم ہے۔ دکن کے چھ صوبہ جات سے تعلق رکھتی ہے۔

اس سلسلہ میں دو کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں صرف صوبہ جات دکن کا تذکرہ ہے۔ ان میں سوانح دکن مقدم ہے۔ اسے منعم خاں اورنگ آبادی نے سنہ ۱۱۷۰ھ میں بمقام اورنگ آباد مرتب کیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے صوبہ جات دکن کے حالات اور ان کے بعد نواب آصف جاہ اور ان کے امرائے دربار کا تذکرہ مرقوم ہے۔

دوسری کتاب گلزار آصفیہ ہے جسے حکیم غلام حسین خاں نے سنہ ۱۲۶۴ھ میں تصنیف کیا ہے۔ یہ دکن کی عام تاریخ ہے اس میں چار باب ہیں۔ پہلے باب میں سلاطین قطب شاہیہ کا ذکر ہے۔ دوسرے باب میں شاہان آصفیہ کی تاریخ ہے۔ تیسرے باب میں حیدرآباد کے اعیان و امراء اور دیگر ارباب فضل و کمال کا تذکرہ ہے۔ چوتھے باب میں صوبہ جات دکن کی تفصیل ہے۔

ان پانچوں کتابوں کو پیش نظر رکھکر ہم نے صوبہ جات دکن اور ان کے جملہ سرکاروں کی ایک فہرست مرتب کی ہے جو ذیل میں درج ہے۔ اس میں سے پرنالہ، ابوکوتل، کوکن، اور جوار کے چار سرکار خارج کر دینا چاہیے۔ ان کے علاوہ باقی تمام سرکار مملکت آصفیہ میں شامل ہیں۔ صوبہ جات اور سرکاروں کے محل وقوع کو ظاہر کرنے کیلئے

ہم نے ایک نقشہ بھی بنا دیا ہے۔ اس کی ترتیب و تیاری میں امپیریل گزیٹر کے علاوہ چند خاص خاص نقشوں سے مدد لی ہے جو اب سے سو سوا سال پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں تیار ہوئے ہیں۔ ان میں قابل ذکر اور کارآمد نقشہ جے۔ سی واکر کا ہے۔ اس میں وہ تمام مقامات درج ہیں جن کا ذکر مغلوں کی تاریخ میں آیا ہے اس کے بعد ہسٹری آف مرہٹہ آرمی کے نقشوں سے مدد ملی ہے۔ ان سے جنوب کے بعض مقامات کا پتہ چلا ہے۔

(۱) صوبۂ خاندیس

اس صوبہ میں چھ سرکار تھے۔ برہان پور مستقر حکومت تھا۔

(۱) سرکار اسیر	محال ۳۲	ب	م
(۲) سرکار بگلانہ	محال ۳۰		
(۳) سرکار بیجاگڈھ عرف گھرکول	محال ۳۲	ب	ل
(۴) سرکار کالنہ	محال ۷		
(۵) سرکار ندربار	محال ۶	ب	ل
(۶) سرکار ہانڈیہ	محال ۲۷	ا	م

(۲) صوبۂ برار

یہ صوبہ دو حصوں میں منقسم تھا (۱) بالاگھاٹ۔ اس میں پانچ سرکار تھے (۲) پایان گھاٹ۔ اس میں سات سرکار تھے۔

بالاگھاٹ

(۱) سرکار پاتھری	محال ۱۱	ج	م
(۲) سرکار باسم	محال ۹	ب	م
(۳) سرکار بتیال باری	محال ۹		

(۴)	سرکار ماہور	محال ۱۰	ج	ل
(۵)	سرکار مھکر	محال ۱۲		

پایان گھاٹ

(۶)	سرکار کاویل	محال ۴۶		
(۷)	سرکار کلم	محال ۲۴		
(۸)	سرکار کھیراله	محال ۲۴		
(۹)	سرکار ترناله	محال ۴۷	ب	م
(۱۰)	سرکار پونار	محال ۴		
(۱۱)	سرکار دیوگڑه عرف اسلام گڑه	محال ۴۹	ب	ن
(۱۲)	سرکار سرنوپر	محال ۷		

(۳) صوبۂ اورنگ آباد

اس صوبہ میں بارہ سرکار تھے۔

(۱)	سرکار دیوگیر عرف دولت آباد	محال ۲۷	ج	ل
(۲)	سرکار احمد نگر	محال ۱۰	ج	ل
(۳)	سرکار پٹن	محال ۲	ج	ل
(۴)	سرکار پرینڈه	محال ۱۹	ج	ل
(۵)	سرکار بیڑ	محال ۱	ج	ل
(۶)	سرکار جالناپور	محال ۱۰	ج	ل
(۷)	سرکار سنگمنیر	محال ۱۱	ج	ل
(۸)	سرکار شولاپور	محال ۲	د	ل
(۹)	سرکار دہارور عرف فتح آباد	محال ۱۱	ج	م

(۱۰) سرکار جونیر — محال ۲۴ — ح — ل — ۷ ۱۱ / ۲۶۴

(۱۱) سرکار تل کوکن — محال ۱۶

(۱۲) سرکار جوار — محال ۱۳ — ج — ک

۴ صوبہ محمد آباد بیدر

اس صوبہ میں سات سرکار تھے۔

(۱) سرکار بیدر عرف ظفر آباد — محال ۸ — د — م

(۲) سرکار اکل کوٹ — محال ۷ — د — م

(۳) سرکار کلیان — محال ۲ — د — م

(۴) سرکار اتگیر عرف فیروزگڈھ — محال ۱ — ن — م

(۵) سرکار ملکھیڑ عرف مظفر نگر — محال ۱۴ — د — م

(۶) سرکار امرجنتہ — محال ۱

(۷) سرکار ناندیڑ — محال ۴۴ — ن — م

۵ صوبہ بیجاپور

اس صوبہ میں اٹھارہ سرکار تھے۔

(۱) سرکار بیجاپور — محال ۳۰ — ا — ل

(۲) سرکار گلبرگہ عرف احسن آباد — محال ۱ — د — م

(۳) سرکار لگانوں " اعظم نگر — محال ۱۵ — ہ — ل

(۴) سرکار انکلوج " سعد نگر — محال ۱۲ — د — ل

(۵) سرکار ادونی " امتیازگڈھ — محال ۶ — ہ — م

(۶) سرکار رائچور " فیروزنگر — محال ۹ — ہ — م

(۷) سرکار بنکاپور — محال ۱۶ — ہ — م

(۸)	سرکار تورگل	محال	۱۶	د	ل
(۹)	سرکار نندیال عرف غازی پور	محال	۲۳	ہ	ن
(۱۰)	سرکار تلدرک	محال	۸		
(۱۱)	سرکار ایلچپور عرف محمد نگر	محال	۷	د	ل
(۱۲)	سرکار مدگل	محال	۱۳	ہ	م
(۱۳)	سرکار داوول عرف مصطفےٰ آباد	محال	۸	د	ک
(۱۴)	سرکار مرچ " مرتضےٰ آباد	محال	۶	د	ل
(۱۵)	سرکار پیالہ " نبی شاہ درگ	محال	۸	د	ل
(۱۶)	سرکار ساگر " نصرت آباد	محال	۵	د	م
(۱۷)	سرکار رائے باغ	محال	۱۲	د	ل
(۱۸)	سرکار کرناٹک	محال	۵۶		

۶ صوبہ حیدرآباد

اس صوبہ کے دو تفریق تھے (۱) تلنگانہ اسمیں بائیس سرکار تھے۔
(۲) کرناٹک اس میں اکیس سرکار تھے۔

ملک تلنگانہ

(۱)	سرکار گولکنڈہ عرف محمد نگر	محال	۱۲	د	ن
(۲)	سرکار بھونگیر	محال	۱۱	د	ن
(۳)	سرکار دیورکنڈہ	محال	۱۲	د	ن
(۴)	سرکار میدک	محال	۱۲	ج	ن
(۵)	سرکار کوئلاس	محال	۵	ج	م
(۶)	سرکار کھمم میٹ	محال	۱۱	د	س

(۷)	سرکار نلگنڈہ	محال	۲۲	د	ن
(۸)	سرکار کویل کنڈہ	محال	۱۳	د	ن
(۹)	سرکار پانگل	محال	۵	د	ن
(۱۰)	سرکار گھن پورہ	محال	۹	د	ن
(۱۱)	سرکار ایلگندل	محال	۲۱	ج	ن
(۱۲)	سرکار آرام گیر	محال	۱	ج	ن
(۱۳)	سرکار ورنگل	محال	۱۶	ج	ن
(۱۴)	سرکار ملنکور	محال	۳	ج	ن
(۱۵)	سرکار کوندے پلی مصطفے نگر	محال	۲۴	د	س
(۱۶)	سرکار گنتور عرف مرتضے نگر	محال	۵	د	س
(۱۷)	سرکار ایلور	محال	۱۲	د	س
(۱۸)	سرکار راج مندری	محال	۲۴	د	س
(۱۹)	سرکار مچھلی پٹن	محال	۸	د	س
(۲۰)	سرکار نظام پٹن	محال	۱	ہ	س
(۲۱)	سرکار کان الماس	محال	۱		
(۲۲)	سرکار چلکہ سیاکول	محال	۱	ج	ف

ملک کرناٹک

علاقہ بالا گھاٹ

(۲۳)	سرکار سدہوت	محال	۸	ہ	ن
(۲۴)	سرکار گنجی کوٹہ	محال	۱۵	ہ	بن
(۲۵)	سرکار گوتی	محال	۱۳	ہ	م

(۲۶)	سرکار کورم کنڈہ	محال	۱۲	و	ن
(۲۷)	سرکار کھمم	محال	۱۸	ہ	ی

علاقہ پایان گھاٹ

(۲۸)	سرکار اودگیر	محال	۶		
(۲۹)	سرکار ویلور	محال	۸	و	ی
(۳۰)	سرکار پالم کوٹ	محال	۱۳	ز	ن
(۳۱)	سرکار ترپاتور	محال	۱۰	و	ن
(۳۲)	سرکار جگدیو	محال	۱۷		
(۳۳)	سرکار چندراگری	محال	۱۰	و	ن
(۳۴)	سرکار چنگل پٹ	محال	۳	و	س
(۳۵)	سرکار سردہ پلی	محال	۱۳	ہ	س
(۳۶)	سرکار کنجی	محال	۱۵	و	ن
(۳۷)	سرکار ترناملی	محال	۱۱	و	ن
(۳۸)	سرکار جنجی عرف نصرت گڈھ	محال	۸	و	ن
(۳۹)	سرکار وردا ور	محال	۹		
(۴۰)	سرکار والکنڈہ	محال	۵	ز	ن
(۴۱)	سرکار ونڈواشی	محال	۳	و	ن
(۴۲)	سرکار ترچناپلی	محال	۱	ز	ن
(۴۳)	سرکار تنجاور	محال	۱	ز	ن

مختلف کتابوں میں صوبہ جات دکن کے جو گوشوارے تحریر ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب آصف جاہ کے عہد میں ان صوبوں سے کم و بیش

اٹھارہ کرور چالیس لاکھ ترتالیس ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی تھی۔ اس کے علاوہ وہ رقم تھی جو تلنگانہ اور کرناٹک کے راجاؤں اور زمینداروں سے پیش کش میں وصول ہوا کرتی تھی۔

صوبہ خاندیس	سے تخمیناً	۵۸۷۸۰۰۰ روپیہ
صوبہ برار	〃 〃	۱۲۷۸۳۰۰۰ 〃
صوبہ اورنگ آباد	〃 〃	۱۲۷۷۷۰۰۰
صوبہ بیدر	〃 〃	۶۹۴۲۰۰۰
صوبہ بیجاپور	〃 〃	۷۸۸۱۸۰۰۰
صوبہ حیدر آباد	〃 〃	۶۶۸۴۵۰۰۰
	میزان	۱۸۴۰۴۳۰۰۰

راجگان زمینداران کرناٹک کا پیش کش تخمیناً	۵۲۵۶۱۰۰۰
راجگان و زمینداران تلنگانہ کا پیش کش تخمیناً	۶۰۰۰۰۰۰
میزان	۵۸۵۶۱۰۰۰

میزان کل	۲۴۲۶۰۴۰۰۰

کتب خانۂ اسکندریہ

اردو زبان میں کتب خانہ اسکندریہ پر متعدد مضامین لکھے گئے ہیں لیکن اُن میں بالعموم مورخین مغرب کے اس الزام کی تردید کی گئی ہے کہ "مسلمانوں نے اس کتب خانہ کو جلا دیا تھا" یہ کتب خانہ کس عہد میں قائم ہوا۔ اس کے قیام کا مقصد کیا تھا، اور اس میں کس قدر کتابیں تھیں۔ ان مباحث کیجانب بہت کم توجہ کیگئی ہے۔

جارج بوشنل نے جو یورپ کے مشہور محقق و مصنف ہیں۔ جون ۱۹۲۸ء کے رسالہ عتایق (انٹی کوئیٹی) میں کتب خانہ اسکندریہ کی نسبت ایک عالمانہ مضمون شایع کیا ہے اور اس میں کتب خانہ کی گزشتہ تاریخ کے متعلق ایسے معلومات فراہم کیے ہیں جن سے ارباب اردو بہت کم واقف ہیں۔ ہمارے مکرم مولوی سید معین الدین قریشی ایم اے نے جو عثمانیہ یونیورسٹی میگزین کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اس مضمون کا ترجمہ کیا ہے۔ جسے ہم شکریہ کے ساتھ درج رسالہ کرتے ہیں۔

تقریباً دو سو پچاس سال قبل مسیح میں علمی جد و جہد کا عام مرکز اثینہ سے سکندریہ میں منتقل ہوا۔ اس شہر میں جس کی بنیاد سکندر نے حضرت عیسیٰ سے کوئی تین سو تیس سال قبل ڈالی تھی بطلیموس، فلادلفیوس کے زیر نگین تصنیف و تالیف کا بازار گرم ہوگیا۔

جہاں تک کتب خانوں کی تاریخ کا تعلق ہے کتب خانہ اسکندریہ بہت بعد میں وجود میں آیا۔ چنانچہ مشرق ہزار ہا سال پہلے کتب خانوں سے آشنا تھا۔ کتب خانہ اسکندریہ کے قیام سے ایک سو سال پہلے خود یونانیوں کا اولین سرکاری کتب خانہ موجود تھا جس کو یونانی حکومت نے تین سو پچاس سال قبل مسیح بہ مقام ہرکلیہ قائم کیا تھا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جبکہ سکندر ابھی لڑکا تھا۔

اسکندریہ کا ادبی فروغ اثینہ اور روما کے ادبی نشوونما سے ذرا مختلف ہے ان دونوں شہروں میں ادب سے آہستہ آہستہ اور بتدریج ترقی کی بطلیموس ثانی بڑے حوصلوں اور ارادوں کا آدمی تھا جس کی بدولت اہل قلم اور طالب العلم جوق درجوق سکندریہ میں کھچے چلے آئے۔ ان افراد نے عظیم الشان ادبی تصنیفات کے مستند اڈیشن تیار کیے جو بعد میں اور تمام کتب خانوں کا آسرا بنے رہے۔ یہ سکندری اڈیشن تمام یونانی دنیا میں گشت لگاتے رہے۔

ان ہی سے وہ سب مخطوطات نے زندگی پائی جو اس زمانہ کے مشہور و معروف کتب خانوں کی زینت ہیں اور جن سے ہومر، زینوفن وغیرہ کے مطبوعہ نسخوں کی تیاری میں اصل مسودات کا کام لیا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک قحط کے زمانہ میں بطلیموس نے اثینہ والوں کو صرف اس شرط پر غذا دینی منظور کی کہ وہ اس چیلیس، سوفوکلس اور یوری پیڈیس کے حزنیہ کارناموں کے مستند نسخے فراہم کردیں اور جب یہ شرط پوری ہوئی تو اس نے بڑی فیاضی سے غلہ کی کثیر مقدار اور ۱۵ ٹیالنٹس نقرئی اثینہ والوں کو عنایت کیے۔

سکندری میوزیم دراصل ترقی علوم و فنون کا ایک ادارہ تھا جس نے صاحبان علم و فضل کی ایک برادری قائم کردی۔ اس کی عمارتیں شہر کے شاہی علاقہ میں

محل سے متصل واقع تھیں جو چمن اور خانقاہوں اور کھانے کے ایک وسیع ہال پر مشتمل تھیں۔ ممتاز علماء و حکماء کو اس مجلس علم کی دعوتِ رکنیت دی جاتی تھی۔ جنھیں تا عدالت وقت کی جانب سے سالانہ وظیفے بھی دیئے جاتے تھے۔ یہاں انھیں اپنی زندگی کو علم کے لئے وقف کرنا پڑتا تھا۔ تعلیم و تعلم کا ابتداء میں کوئی انتظام نہیں تھا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ بعض امور میں یہ میوزیم اتینہ کے مدارس حکمت سے ملتا جلتا تھا۔ خاصکر اس لحاظ سے کہ یہ بھی دیولوں کا ایک معبد تھا جس کا ایک صدر یا پجاری ہوتا تھا۔ اس کا تقرر حکومت کی جانب سے عمل میں آتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹا سا کتبخانہ بھی تھا جس میں ۴۲۸۰۰ کتابیں تھیں۔ کچھ عرصہ بعد سکندریہ میں ایک عیسائی اور ایک یہودی کالج بھی قایم ہوگیا۔

سکندریہ، عہد مقدونیہ میں علمی تحقیق کا سب سے بڑا مرکز تھا یا یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس کا شمار وہاں کے دو عظیم الشان مرکزوں میں تھا۔ ادبیات عالیہ، علوم ریاضی، علم تشریح، فلکیات، تاریخ طبعی اور علوم حکمت کا جو بھی سرمایہ اس زمانہ میں موجود تھا وہ اس شہر کے دامن سرپرستی میں سمٹ آیا۔

سکندریہ والے محل سے کچھ ہی دور، چمن کے اس پار کتب خانہ تھا جو ۵ لاکھ کتابوں سے مالامال تھا جونفیس اپنی کتاب العتایق (۱۲-۱ باب دوم) میں فراہمی کتب کا ایک قصہ بیان کرتا ہے جس کی صحت کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

وہسٹن کے ترجمہ کا اقتباس یہ ہے:۔

واقعہ یہ ہے کہ شاہی کتب خانہ دار ڈی مٹ ری ایس فیل ری ایس نے اس امر کا بیڑا اٹھا رکھا تھا کہ تمام عالم (دیکھو نقشۂ عالم مرتبہ یراٹوس تھینز ۲۰۰ق م) کی کتابوں کو اپنے ہاں اکٹھا کرلے بشرطیکہ یہ ممکن ہو جہاں بھی جو چیز کام کی یا بادشاہ کے مذاق کی نکلتی اس کو وہ فوراً خرید لیتا (واضح رہے کہ بادشاہ کو کتابوں کے

مشہور و معروف "سپٹوجنٹ" کی وجہ تسمیہ اور اصلیت یہی بیان کی جاتی ہے کیونکہ ستر ربّی اس کام میں مصروف رہے۔

ایچی بی ایس کا بیان ہے کہ کتب خانہ کی مشمولات میں ارسطو کی تصنیفات بھی تھیں جو نیولیس سے خرید کی گئی تھیں۔ سوفوکلیس، یوری پدیس اور ایس جیلیس کی تصانیف اہل اتینہ سے مستعار لی گئی تھیں جن کے اصل نسخے تو محفوظ کر لیے گئے اور اُن کی نقلیں مالکوں کو دی گئیں۔

مشہور و معروف شاعر و فلسفی کیالی مے کس جس زمانہ میں کتب خانہ کی کاغذی دنیا پر فرماں روائی کر رہا تھا ادبی دنیا میں ایک نمایاں تغیر نمودار ہوا۔ اہل ادب نے رزم و جان بازی کے تمثیلی موضوع ترک کر دیے۔ قدرت کی دل فریبیاں اب اُن کے دلوں کو لبھانے لگیں۔ دیہات کے سیدھے سادے مناظر و واقعات اور بہتے چشموں کے کنارے گلہ بانوں کی بیخودی ان کی نظموں میں جذب ہونے لگی۔ اسی زمانہ میں تھی اوکرائی ٹس کی منظری نظمیں تخلیق ہوئیں۔

اس قدرت نگاری کے علاوہ ایک قسم کی حقیقت آمیز طربیہ نگاری بھی عالم وجود میں آئی جس میں شہریوں کی کمزوریاں اور خصوصیات ظریفانہ اور مزاحیہ رنگ میں بیان کی گئیں۔ اس نئی طربیہ نگاری کا علم بردار غالباً اثینہ کا باشندہ میاندر تھا۔

کیالی مے کس (جو ابتدا کے عظیم الشان کتب خانہ داروں میں گنا جا سکتا ہے) کے دور میں ایک فہرست کتب مرتب کی گئی جو ۱۲۰ مجلدات پر مشتمل تھی۔ یہ گویا ان تمام مصنفین اور کتابوں کا ایک اشاریہ تھا جو کیالی مے کس کے نزدیک کسی نہ کسی حیثیت سے قابل قدر تھیں اس کا نام "فہرست متفرقات" تھا۔ اس ذی ہوش کتب خانہ دار سے یہ مقولہ منسوب ہے کہ ایک بڑی کتاب حقیقت میں ایک بڑی بلا ہے جس کا غالباً یہ مفہوم تھا کہ ایک بڑی کتاب بمشکل ایک مستقل جلد میں سما سکتی ہے

اسی خیال سے اس نے تصانیف کو مختلف جلدوں میں منقسم کر دیا تھا اور ہر جلد، کتاب یعنی حصہ کے نام سے موسوم کی گئی۔ الیڈا اور راوڈیسے، ہیروڈٹس کی تاریخ اور دیگر تصنیفات کی تقسیم اسی طریق پر عمل میں آئی تھی گراتھی نا نامی ایک درباری کی تصنیف "قوانین ضیافت" اور راگی میں۔ ہیگی سی پس اور مسٹر وبی ایس کی تصانیف پنیری روٹیاں بنانے کے فن میں شامل فہرست ہیں۔

میں نے ابھی ابھی یہ بیان کیا ہے کہ بطلیموس نے عبرانیوں کی حکمت و دانش کے قصے سنکر "کتب مقدسہ" کو طلب کیا اور عام افادہ کی خاطر اُن کا یونانی میں ترجمہ کرایا۔ اس کے علاوہ اُس نے قدیم مصریوں، کلدانیوں اور رومانیوں کی کتابیں بھی فراہم کیں جن کے ترجمہ کے لئے بے شمار مترجمیں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

ابتدائی مصنفین میں اس امر کا بیحد اختلاف ہے کہ درحقیقت اس کتبخانہ کی کل کائنات کیا تھی۔ جارجیس سڈری نس کے خیال میں کل تعداد ایک لاکھ تھی۔ سینکا، ۴ لاکھ اور جوسیفس ۲ لاکھ بیان کرتے ہیں۔ آلس گے لیس کا بیان ہے کہ تعداد کتب، لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ امیانس بھی اسی کا ہم نوا ہے۔ تعجب ہے کہ اے سی ڈورصرف، ہزار کا اندازہ کرتا ہے۔ غالباً اس سے سہو ہو گیا اصل منشار، لاکھ معلوم ہوتا ہے۔

یوسیبس (یوسیفس) کے نزدیک فلادلفیوس کی وفات کے وقت ایک لاکھ کتابیں تھیں۔ اے پی فے نس جو اس سے ذرا قبل کا مصنف ہے ۵۴۸۰۰ بتلاتا ہے اور سی ایس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جولیس سیزر کے ہاتھوں جہازوں کے بیڑے کے ساتھ ۴ لاکھ کتابیں نذر آتش ہو گئیں۔ میرے خیال میں عام طور پر ۵ لاکھ کا تعین کیا جاتا ہے۔

بارہویں صدی کا مصنف ٹیٹزس غالباً کیالی میکس کی سند پر یہ بیان کرتا ہے کہ بیرونی کتب خانہ (۴۲۰۰۰) مجلدات پر اور اندرونی کتب خانہ (۴۹۰۰۰۰) مجلدات پر مشتمل تھا۔ فہرست سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موخرالذکر میں ۹۰۰۰۰ بے میل مجلدات تھے یعنی ہر جلد بجائے خود ایک مستقل تصنیف تھی اور چار لاکھ جلدیں ملوان تھیں یعنی ہر جلد دو یا زائد تصنیفات پر مشتمل تھی۔

عام طور پر غالباً اس کا اندازہ نہیں ہے کہ متذکرۂ بالا جلدوں میں موجودہ زمانہ کی متوسط تقطیع کی معمولی جلد سے کم مواد ہوتا تھا۔ مثلاً "تغیرات عالم" مصنفہ اووڈ کی ۱۵ کتابیں تھیں اور وہ ۱۵ جلدیں شمار کی جاتی تھیں۔ اسی طرح ایتھی نی ایس کا بیان ہے کہ ڈائڈی مس نامی ایک شخص نے ساڑھے تین ہزار جلدیں لکھیں ان امور کے مدنظر اختلاف کی گتھی ایک حد تک سلجھ سکتی ہے اور تعداد کو ایک مناسب حد میں معین کیا جاسکتا ہے۔

اسٹرابو نے کتب خانہ کا نقشہ یوں کھینچا ہے :۔

"اس میں ایک ایوان استوانی، ایک دارالتقریر اور ایک وسیع طعام خانہ ہے جہاں اس میوزیم کے ارباب علم مل جلکر کھانا کھایا کرتے ہیں۔ کالج کی آمدنی کا ایک مشترک مد ہے جس کا انتظام میوزیم کے نگراں پادری کے سپرد ہوتا ہے۔ اگرچہ اس عمارت کے کوئی آثار اب باقی نہیں رہے لیکن اس کے متعلق جو بیانات ہمیں ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عام یونانی اور رومائی طرز تعمیر کی شان لی ہوی تھی۔

یہ امر تقریباً مسلمہ ہے کہ سکندریہ کے ابتدائی کتب خانہ دار حسب ذیل تھے۔ ڈی میٹری یس باشندۂ فیلرم۔ کیالی مے کس۔ یراٹوس تھینز۔ اپالونی یس۔ ارسٹوفے نس باشندہ بازنطینیہ۔ لائی کوفارن باشندۂ کیالکس۔

الکزینڈر اے ٹوس اور ارسٹارکس باشندہ سوموتھریس۔

مجھے کسی ایسی کتاب کا علم نہیں جس سے یہ تمام نام معلوم ہوسکیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ سو تا ڈیڑھ سو سال کے ایک دور میں یہ افراد سکندریہ میں یقیناً کتب خانہ دار رہے ہیں۔ ان کی ترتیب زمانی پر بہت کم مورخ متفق الرائے ہیں لیکن اس معاملہ میں کسی قسم کی بحث اکثر و بیشتر بیکار ثابت ہوگی کیونکہ ان میں سے بعضوں کے متعلق تو یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دوش بدوش کام کیا۔ دور حاضر کی طرح اس زمانہ میں بھی ایک سے زاید نائب کتب خانہ دار کارگزار رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ الکزنڈر باشندہ اے ٹوس کے زیر اہتمام حزنیہ شاعری تھی تو رزمیہ اور سرودی شاعری کا انتظام زینوڈوٹس کے سپرد تھا۔ اور لائی کوفارن طربیہ شاعری کی ترتیب و تبویب کا ذمہ دار تھا۔

غالباً اس موقعہ پر مختصر سا سوانحی خاکہ بے محل نہیں سمجھا جائے گا۔

سکندریہ کا مشہور مصنف لائی کوفارن رھی جیم کے مورخ لائی کس (جو بعض اوقات ُبھی راس کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) کا متبنی تھا۔ تقریباً ۳۲۰ ق م۔ میں اس کی ولادت ہوئی اور ۲۸۴ کے لگ بھگ وہ سکندریہ گیا۔ مورخ لائی کس اور بطلیموس اول کے کتب خانہ دار دی میٹری یس کے درمیان عداوت تھی۔ ڈی مٹری یس بادشاہ کو پٹی پڑھاتا رہا کہ وہ اپنے بیٹے کو جو بری نس کے بطن سے تھا کسی طرح جانشینی سے محروم کر دے۔ لیکن بطلیموس دوم (فلاڈلفیوس) بالآخر ۲۸۵ ق۔م۔ میں اپنے باپ کے تارک السلطنت ہونے پر تخت حکومت پر متمکن ہوگیا۔ ۲۸۲ ق۔م میں بطلیموس اول کی وفات کے

بعد ہی بطلیموس فلادلیفوس نے ڈی مٹ ری یس کو قید کر دیا جس کے بعد وہ زیادہ دن زندہ نہ رہ سکا۔ اور سانپ کے ڈسنے سے راہی ملکِ عدم ہوا۔ لائی کو مارن کے حق میں اپنے باپ کے دشمن کی وفات ہر طرح مفید ثابت ہوئی۔ اس کی زندگی کے متعلق ہمیں اس سے زیادہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کتب خانہ میں غالباً طربیہ شعرا کی تبویب کا ذمہ دار تھا۔ اِڈووڈ کی بات اگر تسلیم کرلی جائے تو اس کی موت کے متعلق بھی صرف اسی قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ ایک تیر کا نشانہ بنا۔

اس سلسلہ میں جو امر ہم سے متعلق ہے اور جو گزشتہ بیانات سے اخذ کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ ڈی مٹ ری یس کی سبکدوشی اور بطلیموس دوم کی حکمرانی سے پہلے تک لائی کو نارن کو سکندریہ کی کتب خانہ داری نہیں ملی تھی۔

کتب خانہ کی تہذیب و تربیت کا ایک عام خاکہ غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ بعض اوقات ترتیب و تبویب کتب کا ابو الآبا کیالی مے کس خیال کیا جاتا ہے۔ یوں تو اس کی ابتدا کا سہرا ارسطو کے سر باندھا جاتا ہے لیکن علمی اور عملی فن ترتیب کے لحاظ سے کیالی مکس ہی کو اولیت کا شرف حاصل ہونا چاہیے۔ مصر و بابل اور اشوریا کے کئی ابتدائی کتب خانوں میں تبویب کتب عمل میں آچکی تھی لیکن بدقسمتی سے ہمیں نہ تو ان کی اسکیم کا حال ٹھیک طور پر معلوم ہے اور نہ تبویب کنندوں کا۔

کیالی مے کس کی اسکیم کا ایک خفیف سا اندازہ ڈائیونی سیس، ایتھی نیس سولی ڈاس، ڈائوجینس لیرٹیس وغیرہ کے بعض سرسری حوالوں سے ہو سکتا ہے۔ اس کے متعلق کچھ زیادہ معلومات تو بہم نہیں پہنچائی جا سکتیں۔ البتہ صرف اس قدر بتلایا جا سکتا ہے یہ اسکیم قریب قریب ذیل کے عنوانوں اور ذیلی عنوانوں پر مرتب کی گئی تھی۔

حکما

ہندسہ

طب

مقننین

ضیافتوں کے متعلق

مورخین

خطبار

شعرار

رزمیہ

حُزنیہ

طربیہ

منظوماتِ مدحیہ

متفرق مصنفین

پرندوں کے متعلق

مچھلیوں کے متعلق

پنیری روٹیوں کے متعلق

اس میں شک نہیں کہ سکندریہ میں کئی چھوٹے چھوٹے کتب خانے موجود تھے لیکن ان میں قابل ذکر وہ کتب خانہ ہے جو سراپس کے مندر سے متعلق تھا جس کے بارے میں غالباً ابھی یہ معین نہیں ہوسکا کہ سراپین میں اس کا صحیح محلِ وقوع کیا تھا۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کتاب خانہ میں ۰۰۰ ر۴۲ کتابیں تھیں۔ بعض قصوں نے اس کو پرگامم اور سکندریہ کے کتب خانوں سے جا ملایا ہے

لیکن یہ سارے قصے بالکل بے حقیقت معلوم ہوتے ہیں۔

سیزر، پامپی کے تعاقب میں مصر ہوتا ہوا اسکندریہ پہنچا تو وہاں کے گلی کوچوں میں ایک مجمع اس پر حملہ آور ہوا اسی میں کتب خانہ سکندریہ کا ایک بڑا حصہ غالباً اتفاقی طور پر جل گیا۔ باوجود اس کے کہ اس کے متعلق کئی مصنفین کے قطعی بیانات موجود ہیں۔ اس عمارت کے جلنے کے اسباب یقینی طور پر نہیں معلوم ہو سکے۔ یہ تباہی ۴۸ ق۔م میں نازل ہوئی لیکن یہ امر قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا ہے کہ پورا کتب خانہ جلکر خاک ہو گیا۔ بہرصورت ۲۷۲ء کے بعد یہ عمارت ناپید ہو گئی۔ جب کہ حملہ آرلین کے زمانہ میں سکندریہ کا بروشیم علاقہ ڈھیر کر دیا گیا۔

اب یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عمرؓ کے لشکر نے ۶۴۲ء میں کس طرح اس کتب خانہ کو تباہ و تاراج کیا۔ اگرچہ بعض علماء اب بھی اس قصہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

سقوطِ اسکندریہ کے ۶ سو سال بعد جارجیس بار ہیرس نے اس قصہ کو چلتا کیا۔ اپنے پُراثر انداز بیان میں وہ بیان کرتا ہے کہ یحییٰ نحوی عمرو ابن عاص کی خدمت میں جو اسکندریہ پر قابض تھے حاضر ہو کر استدعا کی کہ مالِ غنیمت کا کچھ حصہ اس کو بھی عنایت کیا جائے۔ عمرو بن عاص نے پوچھا کہ آخر تمھیں کونسی چیز چاہیے۔ یحییٰ نے جواب دیا "فلسفہ و حکمت کی وہ کتابیں جو شاہی خزانہ (کتب خانہ) میں موجود ہیں۔ عمرو نے عذر کیا کہ بغیر امیر المومنین کی اجازت کے یہ کتابیں نہیں دی جا سکتیں۔ اس نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کی جس کا اسے یہ جواب ملا" جن کتابوں کا تم ذکر کرتے ہو وہ اگر کلام اللہ کے مطابق ہیں تو ہمیں اُن کی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس کے برخلاف ہیں تو ان کی

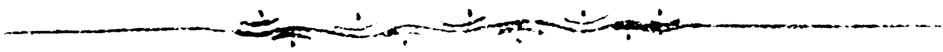
حفاظت کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ وہ تباہ کردیے جائیں۔ بنابریں عمر دنے یہ تمام کتابیں سکندریہ کے مختلف حمام خانوں کو بھیجدیں تاکہ وہ آتشدان کے نذر کردیے جائیں۔ چھ مہینوں کے بعد پھر اُن کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

مقام حیرت ہے کہ اس مکالمہ کا جس زمانہ میں ہونا بیان کیا جاتا ہے اس سے پہلے ہی یحییٰ نحوی اس دنیا سے چل بسا تھا۔ ڈاکٹر ڈبلیو ای۔ اسے ایکین نے اپنے مضمون میں جو برٹش المیناک اینڈ کمپانین میں شایع ہوا ہے اس داستان پر کافی بحث کی ہے۔ لیکن اس قصہ کا بہترین انتقاد پی کیاسے نووا کا وہ مقالہ ہے جو ۲۸ مارچ ۱۹۲۳ء کو مجلس علماء آثار کے روبرو پڑھا گیا تھا۔

عجیب بات کہ سینکا بڑی بے جگری سے کتب خانہ اسکندریہ کی مذمت وتنقیص کرتا ہے وہ اس کو مطالعہ خانہ سے زیادہ ایک پُرشکوہ منظر سمجھتا ہے اس کے نزدیک یہ کتب خانہ اسراف و فضول خرچی کا ایک مجسمہ تھا جو شاقِ علمی سے معرا تھا۔ بہرحال ابتدائی دو بطالسہ کے احسان کا ہم لوگ بمشکل اندازہ کرسکتے ہیں قطع نظر اس کے اس عظیم الشان ذخیرہ کتب کی فراہمی کی غایت کیا تھی۔ شبہ کا فائدہ تو کم از کم ان ہی کو ملنا چاہیے۔

گزشتہ چند سالوں میں کیالی جے کس کا دلپذیر لوئیب ایڈیشن اشاعت پاچکا ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس کے صفحات ۶ تا ۱۱ کا حوالہ نامناسب نہ ہوگا جن میں کتب خانہ کیالی جے کس کے مسئلہ زیر بحث کی گئی ہے۔ پروفیسر اسے ڈبلیو میر کی رائے میں یہ بات ابھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی ہے کہ کیالی جے کس کسی زمانہ میں بھی کتب خانہ

کتب خانہ اسکندریہ کا کتب خانہ دار رہا ہے۔ پروفیسر موصوف نے بعض مستند اشخاص کے اقتباسات دیکر یہ واضح کیا ہے کہ ان سے کوئی بات بھی ثابت نہیں ہوئی۔ یہاں مجھے یہ بھی بیان کر دینا چاہیئے کہ پروفیسر موصوف کی تحریر کے مطالعہ کے بعد بھی میری رائے غیر متزلزل ہے۔ تاریخ ادبیات کے متعلمین کا فرض ہے کہ قدیم استنادات کا بطور خود مطالعہ کریں اور اپنی ذاتی رائے قائم کریں۔ تاہم اس خصوص میں پوشیدہ رہنا چاہیئے مستند اہل الرائے کا احترام ہر طرح واجب ہے۔



میر محمد معصوم نامیؔ

عہد اکبری کا مشہور شاعر اور کتابہ نویس

وفات ۱۰۱۹ھ

میر صاحب ترمذ کے سادات عظام سے ہیں۔ ان کے اجداد کسی وجہ سے ترک وطن کر کے افغانستان میں چلے آئے اور قندہار کی سکونت اختیار کی۔ قندہار کی نواح میں جانب مغرب دس کوس کے فاصلہ پر موضع انگلچہ میں فخر السادات سید محمد شیر قلندر فرزند سید حسین زنجیر پا کا مقبرہ ہے۔ میر صاحب کے دادا سید محمد مرتضیٰ اس کے متولی مقرر ہوئے یہ خدمت ان کے خاندان میں دو پشت تک جاری رہی۔ سید محمد صفائی فرزند سید محمد مرتضیٰ نے قندہار کی سکونت چھوڑ دی۔ اور وہاں سے سندھ میں آکر سلطان محمود والی بھکر کے متوسل ہو گئے۔ سید شاہ قطب الدین محمد بن محمود بھکر کے شیخ الاسلام تھے۔ ۹۷۶ھ میں جب ان کا انتقال ہو گیا تو سلطان محمود نے سید صفائی کو اس منصب جلیلہ پر مامور کر دیا۔ سید صفائی نے یہ خدمت نیک نامی کے ساتھ کم و بیش پندرہ سال انجام دی۔ ۹۹۱ھ میں ماہ ذیقعدہ کے

دوسرے ہفتہ بھکر میں انتقال کیا۔

میر صاحب بھکر میں پیدا ہوئے۔ ملا محمد گنکری سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ اس کے بعد فکر معاش میں وطن سے نکلے۔ پھرتے پھراتے دارالحکومت میں پہونچے۔ کوشش کرکے اکبر کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ بادشاہ نے انھیں ڈھائی سو کا منصب مقرر کردیا۔

جلوس کے اٹھائیسویں سال (۹۹۱ھ) مرزا عزیز کوکلتاش باغیان بنگالہ کی سرکوبی کے لئے دارالحکومت سے روانہ ہوئے۔ سرحد پر لڑائی شروع ہوگئی۔ غنیم کی کثرت تھی۔ شاہی لشکر تذبذب میں تھا۔ بادشاہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو دربار کے بعض امرا کو کمک کے لئے بنگالہ جانے کا حکم دیا اور انھیں گھوڑے اور خلعت سے سرفراز فرمائے۔ ان امرا میں میر صاحب بھی شریک تھے [1]

یہ سب سے پہلا موقعہ ہے کہ میر صاحب کا تذکرہ عہد اکبری کی سیاسی تاریخ میں نظر آتا ہے اس کے بعد اسی سال میر صاحب سرکاری طور پر جانب گجرات روانہ ہوئے۔

۹۹۱ھ کے اخیر میں بادشاہ نے اعتماد خاں کو گجرات کی ایالت حوالہ کی۔ میر ابوتراب امین۔ خواجہ نظام الدین احمد بخشی اور خواجہ ابوالقاسم دیوان مقرر ہوئے۔ چودہ امیروں کو بادشاہ نے خلعت و جاگیر سے سرفراز فرما کر ان کے ہمرکاب کیا۔ ان چودہ امیروں میں میر صاحب بھی شامل تھے [2]

خواجہ نظام الدین اور میر صاحب دونوں کم و بیش سات سال گجرات میں مقیم رہے اس عرصہ میں بہت سے خدمات انجام دیئے جن کے واقعات اکبرنامہ طبقات اکبری اور اقبالنامہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

جلوس کے بتیسویں سال (۹۹۸ھ) مرزا عزیز کوکلتاش گجرات کے صوبہ دار

---

[1] اکبرنامہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۶۔ اقبال نامہ جلد ۲ صفحہ ۳۶۲۔ [2] اکبرنامہ جلد ۳ صفحہ ۴۱۶۔ اقبال نامہ جلد ۲ صفحہ ۳۶۳

مقرر ہوئے تو بادشاہ نے خواجہ نظام الدین احمد کو دربار میں واپس بلا لیا۔ خواجہ صاحب کے ساتھ میر صاحب بھی گجرات سے چلے آئے۔

جلوس کے چھتیسویں سال (۹۹۹ھ) بادشاہ نے تسخیر سندھ کے لئے ایک مہم روانہ کی۔[1] خانخاناں مرزا عبدالرحیم کو سپہ سالار مقرر کیا۔ دیگر امراء کے ساتھ میر صاحب بھی اس مہم میں شریک کئے گئے۔ اور یہاں بھی بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔[2]

جلوس کے چالیسویں سال (۱۰۰۳ھ) بادشاہ نے میر صاحب کو منصب ہزاری سے سرفراز فرمایا۔ اور ندیمان مجلس میں شریک کر کے سفر و حضر میں اپنے ہمراہ رکھنے کا حکم دیا۔

جلوس کے چوالیسویں سال (۱۰۰۸ھ) تسخیر دکن کے لئے بادشاہ نے آگرہ سے کوچ کیا۔ میر صاحب بھی بادشاہ کے ہمراہ رکاب تھے۔ شاہی لشکر راستہ میں جہاں جہاں مقیم ہوا وہاں کے اکثر عمارات پر میر صاحب نے بطور یادگار اپنے اشعار اور سفر کی تاریخیں کندہ کر دی ہیں جو اب تک موجود ہیں۔ بادشاہ نے دو سال کے بعد ۱۰۱۰ھ میں دکن سے مراجعت کی۔ ۳۱ امرداد کو جلوس کے چھیالیسویں سال رایات شاہی کا دارالسلطنت آگرہ میں نزول اجلال ہوا۔[3]

اکبر نے آگرے میں مراجعت فرما ہونے کے بعد مختلف علاقوں میں فتح نامے

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۳۔ معتمد خاں نے اقبالنامہ میں اس کو مہم قندھار کے نام سے موسوم کیا ہے۔ (اقبالنامہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)

[2] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۲۷۔

[3] اقبالنامہ جلد ۳ صفحہ ۴۷۷۔

بھیجے۔ ایران و توران کو وہاں کے بادشاہوں کے پاس سفارتیں روانہ کیں
اسی سلسلہ میں بادشاہ نے میر صاحب کو سفیر بناکر شاہ عباس ماضی[۲] کے یہاں بھیجا
میر صاحب قندہار کے راستے سے ہوتے ہوئے اصفہان پہونچے۔ اور وہاں
سال دیڑھ سال مقیم رہنے کے بعد ۱۰۱۳ھ میں جلوس کے پچاسویں سال واپس ہوئے[۳]

جہانگیر نے جلوس کے دوسرے سال (۱۰۱۵ھ) میں میر صاحب کو
سندہ کا امین الملک مقرر کیا۔ میر صاحب نے سندہ میں آکر سکھر میں سکونت
اختیار کی اسی جگہ انتقال کیا۔ لب دریا مدفون ہوئے۔ ان کے فرزند میر بزرگ نے
مزار پر مقبرہ بنوایا جو اب تک موجود ہے۔

میر صاحب کی تاریخ انتقال میں اختلاف ہے۔ اکثر کتابوں میں لکھا ہے
کہ جس سال امین الملک مقرر ہوئے اسی سال انتقال کیا[۴]۔ اس اعتبار سے ان کا
سال وفات ۱۰۱۵ھ قرار پاتا ہے۔ لیکن صاحب تذکرہ آفتاب عالمتاب نے ۱۰۱۹ھ
میں میر صاحب کی وفات بیان کی ہے اور اپنے بیان کی تائید میں تاریخ وفات کا
مصرعۂ ذیل پیش کیا۔

بود دانای صاحب ملک سخن

ے۲ شاہ عباس ماضی۔ ۹۹۶ھ میں برسر حکومت ہوا۔ بیالیس سال حکومت کرنے کے بعد ۲۴
جمادی الاول ۱۰۳۸ھ کو انتقال کیا۔ اکبر و جہانگیر کا معاصر اور خاندان صفویہ کا پانچواں بادشاہ ہے۔

مفتاح التواریخ — صفحہ ۲۳۷

ے۳ شاہ نواز خاں نے مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ میر صاحب ۱۰۱۱ھ میں بعہد جہانگیر بادشاہ ایران سے واپس ہوئے لیکن ناگور میں
میر صاحب کے فرزند میر بزرگ نے جو کتبہ کندہ کیا ہے اس سے ۱۰۱۳ھ میں واپس آنا ثابت ہوتا ہے۔

ے۴ نتائج الافکار صفحہ ۴۲ ۔ مآثر الامرا جلد ۳ صفحہ —

ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ

"میر صاحب بڑے متقی اور پرہیزگار ہیں کسی نے اُن سے کہا تھا کہ دین کی رہنمائی
" کے لئے مرشد ضرور چاہئے اس لئے آپ بھی کسی سے بیعت کر کے تلقین و اجازت
" حاصل کیجئے۔ میر صاحب نے جواب دیا کہ بالفعل تین مرشد موجود ہیں ایسی حالت
" میں کسی اور مرشد کی کیا ضرورت ہے۔

" جب میں وطن سے نکل کر دارالخلافت میں آیا تو سر میں جوانی کی ہوا و
" ہوس اس قدر تھی کہ منصب ہزاری و دو ہزاری قبول کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا
" جب دربار میں پہونچا تو چوب داروں کے ڈنڈے کھائے اور بڑی ذلتیں
" اٹھائیں۔ تب مشکل سے منصب بستی نصیب ہوا۔ سارے خیالات دور
" ہو گئے اور اپنی حقیقت معلوم ہو گئی۔ مرشد کی تعلیم کا نتیجہ اس سے زیادہ کیا
" ہو سکتا تھا۔

" دوسرا مرشد ابوالغیث بخاری ہے کہ مرتبہ میں مجھ سے بدرجہا بڑھا ہوا
" ہے جب تک مجھ کو اس سے ملاقات نہ تھی میرا حال یہ تھا کہ جس روز میرے
" گھوڑوں کو گھاس اور دانہ نہ ملتا تو اس قدر رنج ہوتا تھا کہ کسی سے بات
" کرنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا۔ جب میر ابوالغیث سے ملاقات ہوئی تو اُن کا
" یہ حال دیکھا کہ کبھی کبھی تین چار روز تک اُن کے طویلہ میں گھاس دانہ
" نام نہ آتا تھا اور نہ مطبخ گرم ہوتا تھا۔ اس پر بھی وہ ہنسی خوشی اور کشادہ پیشانی سے
" رہتے تھے۔ رنج کا اثر چہرہ سے ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ تب میں نے بھی اپنے دل کو
" تسلی دی کہ جب اس شخص کا یہ حال ہے تو میرا مرتبہ اُس کے عشر عشیر بھی نہیں
" پھر میں کیوں بیفائدہ رنج کروں۔

" تیسرا مرشد وہ کنیزک ہے جو بادشاہ نے عنایت فرمائی ہے۔ جب کبھی

"خطرۂ شیطانی اور ہوائے نفسانی کا اثر ہوتا ہے تو اوس سے خواہش رفع ہوجاتی
"ہے اور گناہ سے بچ رہتا ہوں مرشد کا بھی یہ ہی کام ہے کہ امور ناشایستہ سے
"باز رکھے۔ ایسی حالت میں اب کسی اور مرشد کی کونسی ضرورت باقی ہے [1]

میر صاحب کو علوم رسمیہ میں کافی مہارت تھی۔ شعر و معما اور طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے [2] نامی تخلص تھا۔ شعر بھی خوب کہا کرتے تھے۔ بحیثیت سفیر جب اصفہان میں پہونچے ہیں تو وہاں حکیم شفائی محمد رضا فکری۔ اور تقی اوحدی کے ساتھ ان کی خوب صحبتیں رہی ہیں۔ مرزا محمد نیشاپوری۔ شاہ عباس صفوی کے وزیر تھے ان کے حکم سے میر صاحب اور تقی اوحدی کے لئے ایک صحبت مشاعرہ برپا ہوئی تھی چنانچہ اوحدی نے اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"بنا بر حکم مرزا محمد نیشاپوری کہ وزیر شاہ عباس صفوی بود با میر
مزبور صحبت مشاعرہ داشتم۔ الحق اُورا قوت و قدرت عظیم در شاعری بود"

میر صاحب نے خمسہ کے جواب میں پانچ مثنویاں موزوں کی ہیں۔ انکے علاوہ ایک دیوان بھی ہے۔ جس میں قصائد وغزلیات اور دیگر اقسام سخن شامل ہیں۔ مثنویوں کی تفصیل یہ ہے [3]

(۱) معدن الافکار	بجواب	مخزن الاسرار

---

[1] کتاب منتخب التواریخ ص۱۸۴ ترجمہ اردو ص۵۳۷

[2] منتخب التواریخ ص۳۸۵

[3] مثنویوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے۔ کتبہ نمبر (۱۰) اور تذکرہ نقی کاشی و فہرست اسپرنگر ص۱۱)

[4] ۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص۱۲۷

(۲) حسن و ناز	بجواب	یوسف زلیخا
(۳) پری صورت	بجواب	لیلی مجنوں
(۴) خمسہ متحیرہ	بجواب	ہفت پیکر
(۵) اکبر نامہ	بجواب	اسکندر نامہ

صاحب تحفۃ الکرام نے حسن و ناز کا نام ناز و نیاز لکھا ہے اس میں سندھ کے مشہور عاشق و معشوق سسئی پنوں کی داستان مذکور ہے۔

میر صاحب نے طب و تاریخ میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔

طب نامی ۔ متوسط کتاب ہے۔ اس میں تشخیص امراض اور تدابیر علاج کو بیان کیا ہے۔

مفردات معصومی[۱] اس میں امراض کے لحاظ سے ادویہ مفردہ کے نام جمع کئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ موقع و محل کے لحاظ سے ان کا طریق استعمال بیان کیا ہے۔ مفید اور کار آمد کتاب ہے۔

تاریخ سندھ[۲] یہ کتاب میر صاحب کی تصنیفات میں سب سے زیادہ شہرت رکھتی ہے۔ اس میں بلاد سندھ کے وقایع اور وہاں کے حکام و مشاہیر کے تذکرے جمع ہیں۔ میر صاحب نے اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

حصہ اول ۔ بلاد سندھ کے اسلامی فتوحات کی سرگذشت اور ان حکام و عمال کے واقعات جو خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے طرف سے سندھ میں بر سر حکومت رہے ہیں۔

۱؎ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ فن طب صـ ۳۶۹

۲؎ اس کے دو نسخے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ فن تاریخ ۲۹۲ صـ ۶۷

حصہ دوم - اس میں اون سلاطین ہندوستان کا تذکرہ ہے جن کے حکام وعمال نے سندھ میں حکومت کی ہے اور اس کے ضمن میں خاندان سومرہ اور سمہ کے حالات بھی لکھے ہیں۔

حصہ سوم - اس میں شاہان ارغونیہ کا تذکرہ ہے۔

حصہ چہارم - اس میں ان واقعات کا ذکر ہے جو شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں تسخیر سندھ کے وقت پیش آئے ہیں اور نیز اون احکام کا تذکرہ ہے جو فتح سندھ کے بعد سلطنت مغلیہ کی طرف سے اس علاقہ میں مقرر ہوئے ہیں

سندھ کے متعلق فارسی اردو انگریزی میں جو تاریخیں تصنیف ہوئی ہیں ان سب کا ماخذ یہی تاریخ ہے اور اس کے اکثر اجزا کا انگریزی ترجمہ سرہنری ایلیٹ کی بے نظیر تاریخ ہندوستان کی جلد اول میں شامل ہے۔

میر صاحب نے سواد بھکر میں عمارات عالی تعمیر کئے تھے منجملہ اون کے بعض کے آثار اس وقت بھی موجود ہیں۔

۱۰۰۰ھ میں دریائے نیلاب (سندھ) کے کنارے ایک عمارت بنوائی تھی ستان سر اس کا نام رکھا تھا۔ "گنبد دریائی" سے اس کی تاریخ تعمیر نکالی ہے۔ اس کے آثار ریلوے پل کے قریب موجود اور مسافروں کو دور سے نظر آتے ہیں۔ سکھر میں قلعہ سے باہر ایک بلند مینار تعمیر کرایا تھا جو اس وقت بھی موجود ہے اور میلوں سے نظر آتا ہے۔

میر صاحب کو کتابہ نگاری میں کمال حاصل تھا۔ دکن سے تبریز تک جن جن مقامات پر میر صاحب کا گذر ہوا ہے وہاں کے مساجد اور عمارات پر اپنے اشعار عبرت خیز اقوال اور بعض تاریخی واقعات کندہ کردئیے ہیں مورخین نے بھی ان کتبوں کا تذکرہ کیا ہے صمصام مآثر الامرا میں تحریر کرتے ہیں۔

"کتابہ نویس و خوشخط بالا دست بود ۔ از ہند تا تبریز و اصفہان ہمہ جا در راہ و منازل اشعار خود را بر سنگ ہائے مساجد و عمارات کندہ و کتابہ دروازہ قلعہ آگرہ و مسجد جامع فتحپور بخط او ست"

علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں لکھا ہے ۔

"در کوہ قندہار کتبہ مشتمل بر اسامی ممالک محروسہ اکبر بادشاہ بخرچ مبلغ گراں بر سنگ باہتمامش نقش کردند"

سید معصوم کے بعض تاریخی کتبے

(۱)

آگرہ میں قلعہ کے دہلی دروازے پر ۔

حضرت شاہنشاہ جم جاہ خلافت پناہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ

سنہ ۱۰۰۸ توجہ تسخیر دکن فرمود ۔ و در سنہ ۱۰۱۰ نزول اجلال فرمود ۔

شاہ جہاں چوں گرفت جائے بہ تخت شرف — تخت ز رفعت نہاد بر زبر چرخ پا

دست دعا بر کشاد دبیر فلک از نشاط — گفت کہ بادا مدام حکم تو فرماں روا

خواست کہ نامی کند سال جلوسش رقم — بود دراں وہم بس بر زشتاہ و دعا

میل دو چشم عدد یک الفش کرد و گفت — باد جہاں بادشاہ شاہ جہاں گیر ما

قائلہ و راقمہ محمد معصوم البکری

(۲)

فتح پور سیکری میں بلند دروازے پر ۔

بتاریخ سنہ ۴۶ الہی موافق سنہ ۱۰۱۰ ہجری رایات ظفر آیات بعزم تسخیر دکن

ایں جا عبور افتاد۔

ناجی زفلک دوش دلم کرد سوال   کز رفتہ و آیندہ بیان کن احوال

گفتا چہ خبر ز رفتگاں نیست اثر   آیندہ چو رفتہ داں چہ می پرسی حال

جانب شرق

حضرت شاہنشاہ فلک بارگاہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بعد فتح ملک دکن و واندیس کہ سابقاً مسمی بہ خاندیس بود در سنہ ۴۶ الٰہی موافق سنہ ۱۰۱۰ ہجری بفتح پور رسیدہ و عزیمت آگرہ فرمودند

تا نام زمیں و آسمان است   تا نقش وجود در جہاں است

تاش بر سپہر ہم نشین باد   دانش بجہاں ابد قریں باد

قال علیہ السلام الدنیا قنطرہ فاعبروھا ولا تعمروھا من تامل انہ یعیش غداً تامل انہ یعیش ابداً وقیل الدنیا ساعتہ فاجعلھا طاعتہ بقیہ العمر لہ قیمۃ لھا

جانب مغرب

من قام الی الصلوٰۃ لیس معہ قلبہ لا یزیدہ من اللہ الا بعداً۔ خیر المال ما انفق فی سبیل اللہ۔ بیع الدنیا بالاخرۃ یربح۔ الفقر ملک لیس فیھا محاسبۃ۔

ناجی چہ شد از تو محنت گاہی کردی   وز قصر زر اندود پناہی کردی

خوبی جہاں بہ صورت آئینہ داں   خود گیر تو ہم درو نگاہی کردی

قایلہ و کاتبہ محمد معصوم ناجی بن سید صفائی الترمذی اصلاً و البکری مسکناً و المنتسب الی سید شیر قلندر بن بابا حسن ابدال السبزواری مولداً و القندھاری موطناً۔

اُوجین سے جانب شمال پانچ میل کے فاصلہ پر سپرا ندی کے کنارے سلطان ناصرالدین خلجی کی عالیشان عمارت کے دو ستون پر

(۱) سنہ ۴۴ الٰہی موافق ۱۰۰۸ ہجری کہ رایات ظفر آیات عازم تسخیر دکن بود بایں جا عبور افتاد۔

نامی زفلک دوش دلم کرد سوال — کز رفتہ و آیندہ بیاں کن احوال
گفتا چہ خبر ز رفتگان نیست اثر — آیندہ چو رفتہ داں چہ می پرسی حال

راقم محمد معصوم نامی البکری

(۲) سنہ ۴۵ الٰہی موافق ۱۰۰۹ ہجری حضرت خلافت پناہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ملک دکن و خاندیس را فتح کردہ مراجعت فرمودند۔

فتح خاندیس و دکن چوں کرد شاہ — عازم نزہت گہ معمور شد
یک عدو نامی فزود آنگاہ گفت — شاہ والا عازم لاہور شد

(۴)

دہار میں لاٹ مسجد[۳] کے اندر

در زمانیکہ اعلیٰ حضرت خاقانی ظل سبحانی شان مظہر حق شاہ اکبر تعالیٰ شانہ اللہ اکبر عازم دکن بود بتاریخ ہشتم اسفندارمذ سنہ ۴۴ جلوسی موافق ۱۰۰۸ ہجری دریں مقام نزول اجلال فرمودند۔ عمل داد و کندہ کار حررہ محمد معصوم البکری۔

(۵)

سعدل پور[۴] میں رود خانہ کے دو پتھروں پر

بندگان حضرت شاہنشاہ خلافت پناہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ در حین توجہ تسخیر دکن ایں منزل را بعز قدوم رشک فردوس بریں ساختند و کان ذالک فی تاریخ اوائل اسفندارمذ سنہ ۴۴ الٰہی موافق ۱۰۰۸ ہجری۔ حررہ محمد معصوم نامی بکری

نامی بکشا چشم بصیرت دریاب | بنیاد زمانہ ہم چو نقش است بر آب
باتو گویم کہ حاصل دنیا چیست | بیداری یک زمان باقی ہمہ خواب

(۶)

شادیاآباد مانڈو میں قلعہ کے اندر عمارت نیل کنٹھ کے ایک ستون پر

در تاریخ ۴۴ سنہ الٰہی موافق ۱۰۰۸ سنہ ہجری بندگان اعلیٰ حضرت جہاں پناہ فلک بارگاہ ظل اللہ متوجہ دکن بودند بدیں جا عبور افتاد۔

تاکے گوئی بچرخ شد خانۂ ما | خندند ہمہ بر دل دیوانۂ ما
زافسانہ دیگراں بیا عبرت گیر | زاں پیش کہ بشنوند افسانۂ ما

حضرت ظل اللہ اکبر بادشاہ فتح دکن و داندیس نمودہ در ۱۰۰۹ سنہ ہجری عازم ہند شدند۔ قائلہ نامی۔

دیدم جغدے نشستہ در صبح پگاہ | بر کنگرۂ مقبرۂ شروان شاہ
فریاد کناں زروئے عبرت می گفت | کو آں ہمہ حشمت کجا آں ہمہ جاہ

حررہ محمد معصوم

(۷)

برہان پور میں جامع مسجد کے ایک منارہ پر

تاریخ الٰہی عبارت است از زمان جلوس حضرت شاہنشاہ ظل اللہ اکبر بادشاہ غازی کہ زتائید جوان بخت خویش قلعہ اسیر کشاد

گشت آباد اسیر ازاں نامی | سنہ بیشش بگفت الہ آباد

تباریخ ۱۱ فروردی ماہ الٰہی ۴۵ سنہ موافق ۵ رمضان ۱۰۰۹ سنہ ہجری حضرت شاہنشاہ فلک بارگاہ ظل اللہ برہان پور را مقر رایات ظفر آیات ساختند و بہادر خاں آمدہ بپابوس مشرف شد۔ و او را باتباع جاں بخش کردند و قلعہ اسیر فتح شد۔

شاہ غازی جلال دین اکبر — آں بتائید بخت قلعہ کشاء
کرد فتح اسیر از آں نامی — گفت بگرفت قلعہ اعلا

قایلہ و کاتبہ محمدؐ معصوم المتخلص بنامی بن سید صفائی الترمذی اصلاً والبکری مسکناً و مدفناً و منتسب الاالی سید شیر قلندر ابن باباحسین ابدال السبزواری مولداً و لقندھاری موطناً و مرقداً

بتاریخ روز ماہ دوازدہم اردی بہشت سنہ ۴۶ موافق ۲۶ ماہ شوال سنہ ۱۰۰۹ھ بندگان حضرت عازم لاہور شد

فتح خاندیس و دکن چوں کرد شاہ — عازم ہندوستاں فی الفور شد
یک عدد نامی فزود آنگاہ گفت — شاہ والا عازم لاہور شد

(۸)

بیانہ میں شہر سے باہر جانب جنوب خواجہ باولی کے پاس ایک گنبد کے ستون پر۔

بتاریخ سنہ ۱۰۱۰ ہجری حضرت شاہنشاہ خلافت پناہ اکبر بادشاہ بعد از دکن و خاندیس ازیں جا عبور فرمودند۔ العبد محمدؐ معصوم نامی البکری۔

(۹)

قصبہ مدہکر میں سلیمہ سلطان بیگم کے باغ کی مسجد کے دو ستون پر بندگان حضرت ظل الٰہی بعد از فتح دکن بندہ را از آگرہ بجانب عراق و خراسان در سنہ ۱۰۱۰ھ مرخص فرمودند۔ حررہ محمدؐ معصوم بکری المتخلص بہ نامی بن سید صفائی۔

من معدن الافکار

بختی عبرت جہان راہ دار — کش نتواں باز کشیدن مہار
نامی ازیں رہ دولت آگاہ بہ — ساز باندازہ ازیں راہ بہ

قائلہ و کاتبہ محمد معصوم النامی البکری ۔ تحریر فی الشہر رمضان سنہ ۱۰۱۴

(۱۰)

ناگور میں شیخ حمید الدین ناگوری کی خانقاہ کے دروازہ پر ۔

جانب راست

دو جہاں در نظر دیدہ وران مختصر است | ہر کہ بربست از و چشم طمع دیدہ ورست
تا تو بر عہد رہ مہر و وفا بربستی | نامی دل شدہ را دیدہ بدیوار و درست

بعد از فتح دکن اعلیٰ حضرت بندہ را بہ حجابت عراق رخصت فرمودند العبد محمد معصوم سنہ ۱۰۱۲ ۔

درحین مراجعت از ایران در ملازمت نواب میر محمد معصوم نامی دریں جا رسیدہ و ایں چند بیت از خمسۂ ایشاں کہ دریں ولا باتمام رسانیدہ بودند تحریر نمودہ ۔ در سنہ ۱۰۱۳ھ

از معدن الافکار

بحر ز گرداب تست کاسہ گر | تا نمی از خود یابد مگر

از حسن و ناز

قریب لعل آں سرچشمۂ نوش | شدہ سرگرم چوں دُر بناگوش

از اکبرنامہ

بہ گل چینیٔ آں گلستاں شدم | سراپا صبا وار داماں شدم

از پری صورت

حسن است درم خریدۂ او | خوبیٔ گل نہ آفریدۂ او

از خمسہ متحیرہ

ہست بر نامت ابتدائے ہمہ | تو آغاز و انتہائے ہمہ

جانب چپ دوتھر

نامی بکشا چشم بصیرت دریاب　　بنیاد زمانہ ہم چو نقش است بر آب
با تو گویم حقیقت دنیا چیست　　بیداری یک زماں و باقی ہمہ خواب

عن سلیمان علیہ السلام اعظم المصائب فوت الوقت بلا فائدہ۔

حررہ میر بزرگ بن میر محمدؐ معصوم النامی تخلصاً و البکری مسکناً و ترمذی اصلاً و الحسینی نسباً و کان ذالک فی سنہ ثمانیہ الف۱۰۰۸ھ

(۱۱)

ناگور میں بیرون شہر جانب شمال محلہ آہن گراں میں ایک مقبرے کے دو ستونوں پر۔

(۱)

تو خفتہ براہ و کاروان تیز　　منشیں و چو گرد باد برخیز
نامیؔ چہ نشستۂ دریں راہ　　می نہ قدمے دراز کوتاہ

(۲)

گویند بود فاتحہ را فایحہ　　زاں فاتحہ بخش نکہت رایحہ
بر روح گذشتگاں فرست اخلاص　　محتاج دعائیم بخواں فاتحہ

حررہ میر بزرگ ۱۰۰۸ھ

(۱۲)

قندہار میں عمارت چہل زینہ پر۔

منقوش مرات ضمیر ارباب دانش می گرداند کہ مملکت قندہار در قبضہ تعرف آبائی بندگان حضرت شاہنشاہ جم جاہ فلک بارگاہ خلافت پناہ ظل اللہ جلال الدین محمدؐ اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ بود۔ و رحینی کہ رایات کشورستانی جنت آشیانی محمد ہمایوں بادشاہ غازی طیب اللہ ثراہ و جعل الجنتہ مثواہ بمیامن توفیقات ربانی و تائیدات سبحانی

تسخیر دہلی نمود و باز قندہار از تصرف این دودمان بیرون رفت۔ و چون دولت شاہنشاہی اکثر اقالیم ربع مسکون را کہ طول آن از حدود سرندیپ و اڈیسہ و بندر گورگاٹ و گور بنگالہ تا تھتہ و بندر لاہری و ہرمز کہ مسافت آں قریب بدو سال راہ می شود و عرض آں از کابل و کشمیر تا سرحد برار و دکن کہ قریب یک نیم سالہ راہ باشد مسخر گردانید و در ۱۰۰۶ھ ہزار و دو بست قندہار در حیطۂ تصرف غلامان درگاہ خلائق پناہ درآمد۔ امید کہ عنقریب اکثر اکناف عالم را از تائید بخت و اقبال حضرت ظل الٰہی و شاہزادگان گردوں اقتدار سلیم شاہ و مراد شاہ و دانیال شاہ و پرویز شاہ و سحراولیلے یہ داں گرد۔ آمین رب العلمین۔ تمت فی ۱۰۰۷ھ ہزار و ہفت۔

پوشیدہ نماند کہ در زمانیکہ اعلیٰ حضرت خاقانی حکومت قندہار را بنواب شاہ بیگ خان کابلی مفوض فرمودہ بودند بندۂ درگاہ محمد معصوم بن سید صفائی بن سید شیر قلندر بن سید حسین زنجیر پائے بن باباحسین ابدال السبزداری مولداً و القندہاری موطناً و تردداً۔

تعلیقات

(۱) کتبات ذیل اکبر کی مہم تسخیر دکن کے مختلف منازل سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱ - ۲ - ۳ - ۴ - ۵ - ۶ - ۷ - ۸

اکبر نے جلوس کے بیالیسویں سال آگرہ سے کوچ کیا۔ ۱۱ فروردین ۴۵ جلوسی کو برہان پور اور غرہ اسفندار ۴۵ جلوسی کو احمد نگر فتح ہوا۔ (اقبالنامہ جلد ۲ صفحہ ۷۶۳) ۱۲ اردی بہشت ۴۶ جلوسی کو بادشاہ نے برہان پور سے مراجعت فرمایا (کتبہ نمبر ۷) ۲۰ امرداد ۴۶ جلوسی کو فتح پور پہنچا اور ۲۴ امرداد کو داخل آگرہ ہوا (اقبالنامہ ج ۲ صفحہ ۷۷۴)۔

آگرہ سے برہان پور تک دو سو اٹھائیس کوس کا فاصلہ ہے یہ مسافت ۴۸ اڑتالیس یوم میں طے ہوئی۔ اثنائے راہ میں بادشاہ نے ساٹھ مقام کئے (اقبالنامہ ج ۲ صفحہ ۴۶۶ و صفحہ ۴۶۷)

اکبر کے عہد میں ایک کوس پانچ ہزار گز کا رائج تھا (المقادیر صفحہ ۵۵) انگریزی میل ایک ہزار ایک سو ساٹھ گز کا ہوتا ہے (المقادیر صفحہ ۵۹) اس اعتبار سے ایک کوس ساڑھے تین میل کے مساوی۔ اور جملہ مسافت آٹھ سو میل کے قریب ہوتی ہے۔

(۴) خاندیس کو قدیم زمانہ میں ندربار کہا کرتے تھے۔ اس علاقہ میں غریب خاں نامی ایک زمیندار گذرا ہے۔ جس کے نام سے منسوب ہوکر یہ علاقہ خاندیس مشہور ہوگیا۔ سنہ ۱۰۰۸ھ میں جب اکبر نے اس کو فتح کیا تو شاہزادہ دانیال کو یہاں کا حاکم بنایا اور اس کے نام پر اس علاقہ کا نام داندیس رکھدیا۔ اقبال نامہ جلد دوم صفحہ ۴۷۳ خلاصہ التواریخ صفحہ ۵۲ مقدمہ سیرالمتاخرین صفحہ ۲۹ آرائش محفل صفحہ ۱۴۰

(۵) سعدل پور۔ مالوہ میں دہار سے جانب شمال مشرق بارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

(۷) بہادر خاں۔ خاندیس کے خاندان فاروقیہ کا آخیر فرماں روا ہے فتح خاندیس کے بعد اکبر نے اسے اہل و عیال کے ساتھ قلعہ گوالیر میں نظر بند کر دیا تھا۔ (اقبالنامہ ج ۲ صفحہ ۴۷۴) کچھ عرصہ کے بعد لاہور بھیج دیا۔ جہانگیر کے عہد حکومت میں جلوس کے انیسویں ۱۹ سال سنہ ۱۰۳۳ھ میں بمقام آگرہ اس کا انتقال ہوا (فرشتہ ج ۲ صفحہ ۲۹۱)

(۹) مدھکر۔ آگرہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر آگرہ اور فتح پور کے درمیان یہ قصبہ واقع ہے۔

کتبات ۹ و ۱۰ امیر معصوم کی سفارت ایران سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اکبر کی طرف سے سفیر ہو کر ایران کی جانب سنہ ۱۰۰۱ھ میں روانہ ہوئے۔ اور سنہ ۱۰۱۳ھ میں ایران سے واپس آ گئے۔ صاحب ماثر الامرا اور بعض دوسرے تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ میر صاحب سنہ ۱۰۱۱ھ میں روانہ ہوئے اور سنہ ۱۰۱۵ھ میں بعہد جہانگیر بادشاہ ان کی مراجعت ہوئی۔ لیکن کتبات سے اس بیان کی صریح تردید ہوتی ہے۔

(۱۰) تمام تذکرہ نویسوں میں صرف تقی کاشی نے میر صاحب کے خمسہ کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اوس نے بھی صرف دو مثنویوں کے نام تحریر کئے ہیں۔ اس کتبہ سے نہ صرف پانچوں مثنویوں کے نام معلوم ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خمسہ کی پانچوں مثنویاں سنہ ۱۰۱۳ھ سے پہلے ختم ہو چکی ہیں۔

(۱۲) اس کتبہ میں میر صاحب نے اکبر کی سلطنت کے حسب ذیل حدود بیان کئے ہیں۔

طول۔ سیلون۔ اوڑیسہ۔ گورگھاٹ۔ گور و بنگالہ سے ٹھٹھہ لاہری بندر اور ہرمز تک۔ جو کم و بیش دو سالہ راہ کی مسافت ہے۔

عرض۔ کابل و کشمیر سے برار و دکن تک جو تقریباً ڈیڑھ سال کا راستہ ہے۔

گورگھاٹ۔ مشرقی بنگالہ میں نارگاؤں کے قریب واقع ہے۔

گور۔ بنگالہ کا مشہور تاریخی مقام ہے۔ ہنٹر گزیٹیر جلد ۵ صفحہ ۳۵

ٹھٹھہ۔ سندھ کا قدیم اور تاریخی دارالحکومت ہے۔ ہنٹر گزیٹیر جلد ۱۳ صفحہ ۲۱

لاہری بندر۔ سندھ کا قدیم بندرگاہ جو کراچی کے قریب واقع ہے۔ ہنٹر گزیٹیر جلد ۸ صفحہ ۴۱۹۔

ہرمز۔ خلیج فارس میں واقع ہے۔

سلیم ۔ مراد اور دانیال اکبر کے فرزند ہیں ۔ خسرو اور پرویز شاہزادہ سلیم کے
لڑکوں کا نام ہے ۔

۳۹
شاہ بیگ خاں کابلی کو اکبر نے جلوس کے انتالیسویں سال ۱۰۰۲ھ میں
قندہار کا والی مقرر کیا ۔ جلوس کے چالیسویں سال ۱۰۰۳ھ میں شاہ بیگ نے اکبر کے
نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا ۔ اقبالنامہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۱ و صفحہ ۴۴۵

قندہار کے کتبہ کا ذکر اگرچہ کہ بعض تاریخوں میں مذکور ہے لیکن اس کی
عبارت گذشتہ صدی کے اخیر ایام تک کسی مورخ نے نقل نہیں کی ہے لالہ موہن لال
۱۲۴۸ھ میں برٹش گورنمنٹ کی طرف بعض امور کی تحقیقات کے لئے کابل و قندہار کو روانہ
ہوئے تو انھوں نے سفر میں اس کتبہ کو نقل کیا ۔ اس کے بعد ۱۸۹۱ء میں فرانس کے
مشہور مستشرق پروفیسر دارمسٹیٹر نے لالہ صاحب سے اس کتبہ کے پڑھنے میں
جو غلطیاں ہو گئی تھیں ان کی اصلاح کی ۔

کتابیات

حالات سے متعلق

کتاب	مصنف	طبع
(۱) طبقات اکبری	خواجہ نظام الدین احمد بخشی	طبع لکھنؤ ۱۲۹۲ھ صفحہ ۴۰۱
(۲) منتخب التواریخ	ملا عبدالقادر بدایونی	طبع لکھنؤ صفحہ ۸۱ اردو ترجمہ صفحہ ۵۳۶
(۳) اکبرنامہ	شیخ ابوالفضل علامی	جلد سوم طبع لکھنؤ صفحہ ۳۹۶ صفحہ ۴۱۶ صفحہ ۳۸۴
(۴) تاریخ سندھ	میر معصوم بکری	قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ صفحہ ۱۶۶ صفحہ ۱۶۷ صفحہ ۱۷۵
(۵) اقبال نامہ جہانگیری	محمد شریف معتمد خاں	طبع لکھنؤ جلد دوم صفحہ ۳۶۲ صفحہ ۶۶۳ صفحہ ۳۶۵ صفحہ ۴۱۹
(۶) ماثر الامرا	صمصام الدولہ شاہ نواز خاں	طبع کلکتہ جلد سوم صفحہ ۳۹۶
(۷) تحفۃ الکرام	علی شیر قانع	طبع دہلی جلد سوم صفحہ ۶۶ صفحہ ۱۴۷
(۸) نتایج الافکار	محمد قدرت اللہ خاں گوپاموی	طبع مدراس صفحہ ۴۲۶
(۹) مفتاح التواریخ	طامس ولیم بیل	طبع لکھنؤ صفحہ ۱۵۵

(۱۰) ہفت آسمان — سید احمد علی — طبع کلکتہ ص ۴۱

(۱۱) روز روشن — مظفر حسین صبا — طبع آگرہ ص ۶۷۹

(۱۲) محبوب الالباب — مولوی خدا بخش خاں — طبع حیدر آباد ص ۶۸

(۱۳) بلاک مین کا ترجمہ آئین اکبری — طبع کلکتہ جلد اول ص ۵۱۲

(۱۴) ایلیٹ کی تاریخ ہندوستان — طبع لندن جلد اول ص ۱۱۲ ص ۲۵۲

(۱۵) مارلے کی فہرست مخطوط فارسی متعلقہ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی ص ۲۷

(۱۶) ریو کی فہرست مخطوطات فارسی متعلقہ برٹش میوزیم جلد اول ص ۱۹ جلد سوم ص ۹۴۹

(۱۷) اتھی کی فہرست مخطوطات فارسی متعلقہ دیوان ہند نمبر ص ۴۳۶

(۲) کتبات کے متعلق

(۱۸) روئداد ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال بابتہ ۱۸۷۴ء ص ۱۷۵ ص ۲۰۹

(۱۹) رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بمبئی جلد ۲۱ ص ۳۴۵ و ص ۳۹۰

(۲۰) ارکیولوجیکل سروے آف انڈیا جلد ۴ ص ۱۱۳

(۲۱) سالانہ رپورٹ ارکیولوجیکل سروے آف انڈیا بابتہ ۱۹۰۳ء ص ۱۶۶

(۲۲) رسالہ ایشیا۔ سلسلہ ہشتم جلد ۱۱۔ ص ۲۰۳

(۲۳) رسالہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابت ۱۸۸۹ء ص ۷۹۵

(۲۴) بلوٹین ناگ پور میوزیم جلد اول نمبر اول ص ۵

(۲۵) ایپگرافیا انڈو مسلیمی کا بابتہ ۱۹۰۹ء ص ۱۳ ص ۱۷ ص ۲۶ ص ۲۷

(۲۶) بمبئی گزیٹیر — جلد اول حصہ اول ص ۳۷۰

(۲۷) محمد لطیف کی تاریخ آگرہ — طبع کلکتہ ص ۵۵ ص ۹۹ ص ۱۴۶

(۲۸) توزک جہانگیری — طبع لکھنو ص ۵ حاشیہ

(۲۹) احسن السیر — تاریخ اجمیر — طبع اجمیر ص ۳۲

(۳۰) تاریخ فرشتہ — طبع لکھنو جلد دوم ص ۲۹۱

(۳۱) خلاصہ التواریخ — سوجان رائے — طبع دہلی ص ۵۲

(۳۲) مقدمہ سیر المتاخرین — طبع لکھنو ص ۲۹

(۳۳) آرائش محفل — میر شیر علی افسوس — طبع کلکتہ ص ۱۴۰

(۳۴) ہنٹر کا گزیٹیر آف انڈیا — جلد ۵ ص ۳۵ جلد ۸ ص ۴۱۹ جلد ۱۲ ص ۲۱۷

سلاطین بہمنیہ

اقتباس از ہفت اقلیم تصنیف امین احمد رازی

ہفت اقلیم فارسی زبان میں جغرافیہ اور تاریخ و تراجم کا مبسوط انسائیکلوپیڈیا
ہے اس کا مصنف امین احمد رازی جو امین رازی کے نام سے زیادہ مشہور ہے
رَے کا باشندہ تھا۔ اس شہر میں اس کا خاندان نہایت معزز اور صاحب
ثروت مانا جاتا تھا۔ اور اس کے عزیز و اقارب ذی اثر، صاحب علم و فضل
اور شاہی دربار میں عہدہ ہائے جلیلہ پر مامور تھے۔ امین رازی کا باپ
خواجہ مرزا احمد شاہ طہماسپ صفوی (۹۳۰ھ ۹۸۴ھ) کے اراکین دربار
تھا۔ اور بادشاہ نے اوسے رَے کا کلان تر مقرر کیا تھا۔

امین رازی کا چچا محمد شریف ہجری جو ہجری رازی کے لقب سے مشہور
ہے اور ۹۸۴ھ میں فوت ہوا ہے، فارسی زبان کا مشہور صاحب دیوان
شاعر اور اپنے زمانہ کا سرآمد روزگار شخص گذرا ہے۔ ابتدائے عمر میں خراسان
جاکر تاتار سلطان ولد محمد خان شرف الدین اوغلی کا وزیر ہو گیا۔ اس کی
وفات کے بعد شاہ طہماسپ نے یزد اور ابرقوہ کی وزارت عطا کی سات
سال اس خدمت کو بعمدگی تمام انجام دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اوسے
اصفہان کا عہدہ وزارت تفویض فرمایا۔ اعتماد الدولہ مرزا غیاث بیگ

جو نور جہاں بیگم کا باپ اور شہنشاہ جہانگیر (۱۰۱۴ تا ۱۰۳۷ھ) کا وزیر اعظم ہے امین رازی کا ماموں زاد بھائی تھا۔

امین رازی نے یہ کتاب شہنشاہ اکبر (۹۶۳ تا ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں بمقام آگرہ تصنیف کی ہے چھ سال کی محنت کے بعد ۱۰۰۲ھ میں اختتام کو پہونچایا اور حسب ذیل رباعی سے اس کی تاریخ نکالی ہے۔

این نسخہ کہ ہست فردوس نکو	تا خوش شوی درو نہ بشگافی مو
گر از تو کسی سوال تاریخ کند	تصنیف امین احمد رازی گو

یہ کتاب سات اقلیم پر منقسم ہے۔ ہر اقلیم کے تحت میں اوس کے صوبوں اور شہروں کے حالات، تاریخی حوادث، سلاطین و حکام کے واقعات مذکور ہیں۔ اس کے بعد ہر شہر میں جس قدر مشاہیر علماء حکماء شعراء امراء اور صوفیہ وغیرہ گذرے ہیں اون کا تذکرہ تحریر کیا ہے۔ اس تقریب سے تذکار سلاطین کے علاوہ اس کتاب میں پندرہ سو پچاس مشاہیر رجال کے تذکرے مذکور ہیں۔

امین رازی نے اس کتاب کی تالیف میں بہت سی کتابوں سے مدد لی ہے منجملہ اون کے بعض مشہور و معروف کتابوں کے نام یہ ہیں۔

تاریخی کتابیں	طبقات ناصری۔ تاریخ گزیدہ۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر جہاں آرا۔
جغرافیائی کتابیں	مسالک الممالک۔ صور الاقالیم۔ معجم البلدان۔ نزہۃ القلوب۔
صوفیہ کے تذکرے	تذکرۃ الاولیا شیخ عطار۔ حکایات الصالحین امام یافعی نفحات الانس ملا جامی۔
شعراء کے تذکرے	لباب الالباب محمد عوفی۔ چہار مقالہ نظامی عروضی۔ تذکرۃ الشعراء دولت شاہ سمرقندی۔

ہفت اقلیم جس قدر مشہور ہے اوسی قدر نادر و کمیاب ہے اس کا ایک نسخہ جو تصنیف سے چھبیس (۲۶) سال بعد شہنشاہ جہانگیر کے تیرھویں سال جلوس (سنہ ۱۰۲۸ھ) میں مکتوب ہوا ہے۔ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اوس سے اقتباس کرکے سلاطین بہمنیہ کا حال ذیل میں درج کرتے ہیں یہ بیان اگرچہ کہ نہایت مختصر اور ناقص و ناکمل ہے لیکن قدامت کے اعتبار سے تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ سلاطین بہمنیہ کے متعلق جو کتابیں اس وقت بہم آتی ہیں۔ اون سے مشہور اور قدیم کتابوں کے نام یہ ہیں۔

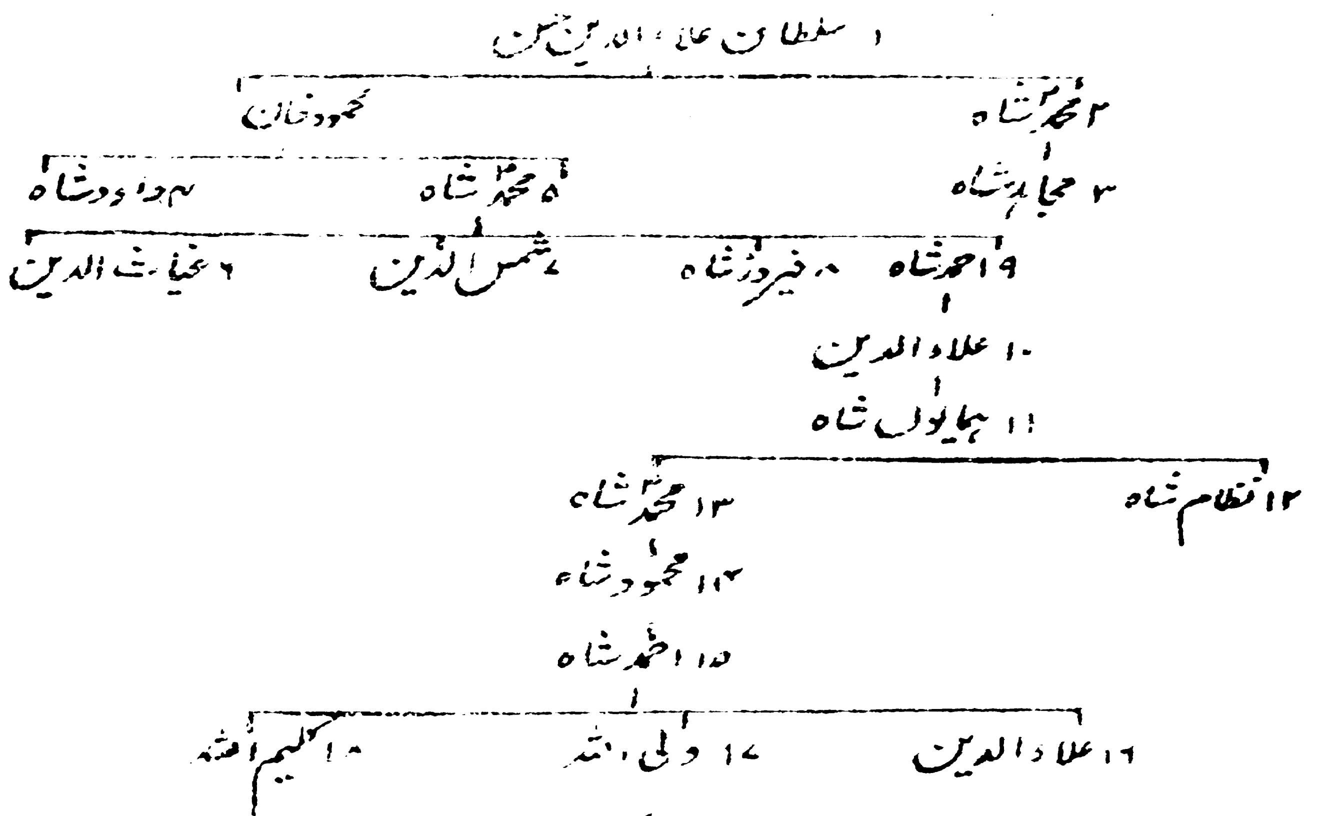
(۱)	طبقات اکبری	ملا نظام الدین احمد	سنہ ۱۰۰۲ھ
(۲)	برہان المآثر	علی ماثر ندرانی	سنہ ۱۰۰۴ھ
(۳)	ذکر الملوک	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	سنہ ۱۰۰۵ھ
(۴)	تاریخ فرشتہ	حکیم محمد قاسم فرشتہ	سنہ ۱۰۱۵ھ
(۵)	تذکرۃ الملوک	رفیع الدین شیرازی	سنہ ۱۰۱۷ھ

ان میں طبقات اکبری سب سے قدیم ہے۔ ہفت اقلیم بھی اگرچہ کہ اسی سال تمام ہوئی ہے۔ لیکن اس میں جو حصہ سلاطین بہمنیہ کے متعلق ہے وہ سنہ ۱۰۰۱ھ میں قلم بند ہوا ہے اس لئے طبقات اکبری پر بھی بلحاظ قدامت اس کو تفوق حاصل ہے۔

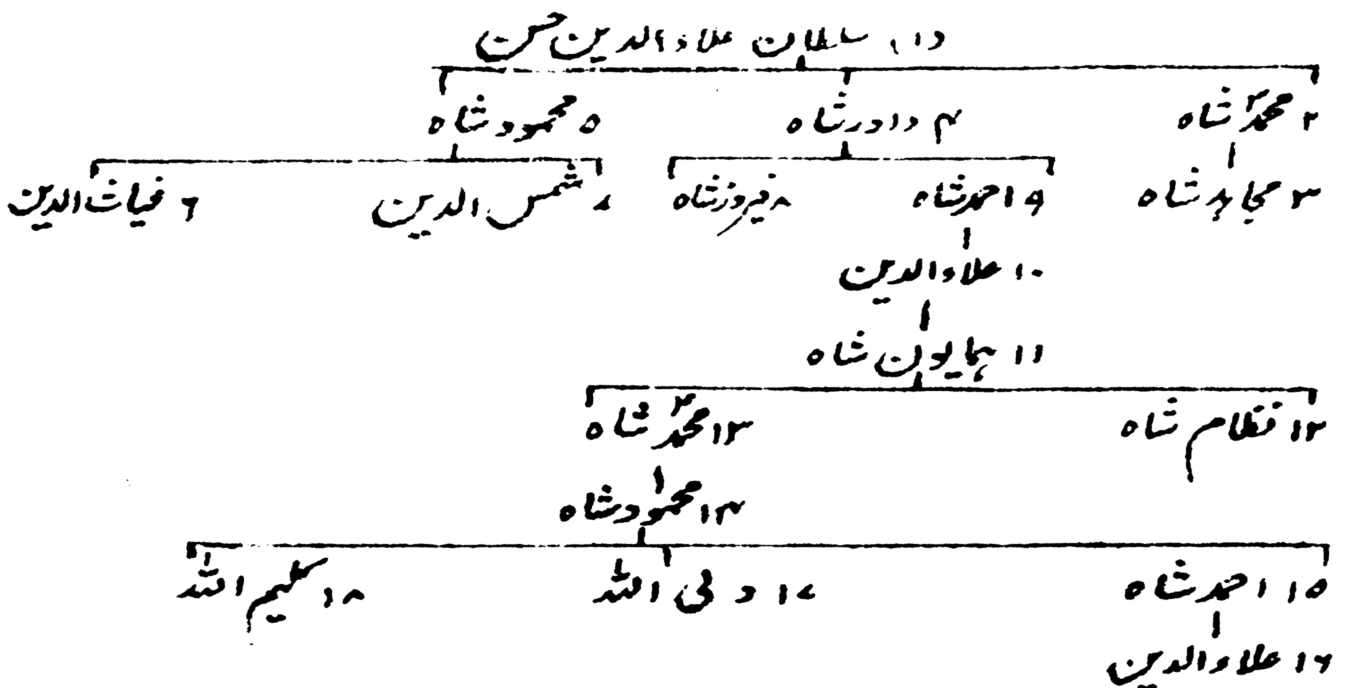
ہفت اقلیم میں سلاطین بہمنیہ کے جو حالات درج ہیں ان کو امین رازی نے عیون التواریخ سے اخذ کیا ہے یہ تاریخ سلاطین بہمنیہ کے عہد میں لکھی گئی ہے اور اس وقت ناپید ہے۔ اس بنیاد پر اس اقتباس کو اور بھی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

سلاطین بہمنیہ کا شجرہ نسب

۱- ہفت اقلیم کے مطابق



۲- تاریخ فرشتہ کے مطابق



اول کسیکه از سلاطین دہلی بر ولایت دکن مستولی گردیده سلطان علاء الدین خلجی بوده۔ ودیوگیر که عبارت از دولت آباد باشد با مضافات دیگر پرگنات تازمان سلطان محمد تغلق تعلق بسلاطین دہلی داشته۔ و در آخر زمان دولت او حسن کانگویه که از جمله ملازمان سلطان بود بران دیار استیلا یافته خود را بسلطان علاء الدین مخاطب ساخت۔ و از زمان استیلائی وی که در سال هفت صد و چهل وهشت بوده تازمان تحریر که از هجرت ختمی پناه صلی الله علیه وسلم هزار و یک سال گذشته۔ بیست و یک تن بحکومت و دارائی ملک دکن متمکن گردیده اند۔ وازین جماعت بعضے در شهر گلبرگه و برخی در شهر بیدر و بعضی در احمد نگر و چندی در تلنگ و قومی در برار بلوازم امور حکومت پرداخته اند۔ چنانچه مجملی از هر طبقه در محل خویش رقم زده کلک بیان خواهد گردید۔

طبقه اول ملوک گلبرگه است۔ واول ایشان۔

(۱) سلطان علاء الدین حسن است۔ چوں صاحب عیون التواریخ نسب وی را به بهمن بن اسفندیار میرساند هرآئینه آں سلسله به بهمنی اشتهار یافته اند۔ و سلطان علاء الدین ابتداء ملک عماد الدین سرتیز را که سلطان بدفع او مامور ساخته بود بقتل آورده دیوگیر را متصرف گردید۔ وپس ازاں کساں فرستاده گلبرگه نیز مسخر ساخت و بر اثر آں شهر بیدر را باچند موضع بحیز ضبط آورد۔ و بعد از بیست و یک سال که بسیاری از گردن کشاں و زمین داراں را مطیع و منقاد خود را گردانیده۔ رخت بعالم بقا کشید۔ و بعد از وی دلدار نقد نفش

(۲) سلطان محمد شاه۔ بر سریر سلطنت نشسته همگی همت مصروف به تسخیر بلاد و احیاء مراسم جهاد نموده ولایت بسیار داخل بلاد خود ساخت تا بعد از هژده سال وهفت ماه دست اجل قبائی بقارا از برادو در کرده روی بوادی خاموشاں نهاد۔

(۳) سلطان مجاهد شاه۔ بعد از پدر قایم مقام گردیده ابتداء تاخت بولایت بیجانگر برده غنیمت بسیار بدست آورد۔ و رائے کشن که پیشواء اہل عصیاں بود

انقیاد و احصار ناموس ساخته قلعه را تسلیم نمود ۔ در خلال این احوال منهیان خبر آوردند که بعضی
متمردان با موال موفور بیگی کوهای شامخ آن ولایت متحصن گردیده اند سلطان داود خاں را که
ابن عم وی حی شد بر راه گریز متمرداں گزاشته خود بنهب و غارت مشغول گردید ۔ و پس از تقسیم
غنایم داود خاں را که در محافظت راه تعادل ورزیده بود مخاطب ساخته اعراض بسیار نمود ۔ و داود خاں
کینه سلطان در خاطر گرفته شبی در خلوت سرائے وی در آمده او را بزخم خنجر هلاک ساخت
مدت سلطنتش یک سال و یک ماه نه روز بوده ۔

(۴) **داود شاه بن محمود خاں** بعد از مجاهد شاه برادر نگ آباد ایالت قرار گرفته
گروهی از مقربان را با خود موافق ساخت ۔ و خواهر مجاهد شاه جهت باز خواست خون برادر
بعضی از امراء بعزیمت تا در مسجد جامع دیر از پای در آوردند ایام حکومتش یک ماه و سه روز بود

(۵) **سلطان محمد شاه بن محمود خاں بن حسن شاه** نوزده سال حکومت نموده
راه آخرت پیش گرفت ۔ از خصوصیات احوال او چیزی که قابل ایراد باشد نظر نیامده ۔

(۶) **سلطان غیاث الدین** ۔ بجائی پدر بر مسند سلطنت تکیه زده جمیع سپاه سر عبودیت
بخاک راه وی نهادند ۔ مگر غلامی تغلچی نام که بمزید اختصاص قرب و منزلت اختصاص داشت
می خواست که دولت اندر به برادرش منتقل شود ۔ لاجرم جهت نفاذ این اراده و عوقی ترتیب
داده سلطان را بمهمانی طلبید ۔ و در خلوت وی را بدست آورده چشم جهاں بین وی را میل
کشید ۔ و سلطان شمس الدین را در هفت صد و نود و نه بحکومت برداشت ۔ مدت سلطنتش
یکماه و بیست روز بود ۔

(۷) **سلطان شمس الدین** و چوں سلطان شمس الدین بسعی تغلچی بحکومت نشست برادران
وی فیروز خاں و احمد خاں واهمه کرده بقلعه سگر رفتند ۔ و از آں جا لشکری فراهم آورده
بر سر برادر خود آمدند ۔ و سلطان شمس الدین ایشاں را استقبال نموده بعد از محاذات صفین
و موازات طرفین سلطان شمس الدین انهزام یافته معامله بمصالحه انجامید ۔ و پس از آں

هر سه برادر بشهر در آمدند. و بعد از چند روز سلطان نقض عهد نموده میخواست که برادران را بدست آورد که فیروز خان پیش دستی کرده در وقتی که مسند امارت را خالی یافت با مردم خود جرأت نموده بر تخت سلطنت نشست. و سلطان شمس الدین بعد از چند روز بقتل رسیده سلطنت بر فیروز شاه قرار گرفت. مدت سلطنتش پنجاه و هفت روز بوده.

(۸) **فیروز شاه** در سال هشت صد هجری بر متکائے دولت تکیه زده. در عهدش قواعد مروت و رسوم فتوت و مبانی عدل و انصاف رسوخ تمام داشت.

عدل او صفحهٔ ایام ز تیغ ‌‌ ‌‌ ‌‌ کرد پاک از اثر درد و دریغ

و او نخست تسخیر بیجانگر را پیش نهاد همت ساخته بکوچ متواتر رفته در کنار دریای کشن فرود آمد. چون عبور ممکن نبود بی اختیار توقف واقع شد. و رای بیجانگر با لشکر عظیم آمده در آن طرف فرود آمده. و سلطان ازین موازات و محاذات بسیار ملول گردیده همواره با امراء دولت خواهان طریقهٔ مشورت مسلوک میداشت. تا روزی قاضی سراج که یکے از مخصوصان بود و بمزید شجاعت اتصاف داشت بعرض رسانید که عقدهٔ این معامله جز بگره کشائی مکر و فریب کشوده نشود. و بعد از تمهید مقدمه با چندی از اقارب که برایشان اعتماد و وثوق داشت از آب گذشته خود را بلشکر رای بیجانگر رسانید. و چون در فن موسیقی مهارت تمام داشت در خانهٔ مطربان فرود آمد. و بعد از چند روز که رای بیجانگر جشنی ترتیب داده اهل طرب را طلبید قاضی با اتباع خود همراه مطربان بدان مجلس در آمده لعب چند نمود که رای بیجانگر در مدت عمر خود ندیده بود. هر آئینه منظور نظر گردیده حکم شد که در خلا و ملا می آمده باشد. و قاضی انتظار فرصت جسته شبی که رای مست بود به خنجر زهر آلود سینهٔ اش را درید و متابعانش نیز خنجرها کشیده سردارانش را بریدند چون غوغای هندوان بسلطان رسید از آب عبور نموده بقیة السیف را طعمهٔ تیغ بیدریغ گردانید. و چندان غنائم بدست افتاد که محاسب روزگار از عدد و احصای آن عاجز ماند. و در آخر عمر بر سر قلعهٔ ار[illegible]

دوسال آن قلعه را محاصره نمود. وکاری ازپیش نتوانست برد. وچون بواسطهٔ آب وهوا اکثر مردم وچهارپا تباه می شدند ہرآینه معاودت نموده بجانب گلبرگه در حرکت آمد. ورای بیجانگر از مراجعت وی خبردار گشته لشکر بسیار فرستاده تا مداخل ومخارج آن راه را مضبوط ساختند. وکس بسیاری از سپاه سلطان را مجروح وبیروح گردانیدند وزخمی بسلطان نیز رسانیدند. وامرا بعد از محنت تمام عنان سلطان را گرفته از آن مهلکه برآوردند وسلطان از غیرت بیمار شده پهلو بربستر ناتوانی نهاد. ودر خلال احوال خواست که خانخانان احمد خان را گرفته مقید سازد. پسر خود حسین خان را قایم مقام گرداند که احمدخان آگاه شده خودرا بمامن عافیت رسانید. وسپاه از هر طرف آمده بوی ملحق گردید. وفیروز شاه غلام خودرا با بیست ہزار سوار وسی سلسله فیل بدفع او فرستاده مفهوم برگشت وفیروز شاه باجود بیماری در پالکی نشسته خود متوجه شد. ودروقت استوا صفوف طرفین راست شده اکثر لشکر فیروز شاه گریخته با احمد خان پیوستند وفیروز شاه از مشاهدهٔ این حال برگشته به شهر آمد وکلید قلعه وخزاین را بدست اکابر شهر بدو فرستاد.

خردمند آن بود کو درهمه کار | گهی با گل بسازد گاه با خار
همه لقمه شکر نتوان فرو برد | گهی صافی به پیش آید گهی درد

واحمدخان بدولتخانه آمده فیروز شاه اورا بر تخت نشانید وبجواهر زواهر نصایح گوش اورا گرانبار ساخته درباب فرزندان خود سفارش فرمود ودرهمان شب دست غارتگر اجل متاع زندگانی اورا بغارت برد. ایام ایالت او بیست وپنج سال وهفت ماه وبیست روز بوده.

(۹) **احمد شاه** چون سریر سلطنت ومسند ایالت بجلوس احمد شاه بتاریخ هشتصد وبیست وپنج زیب وزینت یافت طبقات از عدل کامل واحسان شامل او آسوده گشتند.

در معدلت آن چنان باز شد که گنجشک هم خانهٔ باز شد

و چون در زمان فیروزشاه از دیورای والی بیجانگر بی ادبی بسیار چنانچه نوشته آمد
واقع شده بود هر آئینه سلطان نخست بعزم انتقام او متوجه گردید. و دیورای که
از غرور و استکبار سر بفلک دوّار می سود عنان تمالک از دست داده یکے از معتمدان
خود را با تحف و هدایا فرستاده اظهار اطاعت و انقیاد نمود. و سلطان قلم عفو بر جرایم او
کشیده مبلغها بروی مقرر ساخت که هر سال میداده باشد. و سلطان بعد از مراجعت
رفته قلعهٔ کهرله را محاصره نمود. رای کهرله سلطان هوشنگ را بمدد خود طلبیده بشرطی که
هر روز سه لک تنکه جهت مدد خرج بدو میداده باشد. چون هوشنگ نزدیک رسید
سلطان احمد از پائے قلعه برخاسته سه منزل عقب نشست. و سلطان هوشنگ بدین
قناعت ناکرده سه منزل دیگر وی را تعاقب نمود. و سلطان احمد را عرق غیرت بحرکت
آمده برگشته جنگ در پیوست. و بعد از محاربهٔ عظیم شکست بر هوشنگ افتاده اہل
حرمش بدست اہل دکن گرفتار گردید و سلطان احمد از کمال مروت لشکر خود را از
تعاقب باز داشته بعد از چند روز اہل حرم هوشنگ را سامان نموده با پانصد سوار بمند و
فرستاد. و در سال هشت صد و سی و هشت مرضی بر ذات سلطان طاری گردید که
بعزم درست و نیت صادق از جمیع معاصی و ذنوب توبه کرد. و فرزند بزرگ خود سلطان
علاء الدین را در حضور امراء و وزراء بامر سلطنت وصیت کرده در شب سیوم رجب
جان بجان آفرین سپرد. مدت سلطنت او دوازده سال و نه ماه و بیست چهار روز بود۔

(۱۰) **سلطان علاء الدین بن احمد شاه** چون قایم مقام پدر شد خود را احمد شاه
مخاطب ساخته همگی همت بر تمهید قواعد معدلت و تشئید مبانی نصفت مصروف گردانید۔
در سال هشت صد و سی و نه نصیر خان ضابط اسیر و برهان پور بمیان ولایت دکن
آمده پارهٔ از پرگنات را تاخت و تاراج نمود. احمد شاه خلف حسن را که ملک التجار خطاب

داشت به دفع وی نامزد ساخت. بعد از تلاقی فریقین نصیر خاں گریخته ملک التجار تا اسیر رفته پارهٔ از ولایت او را عوض تاخته مراجعت نمود. و پس ازیں خدمت او را به تسخیر حصار سنگر که از معظمات قلاع سواحل دریا بار است فرستاد. و ملک التجار ابتدا حصاری را کشود که راجه آں حصار سرکه نام داشت. سرکه را خواست که بقتل رساند. او گفت که از کشتن من منفعتی بشما عاید نخواهد شد. اما صعوبت ایں راه و بسیاری جنگل بر همه کس واضح و ظاهر است. اگر بنده را زنده دارید لشکر را براهے برم که خاری بر دامن سواری نه نشیند. و ملک التجار اعتماد بر قول او کرده طلیعهٔ سپاه و دلیل راه ساخت. و دلیل گمراه راهی را سرگرد که دیو از ملاحظه آں آشفته شدی تا بموضعی رسیدند که سه طرف آں کوه و جنگل بود و یک طرف جوی آب عمیقی که به جنگل می پوست. و در آں جنگل نیم شبی قرب چهل هزار پیاده فرو ریختند. و خلف حسن را با جمعی از اهل اسلام بقتل رسانیدند. وزرای دکن که عداوت غرباء را همیشه در خاطر مخمر می ساختند ایں واقعه را بصورت قبیح بعرض سلطان رسانیده فرمان بقتل آں جماعت حاصل کردند. هر آئینه راجه رستم که بنظام الملک ملقب بود سالار حمزه که شیر الملک خطاب داشت بدیں امر مامور گشته قرب سه هزار کس را بقتل آوردند. که از آں جمله هزار و دویست سید صحیح النسب بودند. و در اندک روزی نظام الملک و شیر الملک بعلت برص مبتلا شده بدار البوار منزل گزیدند. گویند که سلطان علاء الدین خود خطبه خواندی. و خویشتن را بایں القاب ستودی که السلطان العالم الحلیم الکریم الرؤف علی عباد الله الغنی علاء الدنیا والدین احمد شاه بن احمد شاه الولی البهمنی. چوں خبر قتل سادات بدو رسید بغایت متالم و ملول گردید روزی که سلطان در مدح خود ایں فقره فقره بیان می نمود شخصی برخاست و گفت. والله انک الکذاب و لست بعادل ولا حلیم ولا کریم تقتل الذریت والطاهرة و تتکلم بهذه الکلمات علی منابر المسلمین. و سلطان از گفتار او خجل شده در عوار از مسجد بخانه رفت. و اصلا متعرض وی نه گشت. و پس از چند روز

بیمار گشته ہمایوں خاں را کہ ارشد اولادش بود بسلطنت وصیت فرمودہ در ہشت صد و شصت دو روی بعالم آخرت آورد ۔ مدت حکومتش بیست و سہ سال و نہ ماہ و بیست و دو روز بودہ

(۱۱) **ہمایوں شاہ** اگرچہ بکمال تہور و مردانگی موصوف بفصاحت بیان و طلاقت لساں معروف بود لیک در آزار مردماں بیباک و در تادیب مجرماں سفاک می زیست ۔ چنانچہ مظلومی ایں رباعی در حق وی گفتہ ۔

ای ظالم از آہ دل شب خیز بترس　　وز فعل بد نفس شرانگیز بترس
مژگاں بخوں غرقۂ مظلوم بہ بیں　　زاں خنجر آبدار خونریز بترس

و بتدریج کارش بجائی انجامید کہ دست تعدی بعیال و فرزنداں مردم دراز می کرد وی فرمود کہ عروس را از میانہ راہ گرفتہ بحرم سرائی وی می بردند ۔ و پس از ازالۂ بکارت بخانۂ شوہر می فرستادند ۔ و امرا بنوعی از و متوہم بودند کہ ہرگاہ بسلام میرفتند فرزنداں را وصیت نمودہ قدم در راہ می نہادند ۔ و چوں گاہے اہل حرم را نیز لاکن شئی بقتل میرسانید ہر آینہ خدمتگاراں بایک دیگر اتفاق کردہ در وقتی کہ باستراحت مشغول بود کنیز حبشی بیک چوب کارش را بآخر رسانید ۔ و نظیری شاعر ایں قطعہ در تاریخ فوت او بگفت ۔

ہمایوں شاہ مرد و دوزخش گشت　　تعالی اللہ زہے مرگ ہمایوں
جہاں پر ذوق شد تاریخ مرگش　　ہم از ذوق جہاں آرید بیروں

مدت ایالتش سہ سال و شش و پنج روز بودہ ۔ پس از فوت وی امرا در سال ہشت صد و شصت و پنج پسرش ۔

(۱۲) **نظام شاہ** را کہ ہشت سالہ بود بسلطنت برداشتند و دریں وقت کفار تلنگ و اوڈیسہ فرصت یافتہ بقصد نہب و غارت ولایت در حرکت آمدند ، و

اہل دکن در خدمت نظام شاہ بجنگ بیرون آمدہ مسلمانان ظفر یافتند۔ وچون
سلطان محمود خلجی خبر یافت کہ حکومت دکن بطفلی قرار گرفتہ با جنود موفور متوجہ آن
صوبہ گردید۔ وامرائی دکن نیز از ہمہ جا سپاہی درہم کشیدہ وی را استقبال نمودند
و بعد از تلاقی فریقین لشکر مالوہ شکست یافتہ مردم دکن بتاراج مشغول شدند۔ و
وسلطان محمود کہ با فوج خود در گوشۂ پای ثبات افشردہ بود بر دکنیان حملہ بردہ
منظفر گردید۔ وسکندر خان نامی نظام شاہ را از آن معرکہ برآوردہ بشہر بید ر رسانید
وسلطان محمود از عقب آمدہ وی را محاصرہ فرمود۔ ودکنیان از حاکم گجرات
مدد طلبیدہ سلطان محمود گجراتی بہ نفس خود بجانب دکن روان گردید۔ وسلطان
محمود از آمدن او خبر یافتہ رایت مراجعت بجانب ولایت خود برافراخت وکرت
دیگر بدکن در آمدہ بے آنکہ کاری از پیش برد معاودت نمود۔ وپس ازین قضا یا
در ہشت صد شصت وہفت نظام شاہ فوت شدہ برادرش۔

(۱۳) **محمد شاہ** بجای وی پادشاہ گردیدہ بسلطان محمد لشکری ملقب گشت و
وزارتش تعلق بخواجہ محمود گیلانی کہ بخواجہ جہان مشہور بود گرفت۔ وبسعی وی در ملک
سلطان رونقی پدید آمد۔ وملک احمد ولد ملک نایب ودریا خان بن علاء الدین
کہ غلامان سلطان بودند بسعی خواجہ جہان تربیت یافتہ ملک احمد بخطاب نظام الملکی
واقطاع جونیر ممتاز گردید۔ ودریا خان بعماد الملک ملقب گشتہ اقطاع کاویل بدو
تعلق گرفت۔ درخلال احوال راجۂ اوڈیسہ پای از حد خود فراتر نہادہ متعرض
ولایت دکن گردید۔ وسلطان محمد دفع او را پیش نہاد ہمت ساختہ بجانب
او روان گشت۔ ودر کنار آب راج مہندری تلاقی فریقین دست دادہ ہر دو لشکر بر دو
طرف آب فرود آمدند۔ وچون در آن وقت ہنگام کثرت آب بود وعبور از آن
بآسانی میسر نبود بعد از چندی روز راجۂ اودیسہ جمعی از مردم خود را بضبط قلعۂ کنار آب تعین کردہ

خود بدیگر ولایت رفت - وسلطان محمد بسعی موفور از آب گذشته قلعه را محاصره نمود - و
چوں دانست که کمند استعدادش بشرفات برج مقصود نمی پیوندد هر آئینه به پیشکشی قناعت
کرده بجانب تلنگانه درحرکت آمد - وتا اقصی آں ولایت رفته شهرستان ابدان بسیاری
از سکان آں ولایت را ویران ساخت - وبتحقیق غزو وجهاد تخانهائے ایشاں را
خراب گردانیده - غنیمت بسیار و مال بے شمار بدست آورد - ودریں سفر مرتبه خواجه جہان
از جمیع مقربان درگذشته محسود همگناں گشت - واقران بواسطهٔ بے اختیاری خود و اعتبار
او هلیشه در مدد استیصال وی می بودند تا در آخر شخصے را نزد مهر دار او فرستاده بمال بسیار
او را فریفته ساختند و کاغذی را بمهر او رسانیده بعد ازاں کتابتی از زبان خواجه جہان
بحاکم اوڈیسه در قلم آوردند - بدیں مضموں که هرگاه لشکر شما بمیان ولایت آید من
نیز از طرفی برآمده بدیشاں ملحق خواهم گردید و بادنی توجهے ولایت دکن در حیطهٔ تصرف
خواهد آمد - لیکن بشرطیکه بعد از تسخیر ولایت بالسویه قسمت شود - وچوں این کتابت
را بنظر سلطان درآوردند سلطان مضطر و سراسیمه گشته کس بطلب خواجه فرستاد - نزدیکان و اعیان
خواجه که بر سبب طلب اطلاع داشتند خواجه را از رفتن منع نمودند - چه ده هزار سوار
دراں وقت بر درگاه خواجه حاضر بود خواجه در جواب گفت که سالهائی دراز بدیدو دولت
ایں سلسله فراغت کرده ام وهیچ گونه تقصیری از من بوجود نیامده - بمجرد تهمتی که کرده
باشند خود را به بیوفائی منسوب گردانیدن وحق ولی نعمت ضایع ساختن
از خود دور می نماید - ویقین است که دروغ را فروغی نخواهد بود - ومن سیاست
را به از حرام نمکی میدانم - وهماں ساعت تنها بدرگاه پادشاه رفت - چوں سلطان
از مهر و خط پرسید گفت مهر از من ست اما خط از من نیست - وسلطان بی آنکه دیگر حرفی
پرسید حکم بقتلش فرمود - خواجه گفت قتل من موجب خرابی ملک خواهد شد - والا کار من
که بغایت پیری رسیده ام سهل است - سلطان از کمال کوته اندیشی سخن او گوش ناکرده

فرمود که آں پیر عاقل فاضل را بدرجۂ شہادت رسانیدند ۔ و بعد از قتل خواجہ در اندک زمانے امرا رایت مخالفت بر افراشتہ ہر کس در ہر جا کہ بود دم از انا و لاغیری زد ۔ و سلطان نیز زیادہ بر سہ ماہ مہلت نیافتہ فوت گشت ۔

کہ در زمانہ بی اعتبار طرح ستم   خیال ہست کہ خود عبرت زمانہ نہ شد

زمان سلطنتش نوزدہ سال و چہار و نیم ماہ بودہ ۔

(۱۴) **سلطان محمود** چوں سلطان محمد ۲ بجہاں سرمد انتقال نمود پسرش سلطان محمود بر معارج سلطنت صعود فرمود ۔ و از غایت جوانی و ہوای نفسانی استیفاے لذات را بر مصالح جہانبانی مقدم داشت ۔ و والدہ اش باتفاق نظام الملک و عماد الملک بسر انجام امور ملک و مال می پرداخت ۔ دلاور خان کہ یکے از غلاماں سلطان بود از روی حسد بعرض رسانید کہ ہرگاہ نظام الملک و عماد الملک باستصواب رائے خود مہمات را تمشیت میدادہ باشند عنقریب مستقل گشتہ زمام امور مملکت از کف اختیار تو چوں موز خمیر بیروں خواہند آورد ۔ بعد ازاں افسوں و افسوس فایدہ نخواہد بخشید ۔ و ایں سخن در ضمیر سلطان بی تدبیر جای گیر گشتہ قاصد قتل ایشاں گردید و روزی کہ آں دو امیر آمدہ در خلوت سخنی بعرض والدۂ سلطان میرسانیدند دلاور خان با یک کس دیگر بفرمودۂ سلطان از عقب ایشاں درآمدہ بر ہر یک زخمی رسانیدند و ایشاں نیز شمشیر ہا کشیدہ شر دلاور خاں را از خود دفع نمودند ۔ و در فور خود را باسیاں رسانیدہ بمنزل خود آمدند ۔ و ملک برید را کہ حاکم شہر بود از حقیقت آگاہ ساختہ گفتند کہ سلطان قصد تو نیز دارد ۔ محافظت خود نمائی ۔ و با خیل و حشم بجانب اقطاع خود در حرکت آمدند و بعضے گفتہ اند کہ چوں سلطان بسخن ارباب غرض ملک نایب پدر نظام الملک را بقتل رسانید ملک احمد نظام الملک از اطاعت سر باز زد ۔ بہر تقدیر چوں سلطان محمود بحرکات ناستودہ اقدام نمود ہر یک از امرا کہ در قطری از اقطار دکن بودند دم استقلال

استبداد زده قدم از دایره اطاعت بیرون نهادند - و ولایت دکن را بایک دیگر قسمت نموده خواطر از فکر اوامر و نواهی بپرداختند چنانچه اسمٰعیل عادل خاں ولد ملک یوسف ترک در ولایت بیجاپور و گلبرگه و مرج و کلیان و کلهر و دیگر محال که در تصرف داشت - رایت انا و لاغیری برافراشت - و سلطان قلی قطب الملک که از تراکمهٔ همدان بود و در عهد سلطنت سلطان محمود بر معارج امارت و سروری صعود نموده بود تمام و لایت تلنگانه را بحوزهٔ تصرف خویش آورده از مرتبهٔ فرمانبرداری برتبهٔ فرمان فرمائی رسید - و دریا خان عماد الملک بن ملک عماد الدین که حاکم برار بود آں ولایت را بحیطهٔ ضبط کشید - و ملک احمد نظام الملک بحری که بر ولایت جونیر و کوکن و دولت آباد و آسیر دیر و بیر حکومت داشت شعار سلطنت اظهار کرده دیگری را گردن نتهاد - و زعم بعضے آنست که ملک احمد برادر سلطان محمود بود - چه وقت ولادت سلطان محمد والده اش را بواسطه احکام نجوم یا دیگر وجوه بملک نایب سپرده بود - و احمد در حجر تربیت ملک نایب نشوونما یافته بعد ازان مرحوم اورا بملک نایب نسبت دادند - و برخی گفته اند که سلطان والدهٔ احمد را که آبستن بود ندانسته بملک نایب بخشید و احمد در منزل وی بوجود آمده به پسری ملک نایب مشهور گشت واللّٰه تعالیٰ عالم بحقایق الامور - و ایضاً خواجه جهاں که از تربیت یافتگان خواجه جهاں بود در پرنده رایت استقلال برافراشت - و ملک قاسم ترک که مسند حکومت شهر بوجودش آرایش داشت - تمام خزاین و دفاین و فیل و سایر اسباب سلطنت را بتصرف خویش آورده - سلطان محمود را به نشستن گوشهٔ انزوا تکلیف فرمود - و بقدر حاجت لباس و طعام جهت او مقرر ساخت - و مدت سی و هفت سال اسم سلطنت برو موسوم بوده در سنه صد و بیست و چهار نقد عمر را بمقامر اجل درباخت و بعد از سلطان محمود سلطنت بهمنی سپری شده ملک دکن بدیگراں منتقل گردید - و ملک برید جهت محافظت خود بپسر سلطان محمود -

(۱۵) **سلطان احمد** را دو سال و یک ماه دست افراز سلطنت ساخت و
چون او نماند۔
(۱۶) **علاء الدین محمود** ولد او را باسم سلطنت نامزد ساخت۔ وپس ازچند
گاه بعزلش برداخته برادرش۔
(۱۷) **ولی اللہ** راخلعت حکومت پوشانید۔ وچون برید بن برید بر وسادۂ
کامرانی تکیه زد وی راسموم ساخته برادرش۔
(۱۸) **کلیم اللہ** رادست نشین خود گردانید۔ و بعد از فوت او بالکلیه نام سلطنت
ازآن دودمان محو گردید۔ وپس ازان امرا مدتی با یکدیگر مقام در مصادقت و
موافقت بودند تا آخر باغوای مفسدان میان اسمٰعیل عادل خان و ملک احمد
نظام الملک منازعت روی نمود۔ وروز بروز عداوت سمت تزاید و تضاعف
می یافت۔ تا باولاد و اعقاب سرایت کرد چنانچه متون کتب تواریخ دکن مشحون بآن است

قنوج

ہندوستان قدیم کا مشہور تاریخی شہر

ہندوستان کی تاریخ قدیم کے مشہور عالم ونسنٹ اسمتھ نے قنوج کی گذشتہ تاریخ پر ایک عالمانہ مضمون لکھا ہے جو رسالہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے سلسلہ جدید کی چالیسویں جلد میں شایع ہوا ہے۔ مولوی سید محمد ضامن کنتوری نے جو مشہور شاعر۔ متعدد کتابوں کے مصنف اور استبصار و لسان الملک کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اس مضمون کا ایک مفید و کارآمد اقتباس مرتب کیا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

قنوج کا ذکر نہ صرف ہندوستان کی دو بڑی تاریخی نظموں ہی میں آیا ہے بلکہ پاتن جلی کی مہا بہاشیا کے موجودہ نسخہ میں بھی اس کا ذکر ہے جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ سنہ ۱۵۰ ق۔م میں تصنیف ہوئی تھی اس پر سے قیاس ہو سکتا ہے کہ قنوج کی بنیاد حضرت عیسیٰ سے کم و بیش دو سو برس قبل پڑی ہو گی۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ بطلیموس کے جغرافیہ میں جو تقریباً سنہ ۱۴۰ء میں لکھا گیا ہے کاناگوزا اور کانوگیزا کا جو ذکر ہے وہ قنوج ہی کے متعلق ہے۔ لیکن مسٹر اسمتھ کو اس بیان کے قبول کرنے میں تامل ہے کہ ان کی رائے ہے کہ یہ شبہ کنیا کبجا کے التباس کی

وجہ سے پیدا ہوا ہے جو قنوج کا اصل سنسکرت نام ہے اور کانوگیزا گنگا پار کا ایک قصبہ ہے۔ جو طول بلد ۴۳ اور عرض بلد ۳۲ پر واقع ہے۔ اسی طرح بطلیموس کا کاناگوزا بھی ایک مشرقی قصبہ ہے۔ جو طول بلد ۱۲۵ اور عرض بلد ۳۰، ۴۰ پر واقع ہے۔ بہرکیف یہ ضرور ہے کہ بطلیموس کے زمانہ میں قنوج ایک مشہور شہر تھا۔

قنوج کے شہر کی طرح اس کا نام بھی بہت قدیم ہے۔ چینی سیاح فاہی این نے اس کو کانوای ہیوا ین تشیانگ نے کانوکوشے اور دوسرے چینی سیاحوں نے کانا کوپوشے لکھا ہے ہیوا ین تشیانگ یہ بھی لکھتا ہے کہ ایک زمانہ میں یہ شہر کسماپورہ یا پھولوں کا شہر کہلاتا تھا بعض قدیم کتبوں میں بجائے کنیا کبجہ کے گادھی پورہ یا گادھی نگر تحریر ہے۔ راجگاں خاندان پرہار کے کتبوں میں اکثر ماہودیا آیا ہے، اور اس کے بعد کے خاندان گہڑوار کے اسناد میں چار مقدس مقامات کے نام آئے یعنے کاشی، کسیلا، اتراکوسالا (اجودھیا) اور اندراستھان (اندرا پرست جو دہلی کے قریب تھا) ان میں سے کسیلا کو پروفیسر کیلہارن قنوج تصور کرتے ہیں۔

اکثر چینی مورخ یہ خیال کرتے ہیں کہ ملک گجرات کے چولوکیا خاندان کا پہلا راجہ بھوان دتیا راجہ کلیان (یا کلیان کٹکا) کا بیٹا تھا۔ جو ریاست قنوج کا راجدھانی (پایۂ تخت) تھا۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کلیان اور قنوج ایک ہی شہر سے مراد ہے۔ کیونکہ کلیان اور ماہودیا ہم معنے ہیں۔ مورخ یلینی کا شہر کالی پنکسا بھی قنوج ہی سمجھا جاتا ہے لیکن بلاکسی ثبوت کے۔

قنوج کے متعلق سب قدیم بیان جو اب تک مل سکا ہے، وہ فاہی این چینی کا

؎ قنوج کا وہ نام جو شاہی فرامین میں لکھا جاتا تھا جیسا کہ اوپر گذرا ہے ماہودیا کے معنے بے انتہا آباد و سرسبز کے ہیں۔

ہے جس نے ۳۹۹ء اور ۴۱۴ء میں ہندوستان کی بزمانہ چندر گپتا ثانی (وکرمادتیا)
سیاحت کی ہے اس کا بیان یا اعلان حسب ذیل ہے:-

"فاہیان نے ناگ مندر میں ختم موسم گرما تک قیام کیا۔ بعد ازاں اس نے
جنوب مشرق جانب سات یوجن کا سفر کیا، اور شہر کنیا کبجہ میں پہونچا جو دریائے گنگا پر
واقع ہے۔ اس میں دو خانقاہیں یا دھرم شالے ہیں جس کے رہنے والے ہنیایانا
فرقے کے ودیارتھی (طالب علم) ہیں۔ شہر سے ۶ یا ۷ (لے) کے فاصلے سے گنگا کے
شمالی کنارے پر جہاں مہاتما بدھ اپنے چیلوں کو تعلیم دیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مہاتما
کے مابہ البحث مضامین "زندگی کی تلخی" بے ثباتی اور ناپائیداری" پر ہوتے تھے اور انکی
تعلیم یہ تھی کہ انسان کا جسم خاکی حباب آب یا کف آب کے مانند ہے اس مقام پر
ایک ٹوپا تعمیر کیا گیا تھا جو اب تک موجود ہے۔"

اس اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ چندر گپتا ثانی کے عہد تک یعنے پانچویں صدی
کے اوایل میں قنوج کوئی بہت بڑا شہر نہ تھا کیونکہ وہاں صرف دو خانقاہیں یا پاٹھ شالے
اور ایک ہی ٹوپا ہونا بیان کیا گیا ہے، اور برہمنوں کی کسی عبادت گاہ کا تو کوئی ذکر ہی
نہیں ہے۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ شہر پاٹلی پترا کے زوال کے بعد خاندان
گپتا کے چوتھی اور پانچویں صدی کے راجگان چندر گپتا ثانی، کمار گپتا اول اور
سکندر گپتا کا پائے تخت ایودھیا رہا ہوگا۔

اس کے بعد قنوج کا ذکر بانا کے ہرش چرتر میں پایا جاتا ہے۔ جو ساتویں
صدی عیسوی کے اوایل میں گزرا ہے۔ ہرش (ہرش) کی چھوٹی بہن راجیسری کی
شادی اس کے باپ پربھاکر وردھن (یا پرتاپ سیل) راجہ تھانیسر کی زندگی میں
گرہا ورمن کے ساتھ ہوگئی تھی، جو اونتی ورمن کا بڑا بیٹا تھا۔ اونتی ورمن خاندان
مکھرا کا رکن تھا جو تمام راجاؤں میں سب سے بڑا خاندان سمجھا جاتا تھا من حیثیت

جبکہ پربھاکر وردھن کا انتقال ہوا گرہا ورمن پر راجۂ مالوہ نے چڑھائی کی ورمن برسر معرکہ مارا گیا' اور راجیسری کو فاتح راجہ نے قنوج میں قید کر دیا۔ راج وردھن ہرش کے بڑے بھائی نے جو اپنے باپ کی جگہ تھا نیسر میں گدی نشین ہو چکا تھا راجۂ مالوہ پر فوج کشی کر کے اس کو شکست دی اور اس ہلچل میں راجیسری قید سے نکل بھاگی اور جنگلوں میں غائب ہو گئی۔ مگر اس فتح کے بعد ہی راج وردھن کو راجہ بنگالہ ساسانکا نے دغا سے قتل کروا دیا اس کے قتل کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ہرش اس کا جانشین ہوا۔ اس نے اسلئے ساسانکا کو شکست دے کے مشرقی ممالک میں بھگا دیا' اپنی بہن (راجیسری) کو ڈھونڈھ نکالا اور ریاست قنوج پر قبضہ کر لیا۔ اس بیان سے مالوہ اور قنوج کا تعلق توصاف طور پر ظاہر نہیں ہوتا۔ مگر بعض محققین راجیسری کے قنوج میں قید کئے جانے اور ملیںہ واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قنوج اس وقت ریاست مالوہ کا پائے تخت تھا اور راجہ بنگالہ مالوہ کا حلیف یا باجگزار۔ جب تو وہ اس موقع پر موجود تھا اور اس نے راج وردھن کو دغا سے قتل کرا دیا۔

قنوج مالوہ کا پائے تخت ہو یا نہ ہو اور راجگان موکھاڑی کی حدود سلطنت کا علم تحقیق ہو یا غیر متحقق' ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ ہرش کی گدی نشین کے بعد سے قنوج نے کیا عروج حاصل کیا۔ چھ برس یعنے ۶۰۶ء سے ۶۱۲ء تک تو ہرش کو شمالی ہند میں ستلج سے دریائے نربدا اور مشرقی بنگال تک کے راجاؤں کو زیر کرنے اور اپنا اقتدار وسیع کرنے میں گزرے۔ لیکن اس کا اقتدار ستلج سے آگے نہیں بڑھا اس لئے کہ ۶۱۹ء میں ساسانکا کی مہاراجگی کا پتہ گنجام کی ایک سند سے چلتا ہے جس میں مہاراجہ ساسنتا مادھوراج کو مہاراجہ ادھیراج ساسانکا راجہ کا باجگزار بتایا گیا ہے' اس کے علاوہ ۶۴۳ء میں ہرش کا مشرقی بنگال کے ساحل پر فوج کشی کرنا بھی اسی کو ثابت کرتا ہے۔

۶۱۲؁ء کے بعد سے جب سے کہ ہرش کی سیادت تمام شمالی ہند پر مسلم ہوگئی، اس نے قنوج کو شاہنشاہی حکومت کا پایۂ تخت قرار دیا اور اسی وقت وہ ہندوستان کا سب سے بڑا شہر اور قدیم شہر پاٹلی پترا کا قایم مقام سمجھا جانے لگا اور جب ہی اس کے عظمت و اقتدار اور رونق و بہار میں روز افزوں ترقی ہونے لگی یہ رفتار عروج چھتیس سال (۶۱۲؁ء-۶۴۸؁ء) تک مسلسل جاری رہی۔ چنانچہ چینی سیاح ہیون تسیانگ جب دوبارہ ہندوستان آیا ہے (۶۴۳؁ء) تو اس زمانہ قنوج کے متعلق وہ اس طرح رقمطراز ہے:۔ [1]

"راجدہانی (قنوج) جو گنگا کو اپنے مغرب جانب رکھتا ہے، کہتے ہیں کہ طول میں ۲۰ لے اور عرض میں ۵ لے سے زیادہ تھا۔ وہ نہایت مستحکم حصار سے محصور تھا، اور اس میں ہر جگہ عالی شان عمارتیں خوشنما اور سرسبز باغ، باغوں میں شیریں اور مصفا پانی کے حوض اور دنیا کے ہر گوشے کے نوادرات جمع کئے گئے تھے۔ رعایا سب شاد و آباد تھی اور بڑے بڑے دولتمند گھرانے بستے تھے پھولوں اور میوہ جات کی فراوانی تھی۔ اور کاشت و درو کی بہتات، باشندے خوش منظر اور خوش پوشاک تھے۔ نظر فریب ریشمی لباس زیب تن کئے رہتے تھے علم و ہنر سے آراستہ، اور گفتگو میں متین و شایستہ! آبادی کے اعتبار سے پابند مذہب اور لا مذہب تقریباً مساوی تھے۔ سو خانقاہیں بدھ مذہب کی تھیں جن میں دس ہزار سے زیادہ بھائی اقامت رکھتے تھے، جو دونوں متوں (ہنیایانا اور مہایانا) کی تعلیم پاتے تھے۔ اور دو سو دیوستان یا مندر تھے اور غیر بدھیوں (یعنے ہندو یا برہمنی مذہب کے لوگوں) کی تعداد کئی ہزار

---

[1] ترجمہ واٹرز

کی تھی

ہرش کی وفات کے بعد (۶۴۸ء) اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور اس کا دیوان گدی پر قابض ہو گیا۔ مگر سفیر چین کے مطالبہ پر نیپال اور تبت کی مشترکہ فوجوں نے قنوج پہونچکر اس کو مغلوب کر لیا، اور غاصب دیوان کو گرفتار کرکے چین کو جلا وطن کر دیا گیا۔ اس کے بعد قنوج کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑ جاتا ہے اور اسّی برس کے حالات قعر گمنامی میں دفن ہو جاتے ہیں[۱]۔ چنانچہ چینی سیاح اتشانگ نے جس نے ۶۷۳ء سے ۶۸۵ء تک ہندوستان کی سیاحت کی ہے یہاں کے کوئی حالات نہیں لکھے۔ حالانکہ وہ اپنے دوران سیاحت میں قنوج بھی گیا تھا

ہرش (یا ہرشن) کی وفات کے بعد سب سے پہلے جس راجہ کا ذکر آتا ہے وہ یاسو ورمن ہے، جس کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے ۷۳۱ء میں چین کو اپنا سفیر روانہ کیا تھا۔ یہ امر بالکل قرین قیاس ہے کہ اس ہندی راجہ نے جو سفارت دربار چین میں بھیجی ہوگی وہ عین اپنی گدی نشینی کے بعد ہی بھیجی ہوگی اس لئے ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ یاسو ورمن ۷۲۵ء اور ۷۳۱ء کے درمیان کسی سال گدی نشین ہوا ہے مثلاً ۷۲۸ء میں۔ اس عہد میں دولت چین ہیوان تسانگ جیسے صاحب تدبیر و صاحب عظمت شاہنشاہ کے زیر فرمان و زیر نظر اس امر کی کامیابی کے لئے کوشاں تھی کہ ہندوستان کی شمالی و شمال مغربی سرحدات پر اپنا اقتدار قایم کرلے تاکہ اسلام کے فوجوں کا فتحمند سیلاب اس کی حدود سلطنت میں داخل نہ ہو سکے۔ نیز اہل تبت کی

---

[۱] سر ہنری الیٹ کی تاریخ میں چچ نامہ کے حوالہ سے جس قنوج کا ذکر محمد بن قاسم کے عہد حکومت کے سلسلہ میں آیا ہے۔ وہ یہ کسرق ہے جو آٹھویں صدی میں ملتان کی ایک ماتحت ریاست تھی۔

سرکوبی بھی منظور تھی جو کبھی کبھی عربوں کے ساتھ مل کر سرتابیاں کرتے رہتے تھے۔
چندر پیڑا راجۂ کشمیر کو شاہنشاہ چین کی طرف سے ۷۲۰ء میں شاہی کا فرمان عطا ہوا اور تیرہ ۱۳ برس بعد اس کے بھائی مکتا پیڑا للیتا دتیا کو اسی اعزاز سے سرفراز کیا گیا اسی زمانہ میں شاہنشاہ کی جانب سے اُدیانا (سوات)، چترال، کھتل (ختل) جو بدخشان کے مغرب جانب ایک ریاست تھی)، یسین، غزنی اور کپیسا (کافرستان) کے حکمرانوں کو شاہی کے خطابات سرفراز ہوئے۔ ان حالات کے مدنظر راجۂ قنوج نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ چین اور سرحدی طاقتوں سے تعلقات پیدا کرے۔ اور یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس نے اس وقت کی سب سے بڑی ایشیائی شاہنشاہی کا سایہ عاطفت حاصل کرنا چاہا ہو۔ جس طرح ہرش نے جو یاسو ورمن سے بدرجہا قوی اور صاحب اقتدار تھا یہی حکمت عملی اختیار کی تھی کہ چین کی سیادت کو تسلیم کر لیا تھا۔ جس کے زیر اثر نیپال اور تبت کی فوجی قوت تھی۔
للت جیت (للیتا دتیا مکتا پیڑا) راجۂ کشمیر جو تقریباً ۷۲۴ء میں گدی نشین ہوا تسخیر ممالک کا بڑا شائق تھا اور بہ قول اس کے درباری مورخ کے وہ فتوحات کے شوق میں آفتاب کی طرح زمین کے گرد گھوما کرتا تھا۔ کشمیر کے ماسوا ولایت ٹکسیلا ؟ سیو تھ پورہ یا سلسلہ کوہستان نمک (شاید کوہ سلیمان مراد ہو) اُراسا یا ہزارہ پنجاج کا پہاڑی سلسلہ اور راجپورہ یا راجوڑی کے صوبہ جات بھی اسی کے زیر حکومت تھے اپنی حکومت کے ابتدائی عہد میں جب تک کہ وہ یاسو ورمن راجۂ قنوج سے برسر صلح تھا، اہل تبت کے "پانچوں راستے" روکے رہا۔ اپنی ان برگزیدہ خدمات کے بھروسہ پر اس نے دربار چین میں اپنا سفیر روانہ کیا، اور شاہنشاہ سے شاہی کے خطاب اور اعزاز سے سرفراز کئے جانے کی استدعا کی۔ شاہنشاہ نے اس کی استدعا کو شرف قبولیت بخشا، اس کو حسب مراد خطابات اور اعزاز سے مفتخر کیا، اور سفیر کشمیر کیساتھ بڑے

خلق و مدارا سے پیش آیا (سنہ ۷۳۳ء)۔

کچھ دنوں بعد غالباً سنہ ۷۴۰ء۔ سنہ ۷۴۵ء میں للت جیت نے ریاست قنوج یا گادی پورہ پر فوج کشی کی۔ کشمیر کے مورخوں کے قول کے مطابق ایک طولانی جنگ یا سوورمن کی اقرار اطاعت پذیری پر ختم ہوئی اور متخاصمین کے درمیان معاہدہ صلح طے پایا۔ لیکن اس معاہدہ کا عنوان اس طرح شروع ہوتا تھا کہ:- "عہدنامہ فیما بین یا سوورمن و للت جیت" راجہ قنوج کا نام عہدنامہ میں مقدم دیکھ کر للت جیت کے وزیر خارجہ کو سخت اشتعال پیدا ہوا اور اس نے تمام سپہ سالاروں کی رائے خلاف راجہ کو تجدید جنگ پر آمادہ کیا۔ اس مرتبہ کی جنگ میں بدقسمت یا سوورمن نے شکست فاش اٹھائی اور عجب نہیں کہ قتل کر دیا گیا۔ فاتح راجہ جس کی مدت حکومت ۳۴ سال ۷ ماہ ۱۱ یوم بتائی جاتی ہے[1] اس فتح کے بعد کم و بیش پندرہ برس زندہ رہا۔

بہ ظاہر ابتدائے عہد میں یعنے سنہ ۷۳۰ء-۴۰ء کے درمیان، یا سوورمن خود بھی دور دراز ممالک پر فوج کشی اور فتوحات کا شایق تھا۔ اس کے مہمات کے کارنامے زیادہ تر پراکرت زبان کی نظم گوڑا واہو میں غیر واضح طور پر محفوظ ہیں جس کے مصنف کا نام وکپتی راجہ ہے۔ گوڑا واہو کا ترجمہ "راجہ گوڑا[2] کا قتل" ہوسکتا ہے اور

---

[1] مسٹر اسٹین لکھتے ہیں کہ للت جیت کی جو حالات کلہان نے تحریر کئے ہیں وہ واقعات۔ اور افسانوں کا ایک عجیب و غریب مجموعہ ہے۔ اگر ہم کو کوئی ایسی تاریخ ملتی، جو قنوج میں لکھی گئی ہوتی، تو یقیناً اس میں اور کلہان کے بیان میں بیّن اختلاف پایا جاتا۔

[2] گوڑا کے راجہ کا نام مسٹر اسمتھ نے آگے چل کر بقول شنکر پانڈورنگ پنڈت دھرما یا دھرم پال لکھا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر وکپتی پہلے اس راجہ کا درباری تھا مگر اس کے قتل کے بعد یاسووردھن کی سلک ملازمت میں داخل ہو گیا۔ مذکورۂ بالا نظم کا جس قدر حصہ فی زمانہ محفوظ ہے، وہ کسی بڑی کتاب کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے، جس میں مہم بنگالہ کے تفصیلی حالات لکھے گئے ہوں گے، اس لئے کہ راجہ گوڑا سے مقابلہ اور اس کے مارے جانے کے حالات، جو کتاب کا اصل مضمون ہے، بالکل ہی ناکمل اور غیر واضح ہیں۔ مگر چونکہ یہ ایک ہمعصر شاعر کے قلم کی لکھی ہوئی نظم ہے، اس لئے پھر بھی ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہے اور جو کچھ واقعات اس میں درج ہیں، وہ اس امر کے یقین کرنے کے لئے کافی ہیں کہ راجہ قنوج نے ملک بنگالہ کو عارضی طور پر فتح کر لیا تھا۔ اس کتاب سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ یاسووردھن موسم باراں کے ختم ہو جانے پر راہی بنگالہ ہوا، جنوب مشرق جانب سفر کرتا وادی سون میں پہونچا۔ بر سبیل راہ وندھیا واسنی (کالی دیوی) کے مندر کی زیارت کو گیا۔ جو ضلع مرزاپور کے جنوبی حصہ میں واقع ہے یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی تک انسانی قربانیاں ہر خوفناک طریقہ سے روزانہ اس دیوی کو چڑھائی جاتی تھیں بہرحال اس مندر کا سیدھا راستہ پریاگ (الہ آباد) ہو کر تھا۔ اور یاسووردھن اس راستے سے گیا ہوگا۔ اس کی آمد نے گوڑا (بنگال) اور مگادھا (بہار) کے راجاؤں کو خوف زدہ کر دیا، اور وہ بھاگ گئے یاسووردھن میدان جیتا، مگر نہیں معلوم ہوتا کہ کس مقام پر۔ اتنے میں برسات شروع اور جنگی پیش قدمی ملتوی ہو گئی۔ جب پھر موسم لڑائی کے قابل ہوا، تو بنگالے کے راجہ کو اس کے امراء اور عہدہ داروں نے غیرت دلا کر مقابلے پر آمادہ کیا۔ جنگ ہوئی جس کا نتیجہ راجہ بنگالہ اور راجہ بہار کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کے بعد یاسووردھن نے آگے کو پیش قدمی کی، اور سرزمین وانگا یا مشرقی بنگال کو بھی فتح کر لیا۔

شاعر لکھتا ہے کہ اس کے بعد اس نے جنوب کا رخ کیا، اور ایک اور راجہ پر فتح حاصل کی، لیکن نہ تو اس راجہ ہی کا نام دیا ہے اور نہ اس کے ملک محروسہ کا۔ مگر وہ لکھتا ہے کہ اس کے بعد یاسوورمن قوم پارسیکا کو شکست دیتا ہوا جو مغربی ممالک کی ایک اجنبی قوم سمجھی جاتی تھی، نرمدا (نربدا) اور مغربی گھاٹ پر پہونچا۔ کچھ دنوں نرمدا (نربدا) کے کنارے قیام کرکے شمال جانب حرکت کی، اور راجپوتانہ سے (مارواڑ میں) گزرتا ہوا تھانیسر (سری کانتھا) پہونچا۔ اور پھر وہ یہاں سے اس مقام پر گیا جہاں ہریشچند کا شہر اجودھیا[1] آباد تھا جو نابود ہو گیا اور زمین سے آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ اس کے بعد پھر وہ مندرا اور کوہ ہمالیہ کی سیر کرتا ہوا قنوج واپس ہوا۔

مسٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ کوئی وجہ نہیں کہ اس معاصرانہ شہادت کو تسلیم نہ کیا جائے ایک طاقتور بادشاہ جو قنوج جیسے وسطی مقام پر اس زور کی حکمرانی کر رہا ہو اس کیلئے کوئی عجب کی بات نہیں ہے کہ اس نے اپنے فتوحات کو مشرق میں بنگالہ تک جنوب میں نربدا تک، اور شمال میں کوہستان ہمالیہ کے دامن تک وسیع کیا ہو۔ یہ بھی بالکل قرین قیاس ہے کہ انھیں فتوحات اور کامیابیوں کو دیکھ کر للت جیت راجۂ کشمیر کو اس پر حسد پیدا ہوا، اور اس نے ہندوستان کی سیادت کے لئے یاسوورمن پر چڑھائی کر دی ہو، اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے ایک طولانی جنگ کے بعد یاسوورمن کو شکست و تباہی کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی ہو۔

---

[1] جس اجودھیا کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ رام جی کا مشہور اجودھیا نہیں ہو سکتا جو جنوبی اودھ دریائے گھاگرا کے کنارے پر واقع ہے۔ ہریشچندر کا یہ آسمانی شہر شمال میں کسی مقام پر ہوگا۔ ڈاسن صاحب نے بھی اپنی کلاسیکل ڈکشنری میں ہریشچندر کی کہانی لکھی ہے لیکن اجودھیا کا ذکر نہیں کیا ہے۔

راجہ یاسو ورمن ادبی تجلیات کا روشن زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ وہ وکپتی راج
اور بھوابھوتی جیسے بے نظیر شعرا کا مربی و سرپرست تھا۔ خود وکپتی کے بیان سے
اس کی شہادت ملتی ہے اور دوسرے جینی کتب بھی اس کے دور کو علمی دور ظاہر
کرتے ہیں۔ بھوابھوتی مشہور کتاب مالتی مادھوا کا مصنف ہے اور رام جی کے
حالات کا ناٹک بھی اسی نے سنسکرت زبان میں تصنیف کیا ہے۔ یہ وکپتی راج سے
مقدم ہے۔ چنانچہ وکپتی کو اس پر فخر و ناز ہے کہ اس کی پراکرت کی شاعری "
وہ آب حیات جو اس نے بھوبھوانی کے سمندر سے حاصل کیا ہے" یہ سنسکرت کا
ڈراما نویس برار (ودربھا) کا رہنے والا تھا، اور کچھ دنوں اجین میں بھی مقیم
رہا تھا اور وہاں سے دربار قنوج میں آیا۔ وکپتی جو پراکرت کا شاعر تھا، وہ
پہلے راجہ بنگالہ کی ملازمت میں تھا۔ اور پھر اس کے انتزاع سلطنت کے بعد
فاتح بادشاہ یاسو ورمن کی خرمن فیض کا خوشہ چیں۔ جس کی تباہی اور زوال
سلطنت کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گیا یہاں تک کہ ترک غذا کر کے اپنی جان دیدی
کہتے ہیں کہ اس کی بہترین نظم جس پر خود اس کو بھی ناز تھا، مادھومتھا وجایا تھی
جسکا اب کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اس کی تصانیف سے صرف گوڑاواہو باقی ہے
جس میں ۱۲۰۹ بیتیں ہیں، اور وہ بھی ایسی کہ جو کسی بہت بڑی تصنیف کا دیباچہ
سمجھی جاسکتی ہیں اس کتاب کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ یاسو ورمن کی
وفات کے بعد تصنیف ہوئی ہے وکپتی راج کے ابتدائی حالات جو کچھ بھی ہوں
مگر اس کی اپنی شہادت سے یہ امر ضرور واضح ہے کہ وہ سنسکرت کے علم ادب
اور منطق پر خاصی قدرت رکھتا تھا اور مختلف مقامی زبانوں سے بھی ماہر تھا۔
وہ کملا یودھا کا شاگرد اور بھوابھوتی و کالیداس کا متبع تھا۔ قنوج کے دربار میں
اس کی بڑی عزت تھی اور وہ راجہ یاسو ورمن کا خاص مصاحب اور ملک الشعرا

(کوی راج) تھا۔

للت جیت کے قنوج کو فتح کرنے کے بعد وہاں کی علمی اور ادبی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ للت جیت کوئی علمی مذاق کا آدمی شعرا علما کا سرپرست راجہ نہ تھا۔ اس کی حکومت بھی قنوج پر برائے نام تھی۔ اور جو کچھ خراج چھوٹے چھوٹے مقامی راجہ اس کو دیتے تھے۔ وہ بھی اس کے ظالمانہ حملوں سے اپنی جان بچانے کیلئے

یاسوورمن کے سلسلہ نسب کا کچھ حال نہیں ملتا۔ وکپتی اس کو چندر بنسی راجاؤں کی سلک کا ایک روشن اور بیش بہا گوہر لکھتا ہے اس بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ چھتری بنس سے تھا۔ ویش قوم سے نہ تھا جیسا کہ ہرش وردھنا تھا۔ نیز اس کے نام کا لاحقہ لفظ ورمن ہے جیسے گرہا ورمن اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ وہ موکھاری راجاؤں کے نسل سے تھا۔ جو چینی سیاح ہیون تسانگ کی بیان کے موافق راجہ اشوک کی اولاد تھے۔

جس طرح یاسوورمن کے اجداد کا حال نہیں معلوم ہو سکا۔ اسی طرح اسکی اولاد کا پتہ لگانا دشوار ہے بہت ممکن ہے کہ للت جیت کی خوں آشام تلوار نے اس کی نسل کا خاتمہ کر دیا ہو۔ بہرحال یاسوورمن کے بعد قنوج کے جس راجہ کے نام تاریخ میں آتا ہے وہ وجرایودھا ہے اور اس کا بھی قنوج پنچالہ کا راجہ ہونا راج شیکر شاعر کے تصانیف میں تلمیحاً مذکور ہے۔ راج شیکر ڈراما نویس اور قنوج کے دربار پر ہار کا شاعر تھا۔ لیکن یہ امر قرین تصدیق ہے کہ ۷۸۳ء میں قنوج کے گدی پر راجہ اندر یودھا نے جلوس کیا تھا، جس کو ۸۰۰ء میں دھرم پال راجہ گوڑ (بنگال) نے معزول کر دیا۔ اور بجائے اس کے چکر یودھا کو گدی نشین کیا، جو اس وقت تک حکمراں رہا جب تک کہ راج بھٹ پرہار نے ۸۱۰ء میں اس کو تخت سے نہیں اتارا۔ ناموں کی ترکیب سے قیاس ہوتا ہے کہ وجریودھ اندر یودھا اور چکر یودھا

ایک ہی خاندان سے تھے اور سلسلہ گدی نشینی بھی اس کا متقضی کہ وجریودھا کا زمانہ یا سوورمن اور اندریودھا کے ادوار حکومت کو مسلسل کرتا ہو ایک اور روایت ہے کہ مطابق بھی وجریودھا ہی یا سوورمن کے بعد کا حکمراں راجہ ہو سکتا ہے۔ یعنے کہ للت جیت کا جانشین جیا پیڑا ونایا جیاپیڑا جس کی حکومت کا زمانہ ۳۱ سال (۷۷۲ء سے ۸۰۳ء تک) بتایا جاتا ہے کنیا کبجہ (قنوج) پر حملہ آور ہوا اور وہاں کے راجہ کو شکست دے کر تخت سلطنت اٹھالے گیا۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو یہ واقعات ۸۰۰ء کے قریب قریب کے ہو سکتے ہیں اور یہ شکست نصیب راجہ جس کے تفصیلی حالات پردہ گمنامی میں پوشیدہ ہیں وجریودھا ہی ہو سکتا ہے۔

بہرحال وجرایودھا کا جانشین اندر راجا (یا اندریودھا) ۷۸۳ء میں قنوج پر حکمراں تھا۔ نویں صدی کے شروع شروع میں دھرمپال، راجۂ بنگالہ، اس کے ملک پر حملہ آور ہوا، اور بعد حصول فتح اندر کی جگہ پر چکریودھا کو قنوج کے تخت پر بٹھایا[1]۔ یہ جشن تخت نشینی بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ اس جشن میں مالک برار، وسطی پنجاب، مشرقی راجپوتانہ، متھرا، شمالی مغربی سرحدات، اجین اور وادی کانگڑا کے راجے مہاراجے شریک تھے یہ اجتماع اس امر کو ظاہر کررہا ہے کہ اسوقت قنوج کو کہاں کہاں تک سیادت حاصل تھی۔ کیونکہ ان راجاؤں کی شرکت ایسے دربار میں دھرمپال کے دباؤ سے نہیں کہی جاسکتی بلکہ نامبردہ راج قنوج کے زیر اثر ہونے سے وہاں کے رجواڑوں نے اس جشن تخت نشینی میں شرکت کی ہوگی۔ اس لئے کہ ہرش اسی کے عہد سے پنچالہ دیس کو گمدھا دیس کی طرح شمالی ہند میں مرکزیت

---

[1] واقعات کے لحاظ سے یہ بھی قیاس ہو سکتا ہے کہ چکریودھا نے دھرمپال کو دعوت دے کر اندر کے مقابلہ کے لئے اپنی مدد کو بلایا ہو۔

حکومت یا شاہنشاہی کا درجہ حاصل تھا اور قنوج پاٹلی پترا کا قایم مقام شہر تھا۔
چکر یودھا پورے دس برس بھی حکومت نہ کرنے پایا تھا کہ راجپوتانہ کا گوجر راجہ ناگ بھٹا اس پر چڑھ دوڑا۔ اس کو تخت سے اتار دیا اور غالباً قتل بھی کر دیا مگر اس نے دھرم پال کی طرح یہ نہیں کیا کہ کسی اور کو گدی نشین کر جاتا بلکہ اس نے پنچالہ دیس کو اپنے راج میں شامل کر لیا، اپنی حکومت کا مرکز قنوج کو قرار دیا اور اس طرح تمام شمالی ہند کا شاہنشاہ بن بیٹھا (سنہ ۸۱۶ء)۔
ناگ بھٹا گوجر قوم کے پریہار خاندان سے تھا۔ یہ قوم تقریباً دو صدی قبل شمالی ممالک سے آئی تھی مگر اس نے بہت جلد ہندوؤں کے مراسم و عادات اختیار کر لئے تھے اور انہی میں شامل ہو گئی تھی۔ خاندان پریہار جن کا شمار چھتری راجاؤں میں ہوتا تھا اور جن کی نسل اب تک شمالی ہند میں پائی جاتی ہے، دو سو سال سے کچھ اوپر قنوج حکمران رہا یعنے سلطان محمود غزنوی کے حملوں تک (سنہ ۱۰۱۸ء مطابق سنہ ۴۰۹ھ)۔ اسوقت کا حکمران راجہ قنوج سے بھاگ گیا، اور باڑی میں اپنے دارالحکومت کو منتقل کر لیا جو گنگا کے دوسرے کنارے پر واقع تھا۔
خاندان پریہار کی دو صد سالہ حکومت کے دوران میں قنوج نہایت سرسبز و آباد رہا اگرچہ کبھی کبھی ناگوار حادثات بھی پیش آتے رہے۔ تقریباً ستر برس تک (سنہ ۸۴۰ء تا سنہ ۹۰۰ء) پریہار خاندان کے راجے مہیرا بھوج اور مہندرا پال دارالسلطنتہ میں بیٹھے ایک وسیع سلطنت پر جس کے حدود بہار سے بحیرۂ عرب اور دریائے ستلج تک پھیلے ہوئے تھے، زور شور کی حکومت کرتے رہے۔ سنہ ۹۱۶ء میں اندر ثالث نے قنوج پر حملہ کیا، مگر فتح کے مستقل ثمرات حاصل کرنے کی طرف مائل نہ ہوا۔ یہ واقعہ راجہ مہیپال کے عہد میں واقع ہوا اور اسی وقت سے

سلطنت قنوج کے زوال کی ابتدا شروع ہوئی اور غالباً مغربی صوبے اسی زمانہ میں اس کے حدود سے خارج ہو گئے۔ لیکن ضعف کے باوجود بھی حالت یہ تھی کہ راج سیکھر نے جو دربار قنوج کا شاعر تھا۔ مہیپال کو آریہ ورت کا شاہنشاہ لکھتے ہوئے پیش نہیں کیا ہے۔ راج سیکھر کے آخری ناٹک بال بھارت کا تماشا مہیپال کے دربار اور غالباً قنوج ہی میں کیا گیا کیونکہ اسی کے بعد کا اہم واقعہ محمود غزنوی کا حملہ ہے (سنہ ۱۰۱۹ء) جبکہ راجہ اجیپال وہاں کا حکمراں تھا، جس نے بغیر مقاومت کے محمود کی اطاعت قبول کر لی اور پایۂ تخت کو قنوج سے باڑی میں منتقل کر دیا۔ اسی حملہ کے بعد سے شہر کی ویرانی شروع ہوئی۔ سنہ ۲۰ء میں یعنے ایک سال بعد محمود کا دوسرا حملہ باڑی پر ہوا۔ اور یہ نیا پایۂ تخت بھی تاخت و تاراج کر دیا گیا مگر اس دوسرے حملہ سے پہلے ہی ہندو راجاؤں کی سازش سے راجہ اجیپال قتل کیا جا چکا تھا، جس سے قیاس یہ ہوتا ہے کہ شرائط و معاہدہ کی تعمیل پوری نہ ہوئی ہوگی جس کی وجہ سے محمود کو دوبارہ فوج کشی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ان واقعات کے بعد سے سنہ ۱۰۹۰ء تک قنوج کے حالات کا کچھ پتہ اس وقت تک نہیں چلتا ہے گھڑواڑ کے راجہ سمی چندر دیو نے اس پر حملہ کر کے شہر کو فتح کر لیا، اور ایک نئے حکمراں خاندان کی بنیاد ڈالی اور اس خاندان نے راجہ گوبند چندر کے عہد میں (سنہ ۱۱۴ء سنہ ۱۱۵۴ء) بہت کچھ عروج و ترقی حاصل کی۔ اگرچہ اس عہد کے قنوج کی آبادی و سرسبزی کے کچھ حالات محفوظ نہیں ہیں لیکن قرین قیاس ہے کہ ایک زبردست حکومت کے تحت اس نے اپنی گزشتہ عظمت و شوکت کو ضرور حاصل کر لیا ہوگا۔

اس مشہور شہر کی کامل بربادی کا زمانہ وہ ہے جب کہ سنہ ۱۱۹۳ء میں اس پر شہاب الدین کا حملہ ہوا۔ اگرچہ اس حملہ میں قنوج کا شہر تو بہت تباہ و برباد ہو گیا،

مگر قنوج کا کوئی نہ کوئی راجہ ضرور رہا، چنانچہ سنہ ۱۰۱۹ء میں جو شخص قنوج کا راجہ تھا اس کا نام راجہ گوپال اور اس کے پیشرو کا نام راجہ ندن تھا، اور ان کی حکومت کے حدود تقریباً دو سو میل سے زیادہ تک جنوب مشرق میں اور سو میل سے زیادہ تک شمال مشرق میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ البتہ قرین قیاس ہے کہ وہ شاہان دہلی کو خراج ادا کرتے ہوں۔

موجودہ قنوج ہر چند کہ اسی مقام پر واقع ہے جہاں کہ وہ دو ہزار برس کے پہلے کسی نامعلوم زمانہ میں آباد ہوا تھا، لیکن اب اس کی حالت ایک معمولی قصبہ کی ہے جس کی آبادی زیادہ اسلامی وضع کی ہے اور جس کا شمار ضلع فرخ آباد کے مضافات میں ہوتا ہے۔

تبصرے

انتشارات انجمن زردشتیان ایران۔

زردشتیان ہندوستان نے قومی فلاح وبہبود کیلئے جو مجالس قایم کی ہیں ان میں دو انجمنیں زیادہ مشہور ہیں۔ ایک ایران لیگ، دوسری انجمن زردشتیان ایران۔ پہلی سیاسی اور دوسری علمی مجلس ہے۔ اس آخرالذکر مجلس کے قیام کی غرض وغایت یہ ہے کہ زردشتی اور قدیم ایرانی لٹریچر کے احیا و ترویج کو تقویت دی جائے اور ان مباحث پر مفید و کارآمد کتابیں شایع کی جائیں۔ مجلس کے ناشرات کا آغاز ۱۹۲۵ء سے ہوا اور اس وقت تک چھ کتابیں نہایت اہتمام سے نفیس کاغذ اور عمدہ ٹائپ میں چھپوا کر شایع کی ہیں۔

(۱) **ایران شاہ**۔ تصنیف پورداود۔ طبع ۱۹۲۵ء صفحات ۴۰ قیمت ۵ قران۔
(۲) **خرم شاہ**۔ تصنیف پورداود۔ طبع ۱۹۲۶ء صفحات ۱۱۴ قیمت ۵ قران۔
(۳) **پیک مزدیسنان**۔ تصنیف دین شاہ جی جی بھائی طبع ۱۹۲۶ء قیمت ۳ قران۔
(۴) **گاتھا**۔ مترجمہ پورداود۔ طبع ۱۹۲۷ء صفحات ۱۵۳ قیمت ۲۰ قران۔
(۵) **پوران دخت نامہ**۔ مجموعہ منظومات پورداود۔ طبع ۱۹۲۸ء صفحات ۲۱۳ قیمت ۱۵ قران
(۶) **مقالات قزوینی**۔ تصنیف علامہ محمد قزوینی طبع ۱۹۲۸ء صفحات ۱۵۸ قیمت ۲۰ قران

پہلی کتاب زردشتیان ہندوستان کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے۔ ایران پر جب مسلمانوں کا تسلط ہوگیا تو زردشتیوں نے ترک وطن کرکے ہندوستان کی جانب مہاجرت کی اور گجرات میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ ان واقعات کو اختصار کے ساتھ اس کتاب

میں تحریر کیا ہے۔ آخر میں ہندوستانی زردشتیوں کے مشاہیر اور اون رفاہ عام کی عمارات کے (۵۷) ستاون تصاویر ہیں، جن کو زردشتیوں نے لکھوکھا روپیہ صرف کر کے ہندوستان و ایران میں تعمیر کرایا۔

دوسری کتاب میں، پورداود کے بارہ لکچر جمع ہیں۔ انمیں ایران کی قدیم تاریخ و لغت اور آئین و قوانین پر عالمانہ مباحث مذکور ہیں۔ بالخصوص دو لکچر جو ایران قدیم و ایران جدید سے تعلق رکھتے ہیں نہایت دلچسپ اور تاریخی معلومات سے مملو ہیں۔ ایک لکچر اودواڑہ کے متعلق ہے اس جگہ زردشتیان ہندوستان کا قدیم ترین آتشکدہ واقع ہے اور قومی روایات کے مطابق اسمیں تقریباً بارہ سو سال سے آذر مقدس روشن ہے۔

تیسری کتاب میں زردشتی مذہب کے اصول و عقاید اور وخشور زردشت کی اخلاقی تعلیمات مذکور ہیں۔

چوتھی کتاب گاتھا ہے۔ اسکی ابتدا میں مترجم نے ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے جسمیں وخشور زردشت کے حالات اور اون کے آئین و عقاید کی تشریح اور گاتھا کے مشکل الفاظ کی تفسیر مرقوم ہے۔ اسکے بعد گاتھا کا اصل متن ترجمہ کے ساتھ درج ہے۔ آخر میں مقدمہ کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہے جو دین شاہ جی جی بھائی کا کیا ہوا ہے۔

پانچویں کتاب میں پورداود کی منظومات جمع ہیں۔ دین شاہ نے شعر اشعران کا ترجمہ بھی کیا ہے جو آخر میں شامل ہے۔

چھٹی کتاب میں علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے وہ مقالات جمع ہیں جو ایران اور یورپ کے فارسی رسایل میں باوقات مختلف شایع ہوتے رہے۔ یہ سب کے سب قیمتی معلومات سے مملو ہیں۔ بالخصوص تین مقالے جو فارسی زبان کی قدیم ترین نظم و نثر اور آذری زبان پر لکھے گئے ہیں۔ نہایت دلچسپ اور جدید انکشافات سے لبریز ہیں۔

ترجمہ گاتھا کی اشاعت سے فارسی داں طبقہ پر غیر معمولی احسان ہوا ہے۔ یہ لوگ صدیوں سے اس کا نام سن رہے تھے۔ لیکن اس کے مطالب و مضامین سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ اون کے یہاں نہیں تھا۔ اس ترجمہ نے یہ مشکل

آسان کر دی۔

گاتھا اوستا کا ایک حصہ ہے۔ اوستا خدا ہائے ایران کی مقدس کتاب ہے۔ شاہان اخمینیہ کے زمانہ میں اوسکی تدوین ہوئی تھی اسوقت ایک ضخیم کتاب تھی اس کے اکیس نسک یا حصے تھے۔ اور اون میں تین سو اڑتالیس فصلیں تھیں سکندر اعظم کی تاخت وتاز میں یہ کتاب تلف ہوگئی۔ پھر ساسانیوں کے عہد میں موبدوں نے اس کے متفرق اجزا فراہم کئے اور انھیں ایک جگہ مرتب کرکے پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ اول یسنا۔ دوم ویسپرد۔ سوم وندیداد۔ چہارم یشت۔ پنجم خوردہ اوستا۔ یسنا اوستا کا اہم ترین حصہ ہے۔ اور مذہبی مراسم کی ادائی کے وقت بطور دعا کے پڑھا اور گایا جاتا ہے۔ گاتھا یسنا کا قدیم اور مقدس ترین جزو اور مذہبی روایات کے موافق وخشور زردشت کا کلام خاص ہے۔

گاتھا منظوم ہے۔ لیکن اس سے ایسی نظم مراد نہیں ہے جو آجکل عربی عروض کے تتبع میں فارسی میں لکھی جاتی ہے۔ بلکہ اس سے غیر مقفی لیکن موزوں فقرے مراد ہیں جیسے کہ ہمارے ہندوں میں مستعمل اور وید کے بھجنوں کی شکل میں اب تک موجود ہیں۔

ایران کے ادب قدیم میں اس سے قدیم ترکوئی اور نوشتہ موجود نہیں۔ اور اس کی زبان بھی ایسی ہے کہ اوس کا استعمال صدہا سال سے متروک ہو چکا ہے اور اب اس زبان کا نمونہ سوا اس کے دوسرا میسر نہیں آتا۔

گاتھا کا متن نہایت مشکل اور دشوار ہے۔ آج سے ڈیرہ دو ہزار سال پہلے اس کا سمجھنا ویسا ہی مشکل تھا جیسا کہ اب ہے۔ ساسانیوں کے عہد میں اس کے سمجھنے کے لئے پہلوی میں تفاسیر لکھی گئی تھیں جو زند و پاژند کے نام سے موسوم ہیں۔ ان پہلوی تفاسیر کی مدد سے عرصہ ہوا کہ پروفیسر ڈارمسٹیٹر نے گاتھا کا ترجمہ کیا تھا۔ لیکن اس میں کثرت سے اغلاط واقع ہوگئی تھیں۔ گذشتہ پچاس سال میں اوستا کی نسبت بہت سی جدید معلومات کا اضافہ ہوا اور اسکے سینکڑوں الفاظ بہت سی دشواریوں کے بعد حل ہوگئے۔ ان تمام کوششوں سے استفادہ کرنے کے بعد پور داود نے موجودہ ترجمہ تحریر کیا۔ ترجمہ میں متن سے زاید توضیح مطالب کے لئے تفسیری جملے

بہت کم استعمال کئے ہیں باوجود اس کے زبان نہایت سلیس اور عام فہم ہے اور مترجم کی اس کوشش پر بیساختہ صدائے آفرین نکلتی ہے۔

پورداؤد نے اپنے ترجمہ کی بنیاد پروفیسر بارتھولومی کے جرمنی ترجمہ پر رکھی ہے جو موجودہ عہد میں اوستا اور اوس کے لغت صرف و نحو کا یورپ میں سب سے بہتر عالم مانا گیا ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ یورپ کے دیگر مستشرقین اور ہندوستان کے اوستا شناسوں کے تحریرات سے بھی استفادہ کیا ہے اسلئے یہ ترجمہ موجودہ ترجموں سے سب پر فوقیت رکھتا ہے۔

دبستان کے متعلق اہل یورپ میں مشہور ہے کہ وہ ملا محسن فانی کی تصنیف ہے۔ ایران کے مشہور مصنف رضا قلی خان نے فرہنگ ناصری میں اسے کیخسرو کی تصنیف بنایا ہے۔ پورداؤد نے اپنے مقدمہ میں یورپین مصنفین کی پیروی کی ہے (ص۳۲) لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب مرزا ذوالفقار اردستانی کی لکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ صمصام الدولہ نے اس امر کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دیکھو ماثر الامراء جلد دوم ص۲۹۲۔

مرزا محمد قزوینی نے نثر فارسی کی قدیم ترین کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے امیر ابو منصور طوسی کے شاہنامہ منثور کو ۳۴۶ھ کی تبایا ہے (مقالات قزوینی ص۵۳)۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ کتاب امیر نصر بن احمد سامانی کے عہد میں تصنیف ہوئی ہے جو ۳۰۱ھ سے ۳۳۱ھ تک حکمران رہا ہے وزیر ابوالفضل بلعمی کی فرمایش سے دقیقی نے اسکو نظم کرنا شروع کیا تھا۔ ابوالفضل کا ۳۲۹ھ میں اور دقیقی کا ۳۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب ۳۴۶ھ سے بہت پہلے تصنیف ہو چکی تھی۔ اسکے تصنیف ہونیکی صحیح تاریخ ۳۰۶ھ ہے۔ اس کی بحث ہمارے مضمون دیباچہ قدیم شاہنامہ میں تفصیل کے ساتھ تحریر ہے۔

تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ۔ مرتبہ سر ڈنیسن راس ۔ مطبوعہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۹۲۷ء قیمت چھ شلنگ۔

سلاطین ہندوستان کے ابتدائی دور کے متعلق فخر الدین مبارک شاہ کی تاریخ غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا مصنف چونکہ سلطان غیاث الدین غوری اور ملک قطب الدین ایبک کے دربار سے توسل رکھتا ہے اسلئے اس کا وہ بیان جو ہندوستان کی فتوحات کے متعلق ہے معاصرانہ تحریر ہونے کے باعث ابتدائی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ کتاب صدیوں سے گوشہ گمنامی میں پڑی ہوئی تھی۔ ۱۳ اگست ۱۹۱۶ء کو شملہ میں پنجاب کی ہسٹاریکل سوسائٹی کا ایک

جلسہ منعقد ہوا اور اوس میں سر ڈینیسن راس نے اس کے متعلق ایک محققانہ لکچر دیا۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ دنیا اسکے نام سے آشنا ہوئی۔ اور گذشتہ سال موصوف کی سعی و کوشش سے رائیل ایشیاٹک سوسائٹی نے چھپواکر شائع کیا۔

سر ڈینیسن راس کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ انگلستان کے مشہور مستشرق ہیں ہندوستان میں عرصہ دراز تک ہوم سکرٹری کے اہم فرائض انجام دئے ہیں اور یہاں سے ریٹایرڈ ہونے کے بعد تقریباً دس سال سے لندن کے مدرسہ السنہ مشرقیہ کی صدارت فرما رہے ہیں۔ آپکو ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے خاص دلچسپی ہے۔ اس سے پہلے گجرات کی دو تاریخیں نہایت اہتمام سے چھپوائی ہیں۔ میرزا حیدر دوغلات کی تاریخ وسط ایشیا کا مسٹر الیس کی شرکت میں بزبان انگریزی ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے اس میں مصنف نے سلاطین اور اکابر اسلام کے شجرات نسب جمع کئے ہیں یہ کام اگرچہ زیادہ سودمند نہیں ہے لیکن مصنف نے ان کی نسبت جو تمہیدی بیانات لکھے ہیں وہ نہایت مفید اور کارآمد ہیں اس میں ایسے بہت سے واقعات مذکور ہیں جن سے اکثر حیرتناک انکشاف ہوئے ہیں اور جو امور مدت سے مورخین میں مابہ الاختلاف چلے آئے ہیں اون کا اس کتاب کی معاصرانہ شہادت سے تصفیہ ہو جاتا ہے۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ وہ واقعات توجہ کے قابل ہیں جو ۵۶۰ھ اور ۶۰۳ھ کے مابین ہندوستان میں سرزد ہوئے۔ کیونکہ ان کو دوسرے مورخین نے بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔

ان واقعات کے بعد وسط ایشیاء کے اتراک اور دیگر اقوام کا تذکرہ آتا ہے اور ان کے ایسے عجیب و غریب رسم و رواج بیان کئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک اہل ترکستان بالکل وحشی تھے اور اون پر تھذیب و تمدن کا پرتو ابھی تک نہیں پڑا تھا۔

اس کا صرف ایک نسخہ لندن میں مسٹر الیس کے یہاں موجود ہے جسکو تصحیح کر کے سر ڈینیسن راس نے چھپوایا ہے۔ اس مطبوعہ نسخہ میں شجرے چھوڑ دئے ہیں۔ ابتدا میں ایک دیباچہ لکھا ہے۔ اوس میں مصنف کے مختصر حالات بیان کئے ہیں جو امین رازی کی ہفت اقلیم سے ماخوذ ہیں اسکے بعد بطور فہرست کے جملہ مضامین کا خلاصہ انگریزی میں تحریر کیا ہے۔

اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں حکومت اسلامیہ کی ابتدا ارکھرام سے ہوئی اسکے بعد ۵۸۸ھ میں دہلی پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا ۶۰۲ھ میں سلطان معزالدین محمد بن سام نے

کھکروں پر یورش کی اور اس مہم سے واپس ہوکر ہندوستان کے مفتوحہ ممالک پر قطب الدین ایبک کو اپنا جانشین قرار دیا۔ اثنائے راہ میں اسی سال جب ملاحدہ نے اوسے شہید کردیا تو قطب الدین نے لاہور جاکر ۱۷۔ ذی قعدہ سنہ ۶۰۲ھ کو بروز سہ شنبہ تخت شاہی پر جلوس فرمایا اور ملک موید غازی قطب الدنیا والدین ابوالفوارس ایبک السلطانی نصرۃ امیر المومنین اپنا لقب اختیار کیا۔

اس کتاب سے اسلامی فتوحات کی اکثر تاریخیں صحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں مثلاً سنہ ۵۸۸ھ میں رائے اجمیر گرفتار ہوا۔ دہلی اور رنتن پور کے قلعے فتح ہوئے۔ غنیمت میں سونے کے چار خربوزے ہاتھ آئے جنکا وزن تین سو من کا تہا قطب الدین نے اونہیں ہرات میں سلطان غیاث الدین کے یہاں بھیجدیا تو سلطان نے اوسکے صرف سے ہرات کی مسجد آدینہ اور اوس کا طاق و مقصورہ تیار کروایا۔

سنہ ۵۹۰ھ میں راجہ جیت چند گرفتار ہوا اور غنیمت میں سو ہاتھی میسر آئے۔

سنہ ۵۹۱ھ میں اجمیر فتح ہوا۔

سنہ ۵۹۲ھ میں تھن گیری فتح ہوا۔

سنہ ۵۹۳ھ میں نہروالا پر قبضہ ہوا۔

سنہ ۵۹۴ھ میں بداؤن فتح ہوا اور بنارس کے تبخانے مسمار کئے۔

سنہ ۵۹۵ھ میں قنوج چن ترول اور ولایت سردہ فتح ہوئے۔

سنہ ۵۹۶ھ میں گوالیر سنہ ۵۹۹ھ میں کالنجر اور سنہ ۶۰۰ھ میں بدو رفتح ہوئے۔

سنہ ۶۰۱ھ مین قطب الدین نے پرشور میں جاکر سلطان معز الدین سے ملاقات کی۔

سنہ ۶۰۲ھ مین سلطان معز الدین نے بمقام دمیک شہادت پائی اور قطب الدین ایبک نے بمقام لاہور شاہی لقب اختیار کیا۔

میخانہ مصنفہ ملا عبدالنبی فخر الزمانی۔ مرتبہ پروفیسر محمد شفیع۔ ایم۔ اے۔ عطر چند کپور اینڈ سنز لاہور سنہ ۱۹۲۶ء صفحات ۱۲۰۸ قیمت پانچ روپیہ۔

اورینٹل کالج لاہور کے رسالہ میں فارسی تذکروں کی جو فہرست شائع ہوئی ہے اوس پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسی شعرا کے متعلق جو تذکرے لکھے گئے میں ترتیب اور نوعیت کے لحاظ سے اون کے مختلف اقسام ہیں۔ بعض کی ترتیب تاریخی ہے اور اون میں شعرا کا عہد وار تذکرہ لکھا گیا ہے۔ بعض حروف ہجا کے لحاظ سے مرتب ہوئے ہیں بعض کی ترتیب میں

ملکوں اور شہروں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بعض خاص خاص عہد سے تعلق رکھتے ہیں بعض میں محض معاصرین کا تذکرہ ہے۔ بعض میں اصناف سخن کا لحاظ ہے۔ مثلاً نواب علی ابراہیم خان اور مولوی احمد علی کے تذکروں میں مثنوی گو شعرا کے حالات ہیں مولوی رفیع الدین قندھاری نے نوبہار میں صرف غزلگو شعرا کا تذکرہ لکھا ہے۔

میخانہ اسی آخر الذکر صنف میں داخل ہے۔ اس میں اون شعرا کا تذکرہ ہے جنہوں نے ساقی نامے لکھے ہیں اس موضوع پر فارسی لٹریچر میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ فاضل اڈیٹر نے بیان کیا ہے کہ اسکے بعد مرزا کوکب او ر ہمت خاں نے بھی ساقی نامے جمع کئے ہیں لیکن انکی کتابیں اسوقت نایاب بلکہ ناپید ہیں اس بنا پر ہم اسے سب سے آخر کتاب بھی کہہ سکتے ہیں۔

یہہ کتاب سنہ ۱۰۲۸ھ میں جلوس جہانگیری کے تیسری سال پٹنہ میں مرتب و مدون ہوئی ہے۔

اس میں اکہتر شعرا کے تذکرے مرقوم ہیں جنکو مصنف نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلے حصے میں چھبیس ۲۶ شعرا کا تذکرہ ہے جو تالیف کتاب کے وقت فوت ہو چکے تھے۔

دوسرے حصے میں بیس شعرا کے حالات ہیں جو بوقت تالیف کتاب بقید حیات موجود تہے۔

تیسرے حصے میں پچیس شعرا کا تذکرہ ہے جن سے مصنف کو ملاقات تہی اور انکا صحبت یافتہ تہا۔

یہ تذکرہ بہ نسبت دوسرے تذکروں کے زیادہ مفصل ہے۔ مصنف نے اس میں صحیح اور مستند حالات فراہم کرنیکی کوشش بلیغ کی ہے اکثر مقامات پر ماخذات کا بہی حوالہ دیا ہے معاصرین کے حالات ذاتی مشاہدات اور ثقہ حضرات کی زبانی تحریر کئے ہیں۔

مصنف قزوین کا باشندہ تہا۔ جہانگیر کے عہد میں ہندوستان آیا اور شاہ جہاں کے پانچویں سال جلوس سنہ ۱۰۴۱ھ تک یہاں موجود رہا۔ اسکے حالات سے تاریخ و تراجم کی کتابیں عموماً خالی نظر آتی ہیں صرف مراۃ العالم میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ جو سنہ ۱۰۷۸ھ میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر تالیف ہوا ہے اور اسسے لالہ خوش حال چند نے اپنی تاریخ محمد شاہی عرف نادر الزمانی میں بہی حرف بحرف نقل کر لیا ہے۔

پروفیسر محمد شفیع پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کی سعی و کوشش سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے دنیا میں اسکے صرف دو نسخوں کا اسوقت تک پتہ چلا ہے ایک مولانا موصوف کے یہاں دوسرا ریاست رامپور کے سرکاری کتب خانہ میں ان دونوں کو باہم مقابلہ کرنے کے بعد مولانا نے مطبوعہ متن مرتب کیا۔ علاوہ اسکے دیگر ذرائع سے بہی اسکی تصحیح میں مدد لی ہے نمونہ کلام کے لئے شعرا کے دواوین اور مختلف انتخابات سے رجوع کیا۔ حالات کی نسبت بڑی جدوجہد کے بعد اون کے اصلی ماخذ تلاش کئے اور حواشی میں بہی جگہہ جگہہ ان کا حوالہ اضافہ کر دیا

آخر میں مزید توضیح و تشریح کے لیے ایک سو سولہ صفحات کا ضمیمہ لکھا۔ اون میں مصنف کے اغلاط اور شعرا کے مزید حالات فراہم کیے۔ ضمیمہ کے بعد تین فہرستیں ہیں جن میں اسماء الرجال اسماء البلاد اور اسماء الکتب کو جمع کیا ہے انکے باعث کتاب کے مطالعہ اور حسب مراد مقامات کے تلاش کرنے میں بے حد آسانی ہو گئی ہے۔

عام طور پر مشہور ہے مغربی محقق کتابوں کے ایڈٹ کرنے میں خاص کمال رکھتے ہیں۔ لیکن پروفیسر صاحب نے اسکو اس عمدگی اور جامعیت کے ساتھ ایڈٹ کیا ہے کہ انکی یہ [illegible] مستشرقین یورپ کے کمالات کے مماثل ہو گئی ہے اور یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو اس قدر تحقیق و تنقید کے ساتھ ایڈیٹ ہو کر ہندوستان میں اشاعت پائی ہے۔

تاریخ ظفرہ مصنفہ گردھاری لال احقر۔ مطبوعہ مطبع اخبار مشرق گورکھپور ۱۹۲۷ء صفحات ۲۰۶
[illegible] زبان اردو ہے۔

دکن کی تاریخ ہے اور شاہان آصفیہ کے عہد میں سنہ ۱۱۸۵ میں بمقام حیدرآباد تالیف ہوئی ہے۔ مصنف نے مضامین کو دو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلے باب میں سلاطین قطب شاہیہ کے واقعات ہیں۔

دوسرے باب میں سلاطین مغلیہ اور شاہان آصفیہ کا تذکرہ ہے۔

قاضی تلمذ حسین صاحب۔ ایم۔ اے۔ نے جو عثمانیہ یونیورسٹی میں سررشتہ تالیف و ترجمہ کی رکنیت پر مامور ہیں اس کی تصحیح کی ہے اور ابتدا میں چھبیس ۲۶ صفحہ کا ایک کارآمد مقدمہ لکھا ہے جس میں سب سے پہلے کتاب کی خصوصیات کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد دور حاضر کے بعض سیاسی علمی اور رفاہ خلائق سے تعلق رکھنے والے واقعات تحریر کیے ہیں۔

یہ کتاب گذشتہ دو سال تک گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی تھی۔ ۱۹۲۶ء میں مورخ مشہور [illegible] خان نے مرہٹہ ہیرو کے نام سے معارف میں ایک مضمون لکھا اور اوس میں اوسکے بعض اقتباس نقل کیے۔ اس زمانہ سے لوگوں کو اس کے نام سے واقفیت حاصل ہوئی۔

اس کتاب میں نہ صرف سیاسی واقعات تحریر ہیں بلکہ جگہ جگہ ہر عہد کے عمارات و امکنہ کا تذکرہ بھی لکھ دیا ہے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جو اس سے پہلے کی تصنیفات میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ شاہان آصفیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اکثر مقامات پر مرہٹوں کا

حال بھی لکھا گیا ہے اور بلا کسی رو و رعایت کے حقیقت حال کو ظاہر کیا ہے کہیں کہیں مواقع پر شاہی فرامین اور سرکاری مراسلات بھی نقل کئے ہیں جن سے واقعات کی تصدیق و توثیق میں بے حد مدد ملتی ہے

مصنف سے بعض جگہہ صریح غلطیاں ہو گئی ہیں ایسے مقامات پر تصحیح کیلئے حواشی کا لکھنا ضروری تھا۔ مثلاً۔

(۱) صفحہ (۲۸) پر محمود شاہ بہمنی کا سنہ وفات ۹۲۰ھ لکھا ہے۔ حالانکہ صحیح ۹۲۴ھ ہے (دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۳۷۶)

(۲) صفحہ (۴۳) پر عبداللہ قطب شاہ کی تاریخ وفات ۱۰۸۳ھ بیان کی ہے۔ در سنہ یکہزار و ہشتاد و دو ہجری مطابق سنہ چہاردہ جلوس اورنگزیب عالمگیر بدارالبقا شتافت لیکن اسکی قبر پر جو کتبہ کندہ ہے اوس سے ۴ محرم ۱۰۸۳ھ کو اسکا انتقال کرنا ثابت ہوتا ہے

(۳) صفحہ (۵۰) پر اورنگ زیب کا سال ولادت ۱۰۲۸ھ تحریر ہے اور آفتاب عالمتاب اسکی تاریخ بیان کی ہے جس سے از روئے جمل (۱۰۲۸) برآمد ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں اورنگ زیب کی صحیح تاریخ ولادت ۱۵ ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ ہے جیسا کہ جہانگیر نے اپنی توزک میں لکھا ہے شب یکشنبہ دوازدہم آبان ماہ الٰہی سنہ سیزدہ جلوس مطابق پانزدہم ذی قعدہ ہزار و بیست و ہفت ہجری بہ طالع نوزدہ درجہ میزان بخشندہ بے منت بفرزند اقبال مند شاہجہان از صبیہ آصف خان گرامی فرزند کرامت فرمود (جلد اول صفحہ ۲۵۲) آفتاب عالمتاب کلیم ہمدانی کی کہی ہوئی تاریخ ہے۔ اسمیں ایک عدد زاید ہے جسکا تخرجہ آفتاب کے الف سے کیا گیا ہے

اس قطعہ تاریخ کے ابیات یہ ہیں۔

داد ایزد بہ بادشاہ جہاں   خلفے ہمچو گل شاداب

چوں بپاس مژدہ آفتاب انداخت   افسر خویش بر ہوا چو حباب

طبع دریافت سال تاریخش   زد رقم آفتاب عالمتاب

اورنگ زیب کے مقام ولادت "دوحد" کو مصحح نے اپنے دیباچہ میں مشتبہ لفظ قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی نام صحیح ہے۔ یہ مقام اوجین سے جانب مغرب بفاصلہ سو میل مالوہ اور گجرات کی سرحد پر واقع ہے اس جگہہ چونکہ دونوں سرحدیں ملی ہیں اس لئے اس کا نام دوحد مشہور ہو گیا۔

(۳۳) صفحہ (۲۷۵) پر مکہ مسجد کی نسبت لکھا ہے کہ اسکی بنیاد عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں پڑی ہے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ محمد قطب شاہ نے اسکی تعمیر شروع کی تہی لیکن اوسکی وفات کے وقت تہوڑا سا کام باقی رہ گیا جسکو عبداللہ قطب شاہ نے پورا کرنیکا ارادہ کیا لیکن ایک منجم کی پیشین گوئی کے باعث تعمیر کا کام ملتوی کر دیا گیا جسکو اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۱۰۴ھ میں تکمل کیا۔

ذکر میر۔ مصنفہ میر تقی میر۔ مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب۔ بی۔ اے۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۲۸ء صفحات (۱۴۴) قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ۔

اردو کے مشہور شاعر اور مسلم الثبوت استاد میر تقی میر کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے میر صاحب نے اسے ۱۱۹۷ھ میں تمام کیا ہے اور اپنی زندگی کے ساٹھ سالہ سوانحات اسمیں قلم بند کئے ہیں زبان اسکی فارسی ہے اگرچہ اس میں وہ لطافت نہیں ہے جو دوسرے وقائع نویسوں کی تحریریں پائی جاتی ہے تاہم بامحاورہ اور فصیح ضرور ہے اور اوس کے ساتھ ساتھ سادگی بے ساختہ پن بہی اس میں پایا جاتا ہے

ابتدا میں میر صاحب نے اپنے بزرگوں کا مختصر حال لکھا ہے اسکے بعد اپنے والد کے حالات کسی قدر تفصیل سے تحریر کئے ہیں پھر اپنی عمر کے ساتویں سال سے اپنے حالات کی ابتدا کی ہے اور ۱۱۹۷ھ تک اپنے حالات کے ساتھ ساتھ اس عہد کے اون واقعات اور سیاسی انقلابات کا بہی تذکرہ کیا ہے جنکو اونہوں نے اپنی آنکہوں سے دیکہا تہا یا معتبر ذرائع سے سنا تہا اس لحاظ سے یہ کتاب نہ صرف میر صاحب کے تذکرہ حیات کی حیثیت رکہتی ہے بلکہ آخری سلاطین مغلیہ کے شصت سالہ دور حکومت کی ایک بہترین تاریخ بہی ہے جسکی ابتدا نادر شاہ کے حملے سے ہوتی ہے اور خاتمہ شاہ عالم بادشاہ کے تکحول اور غلام قادر کے مقتول ہونے پر ہوتا ہے۔ جو لوگ اس عہد کی تاریخ سے دلچسپی رکہتے ہیں اون کے لئے اس میں بہت سی بیش قیمت اور جدید معلومات کا ذخیرہ جمع ہے۔

میر صاحب کے حالات اردو شعرا کے کم و بیش تمام تذکروں میں مرقوم ہیں لیکن اون میں اکثر باتیں غلط اور مشکوک و مبہم پائی جاتی ہے۔ اس تذکرے کی اشاعت سے اون سب کا ازالہ ہوگیا ہے۔ فاضل اڈیٹر نے اس پر جو مقدمہ تحریر کیا ہے اوس میں ایسے امور کی جانب خاص توجہ دلائی ہے اور مختلف فقروں کے ضمن میں اون تمام نتائج کو بیان کیا ہے جو اس کتاب کے ملاحظے سے میر صاحب کی سوانح حیات کی نسبت اخذ ہوتے ہیں۔

یہ کتاب نہایت نادر و کمیاب ہے یہاں تک کہ کسی تذکرہ نویس نے اسکا ذکر ہی نہیں کیا ہے

اور نہ کسی مشہور کتاب خانہ میں اسکے موجود ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ فاضل اڈیٹر نے سعی بلیغ کے بعد اسکے دو نسخے مہیا کیے جو مولوی بشیر الدین احمد بانی مسلم ہائی اسکول اٹاوہ اور مولوی محمد شفیع ایم اے۔ پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور کے یہاں موجود تھے ان دونوں کے باہم مقابلہ سے یہ نسخہ مرتب کیا اور اس میں جہاں جہاں اختلافات ہیں اونکی صراحت حاشیوں میں کردی ہے۔

میر صاحب نے ذکر میر میں تاریخی واقعات تو بہت سے لکھے ہیں لیکن ان میں سے کسی کا بھی سن نہیں بیان کیا ہے یہ بہت بڑا نقص ہے اگر فاضل اڈیٹر ذرا بھی توجہ کرتے اور مختلف تاریخوں سے اخذ کر کے ہر واقعہ کے محاذی اوس کا سن وقوع لکھدیا جاتا تو یہ سقم باسانی رفع ہوجاتا اور اس سے خود میر صاحب کے حالات پر بہت بڑی روشنی پڑتی اور ان کی زندگی کے اکثر سوانحات کی تاریخیں معین ہو جاتیں۔

طبقات الامم - مصنفہ قاضی ابو القاسم صاعد بن احمد الاندلسی مترجمہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڈھی مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڈھ ۱۹۲۶ء صفحات (۱۷۳) قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ۔

علمائے اسلام نے علوم و فنون کی جو تاریخیں لکھی ہیں اون میں طبقات الامم ایک ممتاز حیثیت رکھنے والی تصنیف ہے اسکے مصنف صاعد بن احمد۔ امام ابن ابی الحزم کے شاگرد اور اندلس کے مشاہیر علماء سے تھے۔ حدیث و فقہ اور تاریخ و فلسفہ میں ان کو کمال حاصل تھا سنہ ۴۶۲ھ میں بمقام طلیطلہ ان کا انتقال ہوا ہے۔

طبقات الامم سنہ ۴۶۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے اس میں اقوام عالم کے علوم حکمت اور اون کے ارباب فضل و کمال کا تذکرہ جمع ہے۔ طبقات اگرچہ مختصر ہے لیکن تمام ضروری اور اہم واقعات اس میں آگئے ہیں۔ ابتدا میں بطور تمہید کے اقوام عالم کی تاریخ اور اکتساب علم کے لحاظ سے مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے انہیں اونکے علوم و فنون کا تذکرہ ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہندوستان کا ذکر آتا ہے اسکے بعد فارسیوں۔ کلدانیوں یونانیوں رومیوں اور مصریوں کے علمی حالات مذکور ہیں یہ سب نصف کتاب میں آگئے ہیں۔ اسکے بعد عربوں کے علوم و فنون کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ ایک قبل از اسلام دوسرا بعد از اسلام۔ اس کے بعد وہ کوائف علمی بیان کئے ہیں جو مسلمانان اندلس سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر بنی اسرائیل بالخصوص یہود اندلس کے مشاغل علمی کا تذکرہ کر کے کتاب کو ختم کردیا ہے۔

مترجم نے ابتدا میں مصنف کے حالات پر ایک عالمانہ مقدمہ لکھا ہے۔ اصل کتاب پر توضیع و تشریح کے لئے کثرت کے ساتھہ تاریخی اور جغرافیائی تعلیقات اضافہ کئے ہیں جنکے مطالعہ سے مترجم کی علمی قابلیت اور وسعت معلومات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مترجم نے اپنے مقدمہ میں صنوان الحکمتہ کو کشف الظنون کے حوالہ سے صاعد کی تصنیفات میں شمار کیا تھا لیکن اوس پر ایک حاشیہ لکھہ کر اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ یہ کتاب درحقیقت صاعد کی تصنیف نہیں ہے۔ اب یہ امر تحقیق طلب رہ جاتا ہے کہ درحقیقت یہ کتاب کس کی تصنیف ہے۔ لکدونوٹ اویہ کی اورینٹل اکیاڈیمی میں صنوان الحکمہ کا ایک انتخاب ہے۔ اوس کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا اصل متن ابو سلیمان محمد بن طاہر بن بہرام السجزی کی تصنیف ہے اور امام ظہیر الدین ابی الحسن بن ابی القاسم البیہقی نے اس کا تتمہ تصنیف کیا ہے ابو سلیمان چوتھی صدی میں ایک مشہور طبیب اور فلسفہ داں گزرا ہے۔ اسکے لئے دیکھئے ولسٹن فیلڈ کی گشنختے درآربیشیں آرزٹے صفحہ ۵۸ نوٹ ۱۱۴۔ گ د د

خلفائے راشدین ۔ از مولوی حاجی معین الدین ندوی مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڈہ ۱۹۲۷ء صفحات (۳۰۸) قیمت دو روپیہ آٹھ آنے۔

ارکان دار المصنفین نے سیرۃ النبی کے ساتھہ ساتھہ سیرۃ الصحابہ کی ترتیب و تدوین کا انتظام کیا ہے اور اس سلسلہ کی متعدد جلدیں اب تک چھپکر شائع ہو چکی ہیں۔ مثلاً اسوہ صحابہ، سیر الانصار وغیرہ اب سیر المہاجرین کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ جس کی پہلی جلد خلفائے راشدین ہے اس میں خلفائے اربعہ کے نام و نسب، فضل و کمال، عام حالات، ملکی فتوحات، سیاسی انتظامات کو خوب شرح و بسط کے ساتھہ تحریر کیا ہے۔ اور اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب باتیں کتب احادیث سے اخذ کی ہیں۔ بعض مواقع پر جہاں کہیں تفصیل و توضیع کی ضرورت ہوئی ہے تو عربی کی مستند تاریخوں سے اس مواد کو حاصل کیا ہے لیکن ایسے مواقع نسبتاً بہت کم آئے ہیں یہ کتاب نہ صرف اسلئے اہم ہے کہ اس میں اصحاب رسول اللہ کے حالات ہیں بلکہ یہ سلسلہ تاریخ اسلام کی دوسری کڑی ہے اور اس میں عہد اولین سے تعلق رکھنے والے (۳۰ سالہ) واقعات کا بہترین تاریخی مواد فراہم کیا گیا ہے۔ اور اس موضوع پر ایسی نفیس کتاب اردو میں تاحال شائع نہیں ہوئی ہے۔

مزارات حرمین ۔ از مولوی حاجی سید علی شبیر صاحب سررشتہ دار ہائیکورٹ حیدرآباد دکن ۱۹۲۹ء

صفحات (۳۱۶) قیمت تین روپیہ۔

اس کے مصنف ارض حجاز کے اخبار و کوائف میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور مدت دراز سے یہ مقدس سرزمین ان کے علمی انہماک کی جولان گاہ بنی ہوئی ہے انہوں نے برٹن اور برکھارڈ کے سیاحت نامہ ہائے حجاز کا انگریزی سے ترجمہ کیا۔ اور ان یوروپینوں کے حالات و کوائف میں ایک مبسوط کتاب لکھی ہے جنھوں نے حجاز۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی سیاحت کی ہے۔ حجر اسود اور غلاف کعبہ کی محققانہ تاریخیں مدون کی ہیں قریباً تین سال پہلے حج بیت اللہ کے لئے گئے اور وہاں کے قابل دید مقامات کی سیر کی اور جب واپس آئے تو اپنے علمی مشاہدات پر مکے اور مدینے کے مزارات اقدس کی یہ تاریخ لکھی اس میں نہ صرف اپنے عہد کے حالات لکھے ہیں بلکہ ابتدار سے اس وقت تک ان مزارات کے متعلق جو جو حوادث پیش آئے ہیں اون سب کا تذکرہ کیا ہے۔ کتاب کی تالیف میں عربی فارسی کی پچیس تیس کتابوں سے مدد لی ہے ان کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستان اور یورپ کے سیاحوں کی تحریرات سے بھی استفادہ کیا ہے تمام حالات اس طرح بیان کئے ہیں کہ تصویر کھنچ جاتی ہے۔

کتاب دو ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے میں مکے اور دوسرے میں مدینے کے مزارات کا تذکرہ ہے۔ ان میں روضۂ اقدس، جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کے حالات خاص توجہ کے قابل ہیں۔ روضۂ اقدس کی نسبت حاجی برٹن او ڈاکٹر زویمیر نے کئی اعتراض کئے تھے اور اون سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ "یہ ایک فرضی قبر ہے"۔ فاضل مولف نے محکم دلائل سے اسکی تردید کی ہے اور اون کی توجیہات کی تکذیب کر کے غلط بیانیوں کا ازالہ کیا ہے۔ جنت البقیع کے حالات میں مقبرہ اہل بیت کے حالات لکھتے ہوئے جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا کے مدفن کی خوب تحقیقات کی ہے اور خود ہائے مورخین کی سند پر اس مدفن کا روضہ اقدس کے قریب واقع ہونا ثابت کیا ہے۔

غرض کہ یہ کتاب مزارات اقدس کے متعلق معلومات تاریخی کا ایک مفید مخزن ہے جس میں اونکی گذشتہ تاریخ موجودہ حالات مورخین کے اقوال سیاحوں کے مشاہدات سب کچھ درج ہے اور ایسی مبسوط کتاب اس وقت تک اس موضوع پر عربی اور فارسی میں بھی تحریر نہیں ہوئی ہے۔

تمدن ہند

ہندوستان کے قدیم وجدید تمدن کی بہترین تاریخ فرانس کے مشہور محقق ڈاکٹر گستاولی بان کی تصنیف جسکو ڈاکٹر سید علی بلگرامی ایم۔ اے۔ ڈی لٹ نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ نہایت دبیز اور نفیس کاغذ پر عمدہ ترین خط وکتابت کے ساتھ چھپی ہے۔

(۶۰) رنگین (۸۹) سادہ تصاویر (۲) نقشے جلد ولایتی طرز کی

قیمت ۱۵ روپیہ بہت کم جلدیں باقی ہیں

المشتہر

سید عبدالقادر گورنمنٹ ایجوکیشنل بک ڈپو پبلشر ومالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار

حیدرآباد دکن سے طلب فرمائیے

سائنس

انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ

جسکا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو دانوں میں مقبول کیا جائے دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہو رہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوں گے انکو کسیقدر تفصیل سے بیان کیا جائے ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنیکی کوشش کیجائیگی اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے سائنس دانوں کے علاوہ یورپ کے فضلا نے بھی اس رسالے میں مضمون لکھنا منظور فرمایا ہے اس رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوا کرینگے۔

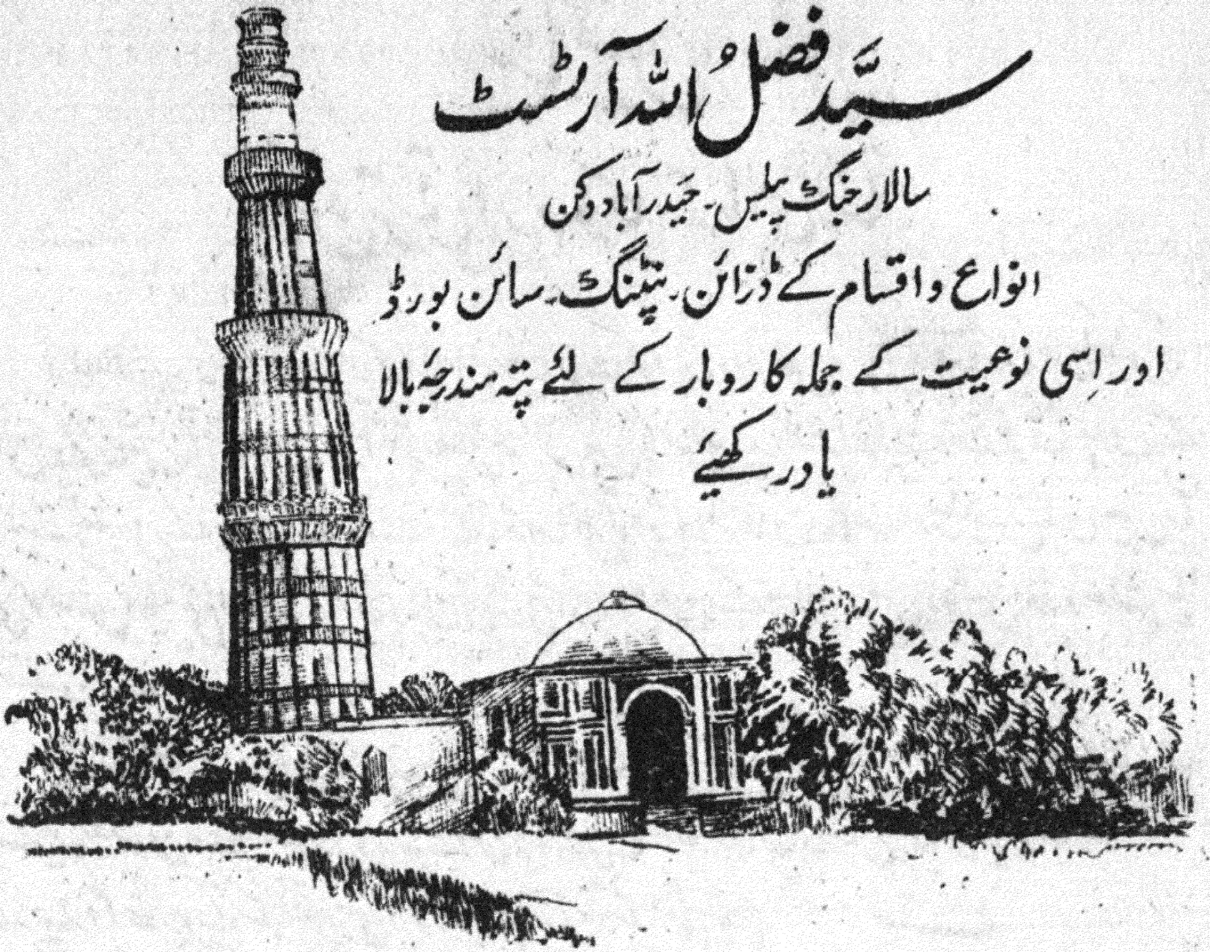
سالانہ چندہ آٹھ روپے سکہ انگریزی (نو روپیہ چار آنہ سکۂ عثمانیہ)

مینیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے طلب فرمائیے۔

مقنن

قانونی معلومات کا بہترین اور مفصل ترین رسالہ جو ملک کے متعدد قانون داں حضرات کی نگرانی اور ادارت میں ہفتہ وار شایع ہوا کرتا ہے۔ اسکے پہلے حصے میں قانونی مباحث پر محققانہ مضامیں دوسرے حصہ میں ممالک محروسہ سرکار عالی اور تیسرے حصے میں برٹش انڈیا کے نظائر ہوا کرتے ہیں اسکے علاوہ ضمیمہ میں احکام و قوانین گشتیات۔ رزولیوشن اور سررشتہ جات مال و عدالت کے نظائر شامل کیے جاتے ہیں۔ تقطیع کلاں حجم تقریباً سو صفحہ کاغذ اور کتابت و طباعت نفیس قیمت (۵ عہ) سالانہ۔

مولوی عبدالرحمٰن رئیس مدیر و مہتمم مقنن ۵۰۰ نامپلی حیدرآباد دکن سے طلب فرمائیے


سیّد فضلُ اللہ آرٹسٹ
سالار جنگ پیلس۔ حیدرآباد دکن
انواع واقسام کے ڈزائن۔ پنٹنگ۔ سائن بورڈ
اور اسی نوعیت کے جملہ کاروبار کے لئے پتہ مندرجۂ بالا
یاد رکھیئے

TARIKH-I-FAKHR-UD-DIN MUBARAKSHAH. Edited by Sir Denison Ross, Director of the School of Oriental Studies, London.

MAIKHANAH Memoir of Persian Poets edited by Muhammad Shafi, M. A., Professor, Panjab University.

TARIKH-I-ZAFRAH, A History of the Qutub Shahi and Asafjahi Dynasties of the Deccan. Edited by Qazi Talammuz Husain M. A., Translation Bureau, Osmania University.

ZIKR-I-MIR, Autobiography of Mir Taqi Mir, the famous Poet of Urdu, edited by Abdul Haq., B. A., Secretary, Anjuman-i-Taraqqi Urdu.

TABQAT-UL-UMAM, A History of Philosophy in the ancient and Islamic Nations by Qazi Sa'ad bin Ahmed ae Undlusi.

KHULAFA-I-RASHIDIN, The History of early four Khalifas of Islam by Haji Mu'in-ud-din Nadavi.

MAZARAT-I-HARAMAIN, A Historical Description of the Domes and Graves of Makkah and Madinah, the Holy Cities of Arabia by Haji Ali Shabbir of Haidarabad,

TARIKH

Vol. I. JANUARY 1929 PART 1.

Tarikh.

A Quarterly Journal of History and Archæology

EDITED BY

Hakim Sayyid Shams-Ullah Qadri,

PUBLISHED BY THE MANAGER,
KOTLAH AKBAR-JAH, HAIDARABAD DECCAN.

Annual Subscription Rs. 5 or Shilling 8 Postage Extra.

For Government Rs. 10.

تاریخ

تاریخ اور آثار قدیمہ کا سہ ماہی رسالہ

ایڈیٹر

حکیم سید شمس اللہ قادری

مقام اشاعت

دفتر تاریخ کوٹلہ اکبر جاہ حیدرآباد دکن

مطبوعہ خورشید پریس بیرون چادر گھاٹ حیدرآباد

قیمت سالانہ - پانچ روپیہ - اخراجات ڈاک آٹھ آنہ - گورنمنٹ سے دس روپیہ

تاریخ

جلد اوّل — اپریل تا جون سنہ ۱۹۲۹ء — حصۂ دوم

قاموس الاعلام

ادبیات اردو کے اسماء و اعلام کا انسائیکلوپیڈیا

اس میں اُن بادشاہوں، امیروں، عالموں، فاضلوں، حکیموں، شاعروں، ادیبوں اور ملکوں، ولایتوں، شہروں، قصبوں، کے حالات و سوانحات مذکور ہیں جن کے نام زبان اردو کی علمی، ادبی، مذہبی، اور تاریخی کتابوں میں بار بار آتے ہیں۔ ہر نام کے ساتھ مزید معلومات حاصل کرنے اور مطالعہ کو تقویت پہونچانے کے لئے عربی، فارسی، اردو، انگریزی، وغیرہ زبانوں کے مستند و معتبر اسناد صفحات، مجلدات اور ایڈیشنوں کی صراحت کے ساتھ درج کئے گئے ہیں اسکی تقسیم دو حصوں پر ہے

حصۂ تاریخی۔ اس میں مشاہیر رجال اور اقوام و قبائل کے نام ہیں۔

حصۂ جغرافی۔ اس میں ملکوں، ولائیوں اور شہروں کا تذکرہ ہے۔

پہلے تاریخی اس کے بعد جغرافی حصہ شایع کیا جائے گا اور اس کی اشاعت انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی طرح قسط وار ہوگی۔ **چار قسطوں کی ایک جلد اور ہر قسط میں کم از کم سو صفحات** ہوں گے۔ رسالہ تاریخ کے ساتھ جو حضرات اس کی خریداری منظور فرمائیں گے اُن سے ایک جلد یا چار قسطوں کی قیمت پانچ روپیہ آٹھ آنہ پیشگی لیجائے گی۔ ہر ایک جلد جب مکمل ہو جائے تو اس کی قیمت دس روپیہ ہوگی۔

رجسٹر خریداران میں نام درج کرانے کے لئے

منیجر رسالہ تاریخ کوٹلہ اکبر جاہ حیدرآباد دکن

سے

بعجلت ممکنہ خط و کتابت فرمایئے

قاموس الاعلام

کا

ایک ورق

آذر۔ لطف علی بن آقا خاں فارسی شعرا کا مشہور تذکرہ نویس ہے۔ اعتماد الدولہ مرزا مومن خاں شاملو کی اولاد سے تھا اس کے والد آقا خاں کو نادر شاہ نے اپنے آغاز حکومت میں خط لار اور سواحل فارس کا گورنر مقرر کیا تھا۔ آذر سنہ ۱۱۲۳ھ میں اصفہان میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۱۵۰ھ سے سنہ ۱۱۵۵ھ تک کامل پانچ سال بلاد حجاز، عراق، اور خراسان کی سیاحت میں مصروف رہا۔ نادر شاہ کی وفات سنہ ۱۱۶۰ھ کے بعد شاہی دربار میں ملازم ہو گیا اور عرصہ تک علی شاہ ابراہیم شاہ۔ شاہ اسمٰعیل اور شاہ سلیمان صفوی کا متوسل رہا۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۱۹۵ھ میں انتقال کیا۔ سید علی مشتاق کا شاگرد تھا اور شعر خوب کہا کرتا تھا اس کا مجموعہ کلام ہنگامہ اصفہان میں برباد ہو گیا ہے۔ اس نے ایک مثنوی یوسف زلیخا بھی لکھی ہے جس کے بارہ ہزار ابیات ہیں اور اس کا بہت سا حصہ آتشکدہ میں منقول ہے ص ۴۴۲ تا ص ۴۶۶

آذر کی تصنیفات میں آتشکدہ غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔ آذر نے سنہ ۱۱۷۴ھ میں اس کی ابتدا کی اور سنہ ۱۱۹۳ھ میں بیس سال کی محنت کے بعد اختتام کو پہنچایا اس میں کم و بیش ایک ہزار شعرا کے حالات اور ان کا نمونہ کلام جمع ہے اس کی ترتیب ملکوں اور شہروں کے لحاظ سے ہے ہر شہر میں جس قدر نامور شعرا گذرے ہیں ان کے حالات اس شہر کے تحت میں تحریر کیے ہیں۔ یہ تذکرہ سنہ ۱۲۴۹ھ میں بہ مقام کلکتہ اور سنہ ۱۲۷۷ھ و سنہ ۱۲۹۹ھ میں دوبارہ بہ مقام بمبئی چھپا ہے۔ مسٹر بلنڈ نے اس کے ابتدائی باب کو انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو سنہ میں لندن میں طبع ہوا ہے اس میں ان مشہور و معروف ملوک و امرا کے حالات ہیں جنہوں نے فارسی شعر و سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔

کتابیات۔ آتشکدہ طبع بمبئی ص ۲۴۶ ہ تحفۃ العالم ص ۲۲۶ ہ مجمع الفصحا جلد دوم ص ۲۶۲ ہ محبوب الالباب ص ۳۔ ریو جلد اول ص ۳۶۰۔ بلنڈ کا مضمون فارسی تذکروں پر مندرجہ رسالہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ہفتم ص ۳۴۵

آذری۔ حمزہ بن علی بن ملک الطوسی البیہقی ان کا لقب دولت شاہ نے فخر الدین تقی کاشی نے برہان الدین اور امین رازی نے نور الدین لکھا ہے۔ صاحب الدعوات احمد بن محمد الزمجی الہاشمی المروزی کی اولاد سے تھے۔ انکے والد خواجہ علی بن ملک کو سربداروں نے اپنے زمانہ حکومت میں اسفراین کا حاکم بنایا تھا۔

آذری مشاہیر شعرا اور اجلہ صوفیہ سے ہیں۔ اپنے زمانہ میں علم و فضل اور زہد و ورع میں بے نظیر تھے۔ مرو میں انکی ولادت ہوئی اوائل حال میں سلطان شاہرخ بن تیمور کے دربار میں توسل پیدا کیا۔ متعدد قصاید اس کی مدح میں لکھے بادشاہ نے خوش ہو کر ملک الشعرائی کا منصب عطا فرمایا لیکن کچھ عرصہ کے بعد شیخ آذری نے دنیا کو ترک کر دیا اور شیخ

شیخ محی الدین الطوسی کے مریدوں میں شامل ہو کر پانچ
سال تک ان سے تفسیر و حدیث کا درس لیتے رہے۔ اسی
اثنا میں ان کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے عرب کی سیاحت
کی اس کے بعد کرمان میں آکر سید نور الدین نعمت اللہ سے بیعت
ہوئے۔ اور کئی سال ریاضت کرنے کے بعد جب خرقہ خلافت
ملا تو مرشد سے رخصت ہو کر دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے
چلے گئے اور وہاں ایک سال تک مجاورت کرتے رہے اسی زمانہ
میں ایک مثنوی سعی الصفا تصنیف کی اس کے بعد جدہ سے روانہ
ہو کر براہ دابل دکن پہونچے اور بیدر میں آکر سلطان احمد
شاہ بہمنی کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ بادشاہ نے ان سے سلاطین
بہمنیہ کے حالات میں شاہنامہ کی طرز پر بہمن نامہ لکھوایا۔ اور تقریباً
بیس ہزار اشعار میں احمد شاہ تک کے حالات منظوم ہو گئے تو
آذری نے بادشاہ سے رخصت لیکر وطن کیجانب مراجعت کی اور
اسفراین میں آکر کچھ عرصہ تک گوشہ نشین رہنے کے بعد بیاسی سال کی
عمر میں ۸۶۶ھ کو فوت ہوئے۔

آذری نے فارسی نظم و نثر میں بہت سے تصنیفات اپنے یادگار
چھوڑے ہیں۔ جواہر الاسرار۔ طغرائی ہمایوں۔ عجائب الدنیا
عجائب الاعلی۔ طامۃ الکبری وغیرہ۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے
کہ میں نے شیخ آذری کی ایک ضخیم مثنوی دیکھی ہے جس کا نام مرآۃ الاسرار
ہے اور یہ چار حصوں پر منقسم ہے اول طامۃ الکبری دوم عجائب الدنیا
سوم عجائب الاعلی۔ چہارم سعی الصفا ان میں تصوف کے مضامین
اور مواعظ و حکم مذکور ہیں جواہر الاسرار ادبیات سے تعلق رکھتی ہے
اسمیں نوادر و امثال اور قصص و حکایات تحریر ہیں عجائب الدنیا
میں قزوینی کی عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات کے اکثر
اجزا کو منظوم کیا ہے سعی الصفا میں کعبہ کی تاریخ اور حج کے مناسک
و احکام بیان کئے ہیں۔ غزلیات و قصاید کا مجموعہ تیس ہزار
ابیات پر مشتمل ہے جسمیں عاشقانہ و عارفانہ کلام اور حمد و نعت
و مدح سلاطین و امرا کے قصاید جمع ہیں۔ عجائب الدنیا
کا نام دولت شاہ نے عجائب الغرائب اور ایتھے
نے غرائب الدنیا لکھا ہے۔

کتابیات۔ تذکرہ دولت شاہ۔ طبع یورپ صد ۳۹
طبع بمبئی صد ۱۸۵ طبع لاہور صد ۲۱۰ حبیب السیر جلد دوم جزو سوم
صد ۱۲۳ تاریخ فرشتہ جلد اول صد ۳۲۵ آتشکدہ صد ۸۸ مرآۃ الخیال
صد ۶۸ خزانہ عامرہ صد ۱۲ تحفۃ الکرام جلد دوم صد ۲۰ نتایج الافکار
صد ۲ تعلیقات سے خاتمہ صد ۹ ریو جلد ۲ صد ۱۳۲ ۶۰۳۲۰۲ ایتھے صفحہ ۹۰۹

آذرکیوان پارسیوں کے فرقہ آبادیان و آذرہوشنگیان
کا آخری پیشوا ہے اس کا سلسلہ نسب بہمن بن اسفندیار تک پہنچتا ہے
والدہ جس کا نام شیرین تھا یزدگرد آخری فرمانروائے عجم کی اولاد سے تھی
یہ مرتاض اور گوشہ نشین تھا اور اسکی زندگی ہمیشہ ریاضت میں
گزرتی تھی عربی و فارسی کے جملہ علوم و فنون میں اسکو کمال حاصل تھا
اور اسی وجہ سے لوگ اسے ذوالعلوم کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔
اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ایران سے ہندوستان میں آ کر پٹنہ کی سکونت
اختیار کی اور اسی جگہ ۸۵ سال کی عمر کو پہنچکر ۱۰۲۷ھ میں بعہد جہانگیر
بادشاہ انتقال کیا۔ مسلمانوں نے اسے موحدین اور صوفیہ میں شمار
کیا ہے اکثر علمائے اسلام نے اسکی شاگردی کی ہے اور اس سے سلوک کے
مقامات طے کئے ہیں مثلاً محمد علی شیرازی محمد سعید اصفہانی اور شیخ
بہاء الدین آملی وغیرہ جو مذہب شیعہ کے مشاہیر علما سے ہیں

آذرکیوان نے جام کیخسرو کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے جو نظم
میں ہے اسمیں اپنے روحانی کیفیات و مشاہدات بیان کئے ہیں اسکے علاوہ
صمصام الدولہ نے اسکی ایک عجیب و غریب تصنیف کا ذکر کیا ہے جو خالص
فارسی زبان میں تھی لیکن جب اسکے نقطے اول بدلکر پڑھتے تو عربی بنجاتی
اور اگر الفاظ الٹ دیتے تو ترکی اور اگر اس کو مصحف کرتے تو
ہندی ہو جاتی تھی۔ اس میں مجردات کی تعریف اور پند و
نصائح جمع کئے تھے ذوالفقار اردستانی نے دبستان میں اس کا

اُر

ارضِ نہرین کا جنوبی خطہ تاریخ عالم میں انسان کے تمدن و تہذیب کا مرکزِ اولین سمجھا جاتا ہے۔ تورات کی روایات کے مطابق طوفانِ نوحؑ کے بعد اولادِ آدم نے اس خطہ کو سب سے پہلے اپنا مسکن قرار دیا اور یہیں سے اطرافِ عالم میں منتشر و متفرق ہوئے۔ جناب عیسیٰؑ سے صدہا سال پہلے اس سرزمین میں دو قومیں آباد تھیں ایک "اکاد" دوسری "سمیر"۔ اکادیوں کا مسکن شمال میں واقع تھا جسے شنعار کہا کرتے تھے۔ سمیر کی بستیاں جنوب میں تھیں اور کسدیا کہلاتی تھیں۔ اُر جو تاریخِ قدیم کا مشہور شہر ہے اسی کسدیا کا دارالحکومت تھا دنیا کے مشہور پیغمبر اور بنی اسرائیل کے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے اور ان کے آباؤ اجداد کی مدت سے اسی شہر میں سکونت تھی۔

جناب عیسیٰؑ سے صدیوں پہلے اُر تباہ و برباد ہوگیا تھا۔ یہاں تک کہ امتدادِ زمانہ کے باعث اس کے نشانات بھی معدوم ہوگئے تھے صرف تورات کی وجہ سے دنیا میں اس کا نام باقی رہ گیا تھا۔ گذشتہ صدی میں کالدیا اور اسیریا کے کتبے جب حل ہوئے تو اس شہر کی نسبت بھی بعض باتیں محققین کو معلوم ہوئیں اور ان کی مدد سے اس کے حقیقی محلِ وقوع کی تلاش شروع کی گئی۔ ابتدا میں عام رائے یہ تھی کہ اُر اس مقام پر واقع تھا جہاں کہ اب عرفا آباد ہے لیکن بعد میں اس کی غلطی ظاہر ہوگئی۔ اور اب بالتحقیق یہ امر ثابت ہوگیا کہ فرات

کے مغربی کنارے ناصریہ کے نیچے تل المقیر کے قریب یہ مقام آباد تھا اور اس جگہ جو مدفونہ آثار برآمد ہو رہے ہیں وہ اسی شہر کے ہیں۔

اُر میں سب سے پہلے ۱۹۱۸ء میں کھدائی کا کام شروع ہوا۔ مسٹر ہال HR. HALL. جو برٹش میوزیم میں مصر و اسیریا کے عتایق کے محافظ ہیں اس کے نگران کار مقرر ہوئے ۱۹۱۹ء کے اخیر تک کام جاری رہا۔ اس کے بعد دو سال کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ پھر ۱۹۲۲ء سے اس کا آغاز ہوا اور اب مسلسل سات برس سے ہر موسم سرما میں برابر جاری ہے۔ اس مرتبہ مسٹر وللی C. L. WOOLLEY کارکن قرار پائے ہیں اور ان کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر سالانہ پانسو پونڈ کا صرفہ ہو رہا ہے منجملہ اُن کے برٹش میوزیم کے خزانہ سے ڈھائی سو پونڈ ملتے ہیں (۲۵۰) پونڈ فلاڈلیفیا یونیورسٹی ادا کرتی ہے۔ بقیہ (۲۵۰) پونڈ عام چندوں سے حاصل کئے جاتے ہیں۔

تاریخ قدیم سے دلچسپی رکھنے والوں اور توراۃ کی حکایات کو جدید انکشافات کی روشنی میں دیکھنے کے شائقینوں کے لئے ان تحقیقات کی بدولت بہت سی نئی نئی معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔ اور یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ جناب مسیحؑ سے چار ہزار سال قبل اُر ایک سر سبز بارونق اور متمدن شہر تھا۔ ۱۹۲۳ء میں اُر سے چار میل کے فاصلہ پر تل العبید میں مسٹر وللی نے ایک معبد تلاش کیا جسے اے انّی پادا A-ANNI-PADDA نے تعمیر کیا تھا اس کی بنیادوں میں ایک لوح دستیاب ہوا ہے جس میں اُر کے ابتدائی بادشاہوں کے نام کندہ ہیں۔ یہ بادشاہ جو کسدیہ کے پہلے خاندان شاہی سے تعلق رکھتے ہیں اب تک فرضی اور افسانوی بادشاہ سمجھے جاتے تھے لیکن اس لوح کے دریافت ہونے سے ان کا تاریخی وجود ثابت ہو رہا ہے، اس فہرست کے آخر میں اے انّی پادا اور اس کے باپ کا نام بھی شامل ہے۔ اس کا

زمانہ حضرت ابراہیمؑ سے کم از کم ہزار سال پہلے کا قرار دیا جا سکتا ہے اگر یہ لوح دستیاب نہ ہوتا تو اس کی اور پہلے خاندان کے بادشاہوں کی ہستی قدامت کے باعث پردۂ خفا میں مستور رہتی۔ پہلے خاندان کے پہلے بادشاہ مس انی پادا MES A-ANNI-PADDA کا وجود اس کی بیوی نن دوموننن NIN-DOMU-NIN کی مہر کے میسر آنے سے اور بھی یقینی ہو گیا ہے

بعد کی تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ پہلے خاندان سے قبل بھی اُر میں بہت سی شایستہ نسلیں گذری ہیں۔ گذشتہ سال تین قبرستان دریافت ہوئے ہیں ان میں سب سے قدیم حضرت مسیحؑ سے (۳۵۰۰) سال پہلے کا ہے ان قبروں سے ایسی اشیاء برآمد ہوئی ہیں جو اس سے پہلے ارض نہرین کی کسی کھدائی میں نہیں نکلیں تھیں۔ ان اشیاء سے ایک ایسے تمدن کا پتہ چلا ہے جو فی الوقت دنیا سے معدوم اور صدیوں سے لاپتا ہے۔

اُر میں پہلے خاندان سے پہلے جو خاندان برسر حکومت تھا اس کے حالات پر گہری ظلمت طاری ہے اور اس کے افراد کا سلسلہ ابھی تک سلاطین کی کسی فہرست میں نہیں ملا ہے حالیہ دریافت شدہ قبور میں شاہ ابار گی KING ABAR-GI اور ملکہ سوباد QUEEN SUB AD کی قبریں بھی ہیں اور گمان کیا جاتا ہے کہ اُن کا تعلق اُس عہد سے ہے جو حضرت مسیح سے تخمیناً پانچ ہزار سال قبل گذرا ہے لیکن یہ کون تھے اور ان کی حیثیت کیا تھی ابھی تک اس کا انکشاف نہیں ہوا ہے۔ چاندی سونے کے زیورات، خورونوش میں کام آنے والے برتن، موسیقی کے مرصع آلات، بیل گاڑیاں وغیرہ جو ان کی قبروں سے برآمد ہوئیں اور جنھیں اُن کے اخلاف نے اس تمنا میں اُن کے ساتھ دفن کر دیا تھا کہ دوسری دنیا میں اُن کے کام آئیں گی اس امر کو ظاہر کر رہی ہیں کہ یہ مدفون لاشیں صاحب ثروت اور بڑی شان و شوکت والے بادشاہ کی ہوں گی۔ قبور کے طرز تعمیر اور اشیاء کی صنعت سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی رعایا میں

اچھی خاصی تہذیب پھیلی ہوئی تھی اور قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ اشیاء ایسے زمانہ میں تیار ہوئی ہیں جو حضرت عیسیٰ سے پہلے ۳۵۰۰ اور ۳۰۰۰ سال کے مابین گزرا ہے یہ ایک مفروضہ عہد ہے اور اس کو حقیقت سے بہت کم تعلق ہے۔ اگر اس دوران میں کوئی تاریخی لوح میسر آجائے تو توقع کی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا زمانہ اور بھی ٹھیک ثابت ہو جائیگا

سونا ارضی اثرات سے ہمیشہ محفوظ رہتا ہے اس پر زنگ کا اثر نہیں ہوتا اور نہ مٹی کی شوریت اسے بد وضع کرتی ہے اس لئے اس پر جس قدر بھی طویل مدت گزرے اسکی رونق اور ساخت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے یہی سبب ہے کہ اُر کے قبور سے جو اشیاء برآمد ہوئی ہیں ان میں سونے کی چیزیں غیر معمولی تفوق رکھتی ہیں اور ان پر جو نقش زرنگار بنے ہوئے ہیں باوجود اس قدر زمانہ گزرنے کے اُن میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا ہے اور وہ اس وقت اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔

سال گذشتہ اخیر مہینہ میں اُر کی نمائش کا برٹش میوزیم میں افتتاح ہوا جس میں وہ تمام اشیاء جمع کی گئی تھیں جو اُر کے قبرستانوں سے برآمد ہوئی ہیں سنہ رواں کے اوائل میں یہ اشیاء امریکہ میں بغرض نمائش بھیجدی گئی ہیں۔ جب یہاں کی نمائش ختم ہو گی تو بغداد میں ان کی نمائش کیجائے گی۔ اس کے بعد یہ ذخیرہ تقسیم کر دیا جائے گا سب سے پہلے برٹش نمایندے اس سامان کو لے لیں گے جو بغداد میوزیم کے لئے ضروری ہے اس کے بعد بقیہ سامان برٹش میوزیم اور فیلاڈلفیا میوزیم میں بھیجدیا جائے گا۔ ان ذخیرہ میں جو چیزیں تحقیق طلب ہوں گی اور جن کے متعلق مزید معلومات حاصل ہونے کی توقع رہیگی انھیں برٹش میوزیم کے دار التحقیق میں رکھ دیا جائیگا تاکہ ماہران فن وقتاً فوقتاً دیکھیں اور جدید نتائج اخذ کرتے رہیں۔

گذشتہ موسم گرما میں مسٹر وللی WOOLEEY نے انٹی کورن سوسائٹی کے ایک جلسہ میں اُر کی بعض نادر اشیا کو میجک لال ٹین کے ذریعہ مشاہدہ کرایا ہے ان میں بیلوں کے طلائی چہرے، مس کام دوک کے پیالے، ملکہ سوباد کے زیورات، چاندی کا سفینہ، مرصع گلوبند، سنگ نورہ کا ٹکڑا جس پر سواری کا رتھ بنا ہوا ہے مو بد کی تصویر ہاتھ میں گلدان لئے ہوے قابل دید نظارے تھے۔

ہمارے مخدوم نواب عنایت جنگ بہادر جو حیدر آباد کے امرائے عظام سے ہیں عتبات عالیہ کی زیارت کے لئے حال میں عراق کی جانب روانہ ہوے ہیں۔ موصوف تاریخ اور علوم آثار قدیمہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ عراق کے آثار و حقایق سے آپ کو نہایت درجہ دلچسپی ہے اور آپ کا یہ انہماک مہارت فنی کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے اس سے پہلے بھی آپ نے عراق کے تین سفر کئے ہیں اور اُن کے دوران میں بابل۔ نینوی۔ مدائن وغیرہ کے آثار و ابنیہ کا بنظر غائر معائنہ کیا ہے۔ اُر کی گذشتہ کھدائی بھی دیکھی ہے اور وہاں کے کارکنوں کو اپنے معلومات کی بناء پر بعض نکات کی جانب رہنمائی بھی فرمائی ہے نواب صاحب کے اس سفر کا منشا اگرچہ کسب سعادت ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ آپ کا تاریخی اور اثری ذوق بھی اس دوران میں کارفرما رہے گا۔ چنانچہ ہماری استدعا پر نواب صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر موقع ملے تو آپ اُر کی موجودہ حالت کا معائنہ فرمائیں گے۔ نواب صاحب کا قیام عراق میں تقریباً تین مہینے رہے گا اس اثناء میں بغداد کی نمائش کا بھی افتتاح ہو جائے گا اور اس میں جس قدر نادر اور قابل دید اشیاء ہوں گی ان کے فوٹو گراف بھی حاصل کرنے کی آپ کوشش فرمائیں گے۔

اگر نواب صاحب کے مشاہدات تحریری صورت میں ہمیں وصول ہو جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ

اُن کی حالیہ تحقیقات کی نسبت ہم ایک مبسوط مقالہ ہدیۂ ناظرین کریں گے جو نہ صرف گراں قدر معلومات سے مملو رہے گا بلکہ توضیح و تشریح کے لئے اُس کے ساتھ وہ تصاویر بھی شامل کردی جائیں گی جنھیں موصوف بغداد کی نمائش سے حاصل فرمائیں گے۔

حکما اور فلاسفہ کے احوال و اقوال کی نسبت مصنفین اسلام نے جو کتابیں لکھی ہیں اور ان میں صوان الحکمہ ایک ممتاز اور قدیم ترین کتاب ہے ابوسلیمان محمد بن طاہر بن بہرام السجزی نے چوتھی صدی کے اواسط میں اسے تصنیف کیا ہے۔ اس کے تقریبًا سو سال بعد امام ظہیر الدین ابی الحسن علی بن ابوالقاسم زید البیہقی المتوفی ۵۶۵ھ نے اس کا تتمہ لکھا۔ اس تتمہ کا کسی نامعلوم الاسم شخص نے بعہد سلطان ابوسعید بہادر خاں فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا دیباچہ امیر رشید الدین فضل اللہ ہمدانی کے نامور فرزند وزیر غیاث الدین کے نام پر لکھا اصل کتاب مدت ہوئی کہ ناپید ہوگئی ہے۔ اس کے انتخاب کے چند اوراق اس وقت ملتے ہیں جو لکدونو بٹاویہ کی اورنٹیل اکاڈیمی کے کتب خانہ میں موجود ہے تتمہ اور اس کا ترجمہ یہ دونوں بھی اس وقت نایاب ہیں۔ ہمارے مکرم پروفیسر محمد شفیع ایم اے پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور نے بڑی کوشش کے بعد ان کا ایک ایک نسخہ برلن سے مہیا کیا ہے۔ اور نہایت عرق ریزی کے ساتھ ان کی تصحیح و تحشی کرکے اورنٹیل میگزین میں قسط وار شایع کررہے ہیں آیندہ دو قسطوں میں ترجمہ اور متن دونوں تمام ہوجائینگے اس کے بعد دیباچہ اور اسماء و اعلام کے فہرستوں کی اشاعت ہوگی۔

یہ تتمہ تراجم حکماء کی نسبت خاص اہمیت رکھتا ہے علامہ شمس الدین شہرزوری نے اپنی کتاب نزہتہ الارواح فی حدیقتہ الافراح کا اکثر مواد اسی سے حاصل کیا ہے۔ اس میں اُن حکیموں مہندسوں اور طبیبوں کے احوال و اقوال مذکور ہیں جو عہد اسلام میں

گزرے ہیں یا جن کا تذکرہ بیہقی نے چھوڑ دیا یا اختصار کے ساتھ تحریر کیا ہے حکما اور فلاسفہ کے متعلق اسلامی تصنیفات سے اس وقت تک صرف ایک کتاب شائع ہوی ہے جو قاضی اکرم وزیر جمال الدین قفطی کی تاریخ الحکماء کا انتخاب ہے۔ اس کا متن اور شہرزوری کی تصنیف دونوں نایاب اور عام دسترس سے باہر ہیں۔ ایسی حالت میں اس ترجمہ اور اس کے متن کی اشاعت سے نہ صرف فارسی ادبیات میں ایک بیش قیمت کتاب کا اضافہ ہو رہا ہے بلکہ تراجم حکما کی نسبت ایک بے نظیر تصنیف جو اس وقت تک پردۂ خفا میں مستور تھی منظر عام پر آرہی ہے۔

مغرب کے مشہور مشرق شناس سر ایڈورڈ براون آنجہانی نے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے تقریباً دو ہزار پونڈ اس غرض سے وقف کئے تھے کہ اسکی آمدنی سے عربی فارسی کی نادر و نایاب کتابیں شائع کیجائیں۔ چنانچہ اس فنڈ کی تنظیم کیلئے کیمبرج میں ایک بورڈ قائم ہوا۔ مسٹر اے لیوی A. LEVY جو کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی ادبیات کے لکچرار ہیں بورڈ کے سکرٹری مقرر ہوے۔ ۱۹۲۷ء کے وسطی زمانہ سے اسکے کاروبار کا آغاز کیا گیا اور سب سے پہلے کتاب زین الاخبار اشاعت کے لئے منتخب ہوی جو گذشتہ سال برلن کے مطبع ایران شہر میں طبع ہو کر حال میں شائع ہوی ہے اس کتاب کا ایک نسخہ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کے الطاف کریمانہ کی بدولت ہمیں بھی میسر آیا ہے جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ہمارے مہربان ڈاکٹر محمد ناظم ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے بزمانہ قیام انگلستان اڈیٹ کیا ہے۔

یہ کتاب سلطان زین الدین عبدالرشید بن مسعود بن محمود غزنوی کے عہد میں سنہ ۴۴۳ھ کے قریب تصنیف ہوی ہے اس کے مصنف کا نام ابوسعید عبدالحی

بن ضحاک بن محمود گردیزی ہے۔ مصنف کا حال کسی کتاب میں نہیں ملتا تاہم اس قدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ مشہور حکیم ابوریحان البیرونی کے ساتھ اس کے دوستانہ مراسم تھے۔ اور غزنین کے دربار سے بھی تعلق و توسل تھا یہ کتاب شہنشاہ اکبر کے عہد تک گمنامی میں پڑی ہوی تھی۔ بقول ایڈیٹر کے سب سے پہلے ملا نظام الدین احمد بخشی اور حکیم محمد قاسم فرشتہ نے طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں اس کا ذکر کیا جس کے باعث دنیا کو اس کے وجود کا علم ہوا۔

اس وقت تک دنیا میں اس کے صرف دو نسخے دریافت ہوے ہیں۔ ایک کیمبرج کی کنگ کالج لائبریری میں دوسرا اکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری میں ان دونوں کو باہم مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بوڈلین کا نسخہ کیمبرج والے نسخہ کی نقل ہے کیمبرج کا نسخہ بھی زیادہ قدیم نہیں ہے غالباً ۹۳۰ھ میں یا اس سے کچھ عرصہ قبل مکتوب ہوا ہے اور بغیر کسی تمہید کے قدمائے ایران کے حالات سے اسکی ابتدا ہوی ہے۔ کیانیوں اشکانیوں اور ساسانیوں کے احوال کے بعد کئی باب تلف ہو گئے ہیں پھر خلفائے اسلام اور امرائے خراسان کا تذکرہ شروع ہو گیا۔ اس کے بعد ان سلاطین ایران کے حالات مذکور ہیں جو خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں گزرے ہیں آخر کتاب میں یہودیوں عیسائیوں ہندوؤں اور ترکوں کے مراسم و معارف کا تذکرہ مرقوم ہے۔ موجودہ نسخہ میں صرف سلاطین ایران کے حالات چھاپے گئے ہیں باقی ابواب کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسکی ابتدا امیر طاہر بن حسین سے ہوی ہے خاتمہ مودود بن مسعود بن محمود غزنوی کے احوال پر ہوا ہے اس تقریب سے آل طاہر۔ آل صفار۔ آل ساماں اور آل ناصر کے اکیس بادشاہوں کا مفصل تذکرہ اس میں آ گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کا بہترین حصہ یہی ہے اور اس سے ان واقعات کی بخوبی تصدیق و تکذیب ہوتی ہے جو مورخین مابعد نے تحریر کئے ہیں۔

دکن کی علمی ترقیاں

سلاطین قطب شاہیہ کے عہد میں

از حکیم سید شمس اللہ قادری

سیاسی انقلابات

نویں صدی کے خاتمہ پر کوہ بندھیاچل کے نیچے ایسے انقلابات پیش آئے کہ مسلمانان دکن کا پہلا دور ختم ہو کر ایک نیا دور شروع ہوا۔ بہمنیوں کی عظیم الشان سلطنت جو دو صدیوں تک شاہان دہلی کی مد مقابل بنی ہوئی تھی تباہ ہوگئی اور اس کے بڑے بڑے سرداروں نے ملک کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ جس کے باعث پانچ چھوٹی چھوٹی حکومتوں کا ظہور ہوا۔

۱۔	برار	میں	عماد شاہی سلطنت	سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۹۸۲ھ
۲	احمد نگر	میں	نظام شاہی سلطنت	سنہ ۸۹۱ھ	سنہ ۱۰۲۲ھ
۳	بیدر	میں	برید شاہی سلطنت	سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۱۰۱۸ھ
۴	بیجاپور	میں	عادل شاہی سلطنت	سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۱۰۹۷ھ
۵	گولکنڈہ	میں	قطب شاہی سلطنت	سنہ ۹۲۴ھ	سنہ ۱۰۹۸ھ

ان خاندانوں میں دو صدیوں تک حکومت رہی ہے۔ ان کی عملداری شمال میں بندھیاچل سے شروع ہوتی تھی۔ جنوب میں کرشنا کے نیچے دور تک جنوب کا بہت سا علاقہ ان کے قبضہ و تصرف میں تھا۔ مغرب و مشرق میں سمندر تک ان کے مقبوضات پھیلے ہوئے تھے

سلاطین قطب شاہیہ کے ابا و اجداد و ان کی حکومت ایران کا تذکرہ

سلطان محمد قطب شاہ نے اپنے دست خاص سے سلطنت قطب شاہیہ کے بانی سلطان قلی قطب شاہ کا نسب نامہ اس طرح تحریر کیا ہے "سلطان قلی قطب الملک بن اویس قلی بن پیر قلی بن الوند بیگ بن مرزا اسکندر بن قرا یوسف بن قرا محمد ترکمان"[1]

قرا محمد ترکمانوں کے قبیلہ قراقویونلو کا سردار تھا۔ تیمور کے خروج سے مدت پہلے آرمینیہ میں دریائے وان کے نیچے ترکمانوں کے دو قبیلے آباد تھے۔ ان کے پرچموں پر سیاہ و سفید مینڈھوں کی تصویریں ہوا کرتی تھیں اس لئے ان کا نام قراقویونلو اور آق قویونلو مشہور ہو گیا تھا۔[2] پہلا قبیلہ قراقویونلو زیادہ طاقت ور اور با اثر تھا جس کے باعث اس کے سردار قرا محمد نے سلطان حسین جلائر سے رابطۂ اتحاد قائم کر کے آرمینیہ اور آذربائیجان میں اپنی حکومت قائم کر لی جس پر اس کی اولاد ۸۷۳ھ تک حکمراں رہی۔ امیر تیمور نے یورش کر کے قرا یوسف (۷۹۱ھ تا ۸۲۳ھ) کے زمانہ میں تمام ملک فتح کر لیا۔ اور قرا یوسف فرار ہو کر مصر میں پناہ گیر ہوا۔ ۸۰۷ھ میں جب امیر تیمور کا انتقال ہوا تو قرا یوسف نے مصر سے مراجعت کی اور اپنی سابقہ حکومت پر قابض و متصرف ہو گیا۔ اس کے بعد قزوین۔ ہمدان اور اصفہان فتح کئے۔ ۸۱۴ھ میں سلطان احمد جلائر کو مار کر بغداد پر قبضہ کر لیا۔

۸۲۳ھ میں قرا یوسف نے انتقال کیا اس کے بعد اس کا لڑکا مرزا اسکندر تخت پر بیٹھا۔ اس نے کم و بیش اٹھارہ سال حکومت کی اس کے بعد اس کا بھائی جہاں شاہ برسر حکومت آیا۔ جہاں شاہ کو شاہ رخ بن تیمور نے تخت نشین کیا تھا اس لئے شاہ رخ جب تک زندہ رہا جہاں شاہ اس کا مطیع و فرماں بردار رہا۔ ۸۵۰ھ میں جب اس کا انتقال ہو گیا تو جہاں شاہ نے آزادی حاصل کر لی۔ اور شاہ رخ کی اولاد سے ملک کے لئے لڑائیاں شروع

---

[1] نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ میں قطب شاہی کتب خانہ کے کنز اللغات کا ایک نسخہ موجود ہے اس کے سرورق پر محمد قطب شاہ نے اپنا شجرۂ نسب اپنے ہاتھ سے تحریر کر دیا ہے۔

[2] ان قبایل کے حالات کتب ذیل میں ملاحظہ فرمائیے تکملہ روضۃ الصفا نوشتہ رضا قلی خاں ہدایت۔ مراۃ العالم۔ حبیب السیر وغیرہ۔

کیں۔ اس پُر آشوب زمانہ سے فائدہ اٹھا کر مرزا اسکندر کے فرزند مرزا الوند بیگ نے سیستان
و کرمان پر قبضہ کر لیا۔ سنہ ۸۶۱ھ میں جب مرزا بابر نے انتقال کیا تو ہرات پر جہاں شاہ
کا قبضہ ہو گیا۔ اس فتح کے بعد آذربائیجان سے خراسان تک تمام ملک جہاں شاہ کے
قبضہ میں آگیا۔ اسی زمانہ میں جہاں شاہ نے اپنے لڑکے مرزا یوسف کی دختر ہما بیگم کا
عقد مرزا الوند کے لڑکے پیر قلی سے کر دیا اور اس قرابت کے بعد کرمان و سیستان کے عوض ہمدان
کا علاقہ مرزا الوند کو دیکر اُسے اپنا مطیع بنا لیا۔

نویں صدی کے اوائل ایام میں قبیلہ آق قویون لو نے عروج پکڑنا شروع کیا اور دیار بکر
میں اپنی چھوٹی سی حکومت قائم کر لی۔ اس قوم کے سردار حسن بیگ نے سنہ ۸۶۱ھ میں عنان حکومت
اپنے ہاتھ میں لی تو اس کے مقبوضات میں روز افزوں وسعت ہونے لگی۔ جہاں شاہ نے اسکے
استیصال کی بہت کوشش کی۔ لیکن کامیابی نہیں ہوی۔ حسن بیگ نے سنہ ۸۷۲ھ ہجری میں
جہاں شاہ کو مار ڈالا جس کی وجہ سے ملک آق قویونلو کے تصرف میں آگیا اور قرا قویون لو
قبیلہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ہمدان میں الوند مرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے بعد اس کا لڑکا اویس قلی یکے بعد
دیگرے بر سر حکومت ہوے۔ حسن بیگ نے اگرچہ قرا قویون لو شہزادوں کا استیصال کر دیا۔
لیکن پیر قلی اور اس کی اولاد سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا اور یہ لوگ بلا تکلف ہمدان میں
حکومت کرتے رہے حسن بیگ کے بعد سلطان یعقوب بیگ برسر حکومت ہوا تو اس نے
قرا قویون لو شہزادوں کی تفتیش شروع کی۔ اور انھیں چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔
اویس قلی نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے لڑکے سلطان قلی کو اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ
ہندوستان بھیجدیا۔ تاکہ دشمن کی شمشیر سے محفوظ رہے۔

سلطان قلی کا دکن میں آنا اور سلطنت قطب شاہی کا قائم کرنا۔

اللہ قلی اپنے بھتیجے سلطان قلی کو لیکر بحر فارس سے ہوتا ہوا دابل کی راہ سے
دکن میں آیا اور سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر پہونچا۔ محمود شاہ۔ اللہ قلی

کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آیا اور وہ کچھ عرصہ تک بیدر میں رہنے کے بعد ایران کو واپس چلا گیا۔ لیکن محمود شاہ نے سلطان قلی کو واپس جانے نہ دیا اور اُسے شاہی چیلوں میں شامل کر کے اپنے یہاں رکھ لیا۔ سلطان قلی بہت جلد بادشاہ کا منظور نظر ہوگیا۔ اور بادشاہ نے ۹۰۱ھ میں اُسے قطب الملک کا خطاب دیکر تلنگانہ کا طرف دار بنادیا۔

سلطان قلی چوبیس سال تک صوبہ دار کی حیثیت سے تلنگانہ میں حکومت کرتا رہا۔ ۹۲۴ھ میں جب محمود شاہ بہمنی کا انتقال ہوگیا اور سلطنت بہمنیہ مختلف سرداروں میں منقسم ہوکر تباہ ہوگئی تو سلطان قلی نے بھی آزادی حاصل کرلی اور قطب شاہ کا لقب اختیار کرکے گولکنڈہ کو اپنا مستقر حکومت قرار دیا۔

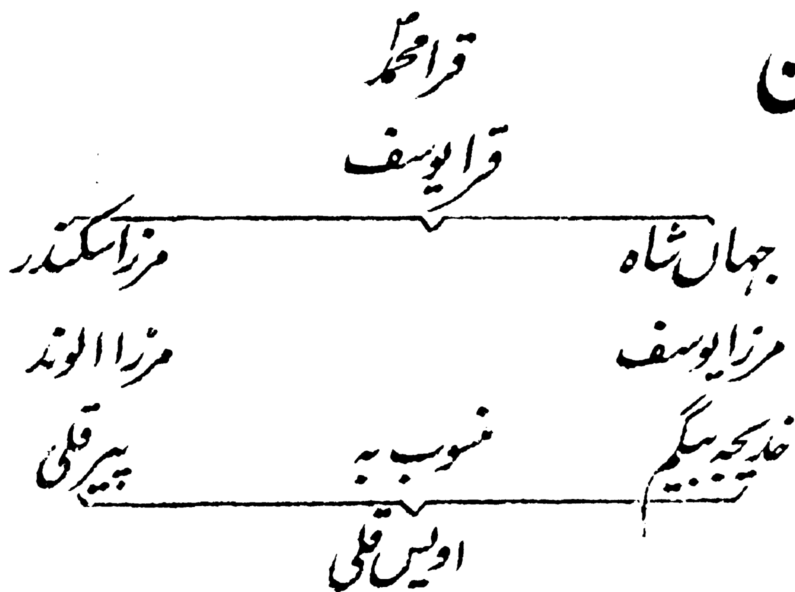
سلطان قلی کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کم وبیش دوسو سال حکومت قائم رہی۔ ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب عالمگیر نے حیدرآباد فتح کرلیا تو قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

سلاطین قطب شاہیہ

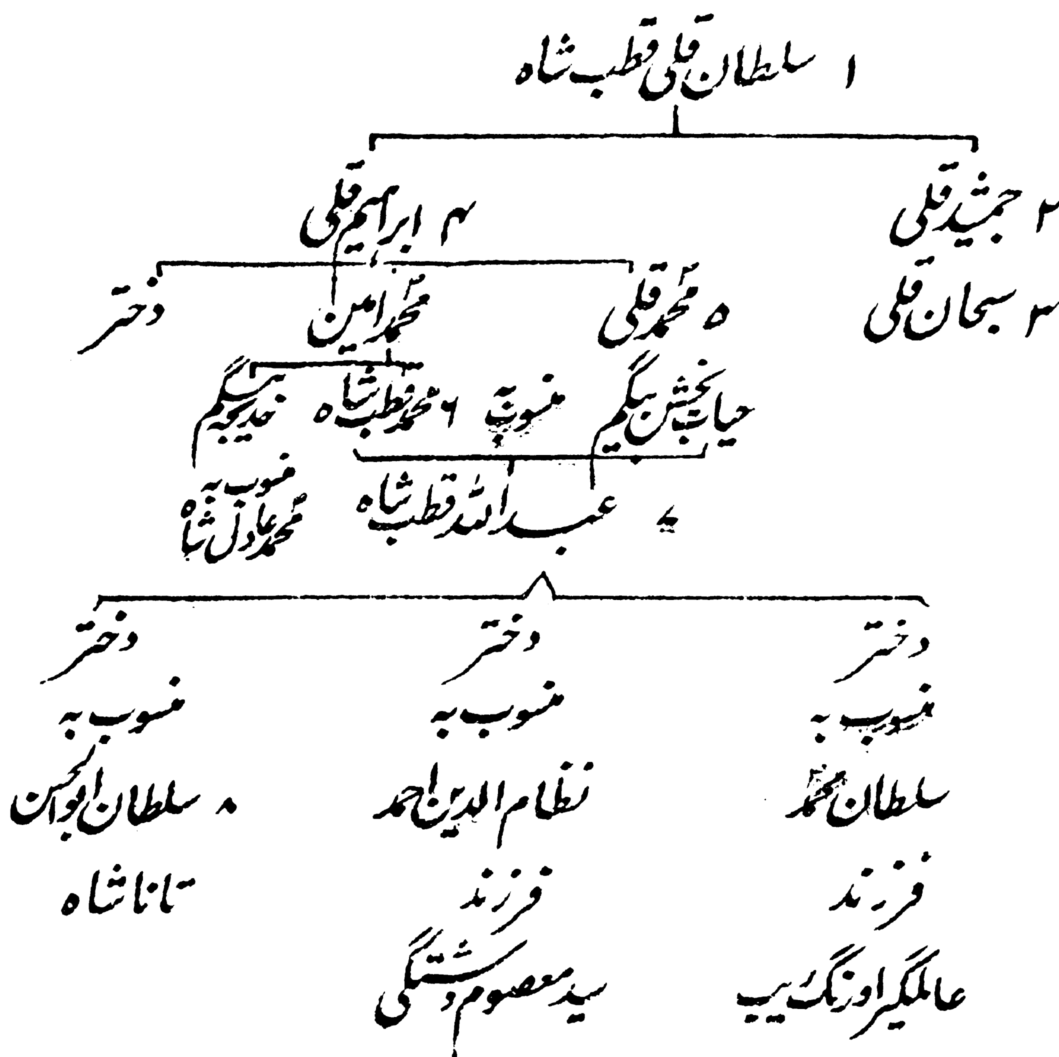
		ولادت	جلوس	وفات
۱	سلطان قلی قطب شاہ	سنہ [illegible]	۹۲۴ھ	۱۰ جمادی الثانی ۹۵۰ھ ۲ ستمبر ۱۵۴۳ء
۲	جمشید قلی		۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء	۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء
۳	سبحان قلی	۹۵۰ھ	۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء	
۴	ابراہیم قلی	شوال ۹۳۶ھ جون ۱۵۳۰ء	۱۲ رجب ۹۵۷ھ ۲۷ جولائی ۱۵۵۰ء	۲۱ ربیع الثانی ۹۸۸ھ ۵ جون ۱۵۸۰ء
۵	محمد قلی	۱۴ رمضان ۹۷۳ھ ۱۵ اپریل ۱۵۶۶ء	۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء	۱۷ ذی القعدہ ۱۰۲۰ھ ۱۱ جنوری ۱۶۱۲ء
۶	محمد قطب شاہ	۲۳ رجب ۱۰۰۰ھ ۱۵ اپریل ۱۵۹۳ء	۱۰ ذی القعدہ ۱۰۲۰ھ ۱۱ جنوری ۱۶۱۲ء	۱۳ جمادی الاول ۱۰۳۵ھ ۱ فروری ۱۶۲۶ء
۷	عبداللہ قطب شاہ	۲۹ شوال ۱۰۲۳ھ ۱۲ نومبر ۱۶۱۴ء	۱۴ جمادی الاول ۱۰۳۵ھ ۲ فروری ۱۶۲۶ء	۳ محرم ۱۰۸۳ھ ۲۱ اپریل ۱۶۷۲ء
۸	ابوالحسن تانا شاہ		۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ء	

شجرہ نسب

سلاطین ایران



سلاطین گولکنڈہ



دکن کے مراکز حکومت اور انکی تمدنی حالت

دسویں صدی کے اوائل میں جبکہ قطب شاہی خاندان کا ظہور ہوا ہے۔ ہندوستان میں دہلی کی عظیم الشان سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ مختلف صوبے مختلف حکمراں خاندانوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ بنگالہ۔ کشمیر۔ مالوہ۔ گجرات وغیرہ مقامات میں خود مختار حکومتیں قائم تھیں۔ دکن میں بہمنیوں کے جانشین عماد شاہ۔ برید شاہ نظام شاہ۔ عادل شاہ آزادی کے ساتھ حکومت کر رہے تھے اور اس طوائف الملوکی نے ملک میں متعدد مرکز قائم کر دئے تھے۔ عالیشان محلات۔ دربار کی زیب و زینت کے ساز و سامان۔ شاہانہ تزک و احتشام کے لوازم، انتظام مملکت کے لئے محکمے۔ حفاظت و مدافعت کے لئے بڑی بڑی فوجیں، ہر مرکز کے لئے لازمی تھیں۔ انکی کثرت و فراوانی کے لئے ہر حکمراں غائت درجہ کوشاں رہا کرتا تھا تاکہ اس کا جاہ و جلال معاصرین پر سبقت لیجائے۔ ان کوششوں کے باعث ملک کے تمدن و تہذیب میں ایک تازہ روح پیدا ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مال و دولت شان و شوکت صنعت و تجارت اور علم و ادب کو ملک میں اس سرے سے اس سرے تک کمال عروج حاصل ہو گیا۔

سلاطین قطب شاہیہ کی خصوصیات

دکن کے ملوک الطوائف میں عادل شاہ۔ اور قطب شاہ علم و ادب کی سرپرستی کے لئے خاص شہرت رکھتے تھے ان کی دولت مندی اور شان و شوکت بھی دوسروں سے بڑھی ہوی تھی لیکن بعض وجوہات سے سلاطین قطب شاہیہ کو تفوق حاصل تھا ان کا آبائی وطن ایران تھا شاہان صفویہ کی طرح مذہب امامیہ کے پابند اور علما و فضلا کے بڑے قدر دان تھے۔ شعر و شاعری سے بھی ان کو دلچسپی تھی۔ اکثر بادشاہ خود بھی شاعر تھے اور شعر خوب کہا کرتے تھے۔

قطب شاہیوں کے عہد میں تلنگانہ ایران کا نمونہ بن گیا تھا

ان اسباب نے قطب شاہی دربار کو ارباب کمال کا مرکز و ماوئی بنا دیا تھا۔ علمائے شیعہ کی جماعت کثیر ایران اور عراق سے آکر حیدرآباد میں جمع ہو گئی تھی۔ ایرانی شعرا کا بھی کافی مجمع تھا اور اس کی وجہ سے تلنگانہ ایران کا نمونہ بن گیا تھا۔

اور اس کے دار الحکومت حیدر آباد کی وہی کیفیت تھی۔ جو صفویوں کی وجہ سے اصفہان میں پیدا ہو گئی تھی۔ مشہور شاعر مومن استر آبادی نے جو قصاید سلطان محمد قطب شاہ کی مدح میں لکھے ہیں ان میں انھوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے[1]

یادگار جد و عم سلطاں محمد قطب شاہ — آنکہ ہندوستاں زفیضش گشتہ ایران نوی

سرمہ شد خاک تلنگانہ ز فرخ پایے تو — اے فدائے خاک پاکت ہر زماں جان نوی

گر صفاہاں نو شد از شاہ جہاں عباس شاہ — حیدر آباد از تو شد شاہا صفاہان نوی

سلاطین قطب شاہیہ کے تعلقات شاہان صفویہ کے ساتھ

سلاطین قطب شاہیہ نے شاہان صفویہ کے ساتھ ابتدائی زمانہ سے ربط و ضبط پیدا کر لیا تھا ایرانی سفرا کی گولکنڈہ میں اور قطب شاہی سفرا کی ایران میں ہمیشہ آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ تحفے تحایف اور رسل و رسایل کے بھیجنے کا سلسلہ عبد اللہ قطب شاہ کے اخیر زمانہ تک دونوں طرف سے برابر جاری تھا۔ شاہان صفویہ اپنے مکاتیب میں سلاطین قطب شاہیہ کو "سلطان" کے لقب سے مخاطب کیا کرتے تھے چنانچہ شاہ عباس ماضی کے سفیر اغزلو سلطان نے جو مکتوب لایا تھا اس میں محمد قلی کو سلطان محمد قلی قطب شاہ کے لقب سے شاہ عباس نے یاد کیا ہے[2] اور ایسا ہی لقب محمد قطب شاہ کے لئے اس مکتوب میں استعمال ہوا ہے۔ جو محمد قلی قطب شاہ کی وفات کے بعد تعزیت و تہنیت کی غرض سے شاہ عباس نے حسین فہجی کے ہاتھ گولکنڈہ بھیجا تھا[3] اس مکتوب کا عنوان اس طرح شروع ہوا ہے

عالی حضرت سلطنت و معدلت پناہ شوکت و عظمت دستگاہ

ابہت و جلالت انتباہ جالس سریر سلطنت و کامگاری،

شایستہ مسند سروری و جہانداری، المخصوص بعنایت ملک الالہ

نظام السلطنۃ والایالت والشوکت والعظمت والابہت

والنصفت العز والاجلال سلطان محمد قطب شاہ

---

[1] حدیقۃ العالم ج اول صفحہ ۲۶۱ [2] حدیقۃ العالم ج اول صفحہ ۲۴۵ [3] حدیقۃ العالم ج اول صفحہ ۲۶۹

سلاطین قطب شاہیہ کے مرکز حکومت

سلاطین قطب شاہیہ کا دار الحکومت ابتدائی زمانہ میں گولکنڈہ تھا۔ دربار مغلیہ کے وقائع نگاروں کا بیان ہے کہ اس کو ازمنہ سابقہ میں مانکل کہا کرتے تھے اور یہاں ایک ہندو راجہ دیورائے کی حکومت تھی[۱] بعد میں راجگان ورنگل اس مقام پر قابض ہو گئے[۲] ۷۶۴ھ میں ورنگل کے راجہ ناگ دیو اور سلطان محمد شاہ بہمنی کے مابین لڑائی ہوئی تو اس معرکہ میں یہ مقام مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا[۳] اس زمانہ سے ورنگل کے راجاؤں نے اسے سلطنت بہمنیہ کی سرحد قرار دیا۔ سلطان محمد شاہ بہمنی نے ۹۰۱ھ میں سلطان قلی کو قطب الملک کا خطاب دیکر تلنگانہ کا طرف دار مقرر کیا تو اس نے گولکنڈہ کو اپنا صدر مقام بنایا[۴] ۹۲۴ھ میں جب اس نے آزادی حاصل کی تو اسی مقام کو اپنا دار السلطنت قرار دیکر محمد نگر اس کا نام رکھا[۵] جو سلطان محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ تک سلاطین قطب شاہیہ کا دار الحکومت رہا۔

حیدرآباد

سلطان محمد قلی نے جلوس کے دسویں سال ۹۹۸ھ میں گولکنڈہ سے جانب مشرق چار کوس کے فاصلہ پر ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی اور اسے حیدر آباد کے نام سے نامزد کر کے اپنا دار الحکومت قرار دیا[۶] ایک ہندو طوائف جس کا نام بھاگ متی تھا محمد قلی کی معشوقہ تھی یہ بڑی شان و شوکت اور طمطراق کی عورت تھی امرائے کبار کے مساوی اس کا رتبہ تھا جب اسکی سواری نکلتی تو ہزار سوار اس کے جلو میں چلا کرتے تھے[۷] بادشاہ نے اسے حیدر محل کا خطاب دے رکھا تھا۔ جدید شہر چونکہ اسی کی تحریک سے آباد ہوا تھا اس لئے بادشاہ نے اسی کے نام پر اس کا نام حیدر آباد رکھ دیا لیکن عوام میں یہ عورت اپنے اصلی نام بھاگ متی سے مشہور تھی اس لئے شہر بھی اسی نام سے منسوب ہو کر بھاگ نگر مشہور ہو گیا اور مغلیہ عملداری تک اس کا اصلی نام عام طور پر شہرت نہ پا سکا۔

---

[۱] ماثر عالمگیری صفحہ ۲۴۱ [۲] تاریخ فرشتہ ج اول صفحہ ۲۸۷ [۳] حدیقۃ العالم ج اول صفحہ ۲۱
[۴] حدیقۃ العالم ج اول صفحہ ۲۲ [۵] تاریخ قطب شاہی قلمی [۶] تاریخ فرشتہ ج دوم صفحہ ۱۷۱

حیدر آباد کی وسعت اور خوبصورتی کی نسبت مورخ فرشتہ کا بیان

حیدر آباد کی آبادی کے سترہ سال بعد مورخ محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ لکھی ہے اس میں ایک موقع پر اس کا ذکر اس طرح تحریر کیا ہے:-

دراں ایام از زبونی آب و ہوائے گلکنڈہ خلایق متنفر و پراندہ بودند قطب شاہ در چہار کروہ بلدہ مذکور شہرے کہ در تمامی ہندوستان شرقاً غرباً جنوباً شمالاً مثل آں در لطافت و صفا ہرگز یافت نمی شود بنا نمودہ دار الملک خود ساختہ موسوم بہ بھاگ نگر گردانیدہ و در آخر از اں نام پشیماں گشتہ موسوم بہ حیدر آباد ساختہ لیکن درمیان خلایق مشہور بہ بھاگ نگر ست نہ حیدر آباد و درا و قریب پنج کروہ ست بازارہا بخلاف سایر بلاد ہندوستان بطرح واقع شدہ در غایت وسعت و صفا بخلاف آب و ہوا تندرست دارد و با مسافر و مجاور دم در موافقت و سازگاری می زند و اکثر بازارہائے او از دو طرف جدولہائے آب رواں ست و در کنار جدولہا درختان سایہ دار نشاندہ و دکاکین را در کمال مطبوعی از سنگ و گچ ساختہ اند۔ منازل بادشاہی بنوعی ساختہ و پرداختہ شدہ است کہ مسافران اقالیم سبعہ قرین آں در ہیچ ملک نشان نمی دہند[1]

قطب شاہی عہد میں حیدر آباد کی آبادی

اس زمانہ میں حیدر آباد ہندوستان کے ممتاز ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اور اس کی آبادی چاروں طرف دس دس کوس تک پھیلی ہوئی ہے۔ عبد اللہ قطب شاہ کے زمانہ میں دو فرانسیسی سیاح تھیونو اور ٹیورنیئر حیدر آباد میں آئے ہوئے تھے انکی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے باشندوں میں ہندوستانیوں کی تعداد زیادہ تھی ان کے بعد ایرانی مغل اور تاتاری تھے تھوڑی ہی تعداد حبشیوں آرمینیوں اور اہل یورپ کی بھی تھی خاص حیدر آباد میں چالیس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادے شاہی لشکر کے رہا کرتے تھے۔ قریب قریب اسی قدر تعداد اہل ہنر اور دستکار لوگوں

[1] تاریخ فرشتہ ج دوم ص ۱۶۳

کی تھی ان کے علاوہ امرا و علما اور ان کے خدام اور دیگر خوش باش باشندے تھے۔

حیدرآباد کی تجارت

حیدرآباد تمام دکن کا تجارتی مرکز تھا۔ یہاں اطراف عالم کے تجار آیا کرتے تھے سلطان عبداللہ کی اجازت سے ڈچوں نے بھی حیدرآباد میں ایک تجارتی کمپنی قائم کی تھی جس میں موسلی پٹم کے راستے سے بیرونی اشیاء آتے تھے اور یہاں سے چھینٹ وغیرہ کپڑا باہر جایا کرتا تھا۔

ہیروں کی سرزمین

ہیروں کی تجارت نے حیدرآباد کو ساری دنیا میں مشہور کر دیا تھا۔ اور یہاں کی کانوں سے ہیروں کی اس قدر کثیر مقدار برآمد ہوا کرتی تھی کہ بہ قول پرتگالی سیاح گارشیا دی آرٹا کے حیدرآباد کا ملک اس وقت یورپ میں ہیروں کی سرزمین کہلاتا تھا۔

سلطان قلی قطب شاہ ۹۲۴ تا ۹۵۰ھ

سلطان قلی کے اثر و محاسن

سلطان قلی قطب شاہ بڑا ہی عابد اور ذی علم بادشاہ گزرا ہے اس کو سیاق و سباق میں خاص مہارت تھی۔ اسی وجہ سے سلطان محمود شاہ بہمنی کا منظور نظر ہو گیا تھا۔ دکن کے ملوک الطوائف کو اہل دکن "ملک" کہا کرتے تھے۔ سلطان قلی کی حیثیت ان میں سب سے بلند تھی اس لئے اس کا لقب بڑا ملک مشہور ہو گیا تھا[1]۔ چنانچہ اس کی قبر پر تاریخ وفات کا جو کتبہ کندہ ہے اس پر بھی یہ لقب درج ہے[2]۔

سلطان قلی شیعہ تھا اس کے آبا و اجداد بھی اسی مذہب کے پابند تھے اس کو جب تلنگانہ کی حکومت مل گئی تو اپنے علاقہ میں مذہب شیعہ کی اشاعت کا آغاز کیا۔ اور گولکنڈہ کی جامع مسجد میں ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے نام سے خطبہ پڑھوایا۔ شاہ

---

[1] حقیقت الاقالیم جلد اول ص ۳۰۴

[2] لینڈ مارکس آف دی دکن صفحہ ۱۱۲

اسمعیل صفوی کو اپنا مرشد زادہ سمجھتا تھا اسی لئے اس کا نام اپنے نام سے پہلے خطبہ میں داخل کیا۔

سلطان قلی کا زیادہ وقت عبادت اور تلاوت کلام الٰہی میں صرف ہوا کرتا تھا قلعہ کے دامن میں اس نے ایک مسجد ۹۲۴ھ میں تعمیر کرائی تی اسے مسجد صفا کے نام سے موسوم کیا تھا اور پانچ وقت اسی میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ ۲ جمادی الثانی ۹۵۰ھ کو عصر کے وقت اسی مسجد میں بحالت نماز میر محمود ہمدانی نے نہایت سفاکی کے ساتھ اس نیک دل بادشاہ کو شہید کر دیا۔ اس وقت اس کی عمر ننانوے سال کی تھی[1]

صدر جہاں ملا حسین طبسی

علما اور سادات اس کی مجلس میں روزانہ جمع ہوا کرتے تھے۔ ملا حسین الطبسی جو مشہور عالم ہے اس کے دربار کا صدر جہاں تھا دکن میں اس وقت قاضی القضاۃ کو صدر جہاں کہا کرتے تھے اور اس کے ذمہ فصل خصومات کے تمام شعبے ہوا کرتے تھے صدر جہاں کو سلطان قلی کی حضور میں بے حد رسوخ حاصل تھا اور بادشاہ اپنی زندگی کے گذشتہ واقعات اکثر اوقات اس سے بیان کیا کرتا تھا۔ صدر جہاں نے جو واقعات سلطان قلی کی زبانی سنے تھے۔ انھیں تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب مرغوب القلوب میں تحریر کیا ہے یہ کتاب اگرچہ کہ اس وقت ناپید ہو گئی ہے لیکن سلطان محمد قطب شاہ کے حکم سے جو تاریخ لکھی گئی ہے اس میں اس کا اقتباس منقول ہے۔

جمشید قلی قطب شاہ ۹۵۰ھ ۹۵۷ھ

جمشید قلی کی شاعری

سلطان قلی کا جانشین جمشید قلی شعر و سخن کا بڑا دلدادہ تھا اس کے دربار میں ایران کے اکثر شعرا جمع تھے ملا محمد شریف کو اس نے دربار کا ملک الشعراء مقرر کیا تھا۔

---

[1] حدیقۃ العالم ج اول صفحہ ۸۳-۸۴

بادشاہ خود بھی شعر خوب کہا کرتا تھا جمشید اس کا تخلص تھا تاریخ قطب شاہی میں اس کے بہت سے اشعار منقول ہیں۔ جن سے انتخاب کرکے چند اشعار ہم ذیل میں درج کرتے ہیں

جمشید کے اشعار

بی لب لعل بتاں بادہ حرام ست مرا — لب میگوں بنما چوں سر جام ست مرا
با سر زلف تو سودائے سیاہی دارم — ایں چہ سوداست کہ با زلف چو شام ست مرا
بر سر کاکل تو مرغ دلم بند شدہ است — خال تو دانہ و آں زلف چو دام ست مرا
ہر زماں از پئی دیدار تو ایم بدرست — بر سر کوئی بلائے تو مقام ست مرا
ترک ایں کار نخواہم من بیدل کردن — من کہ جمشیدم و ایں کار تمام است مرا

آں پری روے بہ بینید چساں می آید — دل ز من بردہ کنوں از پئے جاں می آید
جاں بہ سودائے تو دادیم کہ سودیست بہ ہم — ایں چہ سوداست کہ دایم بزباں می آید
زاں سبب آرزوئی سوختن شمعم شد — کہ چو من شعلۂ آہش بزباں می آید
چو بہ بینند بتاں از سر نازم گویند — عاشق دل شدہ جمشید جہاں می آید

یار جفائے جز تو نگاری نمی کشم — غیر از جفا و جور تو یاری نمی کشم

ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ھ سنہ ۹۸۸ھ)

ابراہیم قطب شاہ کے کارنمایاں

جمشید قلی کے بعد اس کا خورد سال لڑکا سبحان قلی تخت نشین ہوا لیکن ابراہیم نے اسے معزول کرکے تخت پر اپنا قبضہ کرلیا۔ اور اکتیس سال نہایت کامیابی اور کامرانی کے ساتھ حکومت کی۔ بڑا ہوشیار، مدبر اور سخی بادشاہ ہوا ہے۔ غیر ممالک کے تجار اس کے یہاں تحفے تحایف پیش کرتے تو انھیں قیمت سے بہت زیادہ انعام ملا کرتا تھا جکے

باعث مختلف ممالک کے بہتر سے بہتر اور نفیس سے نفیس اشیاء اس کے یہاں روزانہ آیا کرتی تھیں[۱] اس کی سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب تخت نشین ہوا تو بارہ ہزار ہون طلائی فقرا اور مساکین کو تقسیم کئے۔ اس کے مطبخ میں روزانہ انواع و اقسام کی نعمتیں پکتیں اور صبح سے شام تک شاہی دسترخوان پر امیر و غریب سب کھایا کرتے تھے

ملک میں امن و امان اس کے زمانہ میں رعایا کو ہر طرح کا امن و امان تھا چور اور رہزن ملک سے معدوم ہو گئے تھے ایک شخص مال و دولت لیکر **گولکنڈہ** سے بنگالہ یا بیجاپور اور احمد نگر تک بدرقہ اور قافلہ کے بغیر چلا جاتا تھا اور راستہ میں کوئی تعرض نہیں کرتا تھا[۲]

مذہبی رواداری اس میں مذہبی اور قومی تعصب مطلق نہ تھا۔ ہندو اور مسلمان دونوں اس کے یہاں مساوی تھے اس نے رائے راؤ نام ایک برہمن کو سلطنت کا وکیل مطلق مقرر کیا تھا سلطنت کا سب سے بڑا عہدہ تھا۔ شریف الملک۔ عزیز الملک برلاس خاں اور **افضل خاں** جو سلطنت کے سپہ سالار تھے اس کے ماتحت تھے بادشاہ نے خود رائے راؤ کے رکاب میں دس ہزار پیادے اور ایک ہزار مشعلچی تعینات کئے تھے جب اسکی سواری نکلتی تو ساتھ نوبت و نقارہ اور ماہی مراتب رہا کرتا تھا۔ پوجہ پات کے لئے پاؤ سیر مشک وعنبر، دو من صندل اور کئی ہزار برگ پان بادشاہ کی طرف سے روزانہ ملا کرتے تھے[۳] رائے راؤ بادشاہ کی حضور میں ہر وقت باریاب رہا کرتا تھا۔ قلعہ سے باہر آنے جانے کی اس کو بہت کم فرصت ملا کرتی تھی اس لئے اس نے قلعہ میں محلات شاہی کے قریب پرستش کے لئے ایک دیول بنا لیا تھا جو بالاحصار کے نیچے مسجد کے پہلو میں واقع ہے اور اس کی سالانہ جاترا اب تک ہوا کرتی ہے۔ اس واقعہ سے مسلمان بادشاہوں کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کا پتہ چلتا ہے[۴]

---

[۱] تاریخ ہندوستان جلد چہارم حصہ دوم صفحہ ۳۲۱ — [۲] حدیقۃ العالم ج اول صفحہ ۲۰۰

[۳] تاریخ جلد دوم صفحہ ۱۷۱ — [۴] قطب شاہی ورق (۱۲۰) حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۱۹۴

ابراہیم قطب شاہ کے کارہائے خیر

ابراہیم نے کارہائے خیر کے بے شمار عمارات بنوائے تھے شفا خانے۔ مدارس اور خانقاہیں جن کی تعداد پانسو سے متجاوز تھی۔ حسین ساگر اور ابراہیم پٹن کے تالاب بدو پلی کا کتوہ۔ دروازہ امام کا لنگرخانہ جس میں روزانہ بارہ ہزار آدمیوں کو دو وقت کھانا کھلایا جاتا تھا۔[1]

ابراہیم قطب شاہ کی اولاد اور ان کے محاسن

ابراہیم کے کئی فرزند تھے اور وہ سب علم و فضل سے آراستہ تھے[2]

(۱) عبدالقادر۔ ابراہیم نے مشہور بزرگ سید محمد گیسو دراز رح کے خاندان میں ایک لڑکی سے عقد کیا تھا اس کے بطن سے یہ لڑکا تولد ہوا اور اسی وجہ سے شاہ صاحب کہلاتا تھا اس کو خوش نویسی اور حسن خط میں کمال حاصل تھا۔

(۲) مرزا حسین قلی۔ اس کو علوم معقول او منطق و فلسفہ میں کمال حاصل تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ میں تالاب نام پلی میں شناوری کرتا ہوا ڈوب کر مر گیا۔ یہ واقعہ محرم ۹۹۲ھ کا ہے۔

(۳) محمد قلی۔ جو باپ کے بعد بر سر حکومت ہوا اس کا تذکرہ آیندہ آئے گا۔

(۴) عبدالفتاح۔ علم تجوید میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ سنہ ... میں بعارضہ صرع اس کا انتقال ہو گیا۔

(۵) محمد خدا بندہ محمد قلی کا حقیقی بھائی تھا۔ سنہ ... میں اس نے بھائی کے خلاف بغاوت کی جس کے باعث گولکنڈہ میں محبوس کر دیا گیا اور محرم سنہ ۱۰۰۲ھ میں انتقال کیا۔

(۶) محمد امین یہ سب سے چھوٹا لڑکا تھا اس کے ساتھ ابراہیم کو بے حد محبت تھی اس کی رسم ختنہ میں بادشاہ نے دو لاکھ ہون صرف کیے تھے۔ ۲۸ شعبان ۱۰۰۴ھ کو اس کا انتقال ہوا ہے۔ اس کا عقد میر مقصود علی کی دختر خانم آغا سے

---

[1] تاریخ فارسی ورق ۱۰۹ [2] حدیقۃ العالم ج اول ص ۲۰۰ [3] حدیقۃ العالم ج ا ص ۱۹۸

ہوا تھا۔ یہ بزرگ سادات طبا طبا سے تھے۔ جن میں واسطوں سے ان کا نسب امام موسی کاظم علیہ السلام تک پہنچتا تھا۔ خانم آغا کے بطن سے دو اولاد تولد ہوئے۔ ایک لڑکا امیر محمد جو سلطان محمد قلی کے بعد برسر حکومت ہوا دوسری لڑکی جس کا نام خدیجہ شہر بانو بیگم تھا اور اس کی شادی محمد عادل شاہ کے ساتھ ہوئی تھی۔

ابراہیم قطب شاہ کا مذاق علمی

ابراہیم قطب شاہ کے ساتھ سفر و حضر میں ہر وقت ارباب فضل و ہنر رہا کرتے تھے اور اسکی مجلس ہا بوں میں مختلف علوم و فنون کے مسائل مہمہ پر بحثیں ہوا کرتی تھیں[1] اس کو تاریخ سے خاص دلچسپی تھی اور شاہان سلف کے واقعات رغبت کے ساتھ سنا کرتا تھا[2] اور اپنے شوق کو پورا کرنے کی خاطر اس نے تاریخ میں دو ضخیم ضخیم کتابیں لکھوائی تھیں ان کے مصنف خورشاہ اور محمد شریف تھے۔

خورشاہ بن قباد الحسینی

خورشاہ بن قباد الحسینی عراق کا باشندہ تھا شاہ طاہر کے باعث دکن میں جب شیعہ مذہب کی اشاعت ہوئی اور برہان نظام شاہ اور اس کی اولاد نے شیعہ مذہب کو قبول کر لیا تو شیعہ مذہب کے علما و اکابر عراق خراسان اور فارس سے آکر احمد نگر میں آباد ہوگئے ان نو واردوں میں خورشاہ بھی شامل تھا۔

ایران میں شاہ اسمعیل صفوی کے بعد شاہ طہماسپ صفوی برسر حکومت ہوا اور اسے اطلاع ملی کہ نظام شاہ نے مذہب شیعہ قبول کر لیا ہے۔ تو بے حد خوشی ہوی اور اس نے مبارک باد دینے کے لئے اپنے سفیر آقا سلیمان طہرانی کو گراں قیمت ہدایا کے ساتھ احمد نگر بھیجا اس سفارت کے جواب میں نظام شاہ کی طرف سے خورشاہ اور شاہ طاہر کی جانب سے ان کے فرزند شاہ حیدر ۹۵۱ھ میں ایران کی سمت روانہ ہوئے یہ جماعت رجب ۹۵۱ھ کو رے میں پہنچی اس کے ایک ماہ بعد

---

[1] حدیقۃ العالم ج ۱ ص ۱۹۹

[2] تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۱۷۰

قزوین میں شاہ طہماسپ سے خورشاہ نے ملاقات کی اور نظام شاہ کے تحفے جنکی قیمت ہزار تومان تھی بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک دربار میں ٹھیرا رہا۔ اور جب بادشاہ گرجستان اور شیروان کے محاصرے میں مصروف ہوا تو ہندوستان کی جانب اس نے مراجعت کی اور احمدنگر کو واپس چلا آیا۔ ۹۵۶ھ میں جب شاہ طاہر کا انتقال ہوگیا تو خورشاہ نے احمدنگر کی سکونت چھوڑ دی اور وہاں سے گولکنڈہ میں آکر قطب شاہ کا متوسل ہوگیا۔

ابراہیم قطب شاہ نے جب دیکھا کہ نظام شاہ نے شاہان صفویہ کے ساتھ تعلقات قائم کرلئے ہیں تو اس نے بھی شاہ طہماسپ کے یہاں ایک سفارت بھیجی اور خورشاہ کو اس کے ہمراہ کردیا۔ اس کے جواب میں شاہ طہماسپ کا سفیر قبا بیگ قورچی ۹۷۱ھ کے اوایل میں قطب شاہ کے دربار میں آیا۔ اس کے ساتھ خورشاہ بھی واپس چلا آیا۔ اور اس کے قریباً ڈیڑھ سال بعد ۵ ذی قعدہ ۹۷۲ھ کو بمقام گولکنڈہ اس کا انتقال ہوگیا۔

خورشاہ کی تاریخ عالم

خورشاہ نے قیام گولکنڈہ کے زمانہ میں تاریخ کی ایک بہت بڑی کتاب لکھی ہے جسمیں ابتدائے آفرینش عالم و آدم سے لے کر ۹۷۱ھ تک ایران و ہندوستان کے حالات تفصیل کے ساتھ درج کئے ہیں۔ اس کے ماخذات کی تفصیل یہ ہے۔

تاریخ طبری۔ جامع الحکایات۔ روضۃ الشہدا۔ عمدۃ الطالب۔ فصول المہمہ فی معرفۃ الائمہ۔ کشف الغمہ۔ تاریخ گزیدہ۔ کتاب المعجم۔ تفسیر شہابی۔ تفسیر کاشفی۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر بیضاوی۔ ظفرنامہ۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر۔ لب التواریخ وغیرہ اس کا دیباچہ ابراہیم قطب شاہ کے نام پر لکھا ہے اور اس میں بادشاہ کا نام ان القاب کے ساتھ تحریر کیا ہے:۔

"معز السلطنۃ والدنیا والدین ہمایون اعظم سمی جلیل اللہ سلطان ابراہیم قطب شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ"

مصنف نے اس کتاب کا کوئی خاص نام نہیں رکھا ہے اس لئے مختلف مصنفین نے اس کے مختلف نام تجویز کئے ہیں موسیو شیفر کے انتخابات میں اس کا نام "تاریخ ایلچی نظام شاہ درج ہے ڈاکٹر ریو نے بھی یہ ہی نام اختیار کیا ہے برگ نے تاریخ خورشاہ کے نام سے ذکر کیا ہے صنیع الدولہ حکیم محمد احسن خاں کے یہاں اس کا جو نسخہ موجود ہے اس کے خاتمہ پر "مخزن التواریخ قطب شاہی" لکھا ہوا ہے۔

خورشاہ کی تاریخ کے مضامین

یہ کتاب ایک مقدمہ اور سات مقالوں پر منقسم ہے۔ ہر مقالہ میں متعدد گفتار ہیں جنکی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مقدمہ اس میں آفرینش عالم و آدم کا تذکرہ ہے۔

مقالہ اول۔ اس میں ملوک قبل از اسلام کے حالات ہیں اور پانچ گفتار پر مشتمل ہے

گفتار اول۔ ملوک پشیدادیہ اور ان کے معاصر انبیا علیہم السلام کا تذکرہ۔

گفتار دوم۔ ملوک کیانیہ اور ان کے معاصر انبیا علیہم السلام کا تذکرہ

گفتار سوم۔ سکندر اعظم ملوک اشکانیہ ملوک الطوائف اور اس عہد کے مشاہیر علما و حکما کے حالات۔

گفتار چہارم۔ ملوک ساسانیہ کے حالات۔

گفتار پنجم۔ ملوک عرب اور قیاصرہ روم کا تذکرہ۔

مقالہ دوم۔ اس میں پانچ گفتار ہیں۔

گفتار اول۔ سیرت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔

گفتار دوم۔ حالات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم۔

گفتار سوم۔ حالات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام۔

گفتار چہارم۔ حالات خلفائے بنی امیہ

گفتار پنجم۔ حالات خلفائے بنی عباس۔

مقالہ سوم۔ ان سلاطین ایران کے حالات جو خلفائے عباسیہ کے معاصر تھے۔

یہ مقالہ تیرہ گفتار پر مشتمل ہے۔

گفتار اول۔ ملوک طاہریہ۔

گفتار دوم۔ ملوک صفاریہ۔

گفتار سوم۔ ملوک سامانیہ۔

گفتار چہارم۔ ملوک بویہ۔

گفتار پنجم۔ ملوک غزنویہ۔

گفتار ششم۔ ملوک غور و غرجستان۔

گفتار ہفتم۔ ملوک اسمٰعیلیہ

(۱) اسمعیلیان مصر (۲) اسمعیلیان ایران۔

گفتار ہشتم۔ ملوک سلجوقیہ۔

(۱) سلاجقہ ایران (۲) سلاجقہ کرمان (۳) سلاجقہ روم۔

گفتار نہم۔ سلاطین نیم روز۔

گفتار دہم۔ سلاطین کرت۔

گفتار یازدہم۔ شاہان خوارزم شاہیہ۔

گفتار دوازدہم۔ شاہان آتابک۔

(۱) آتابکان موصل (۲) آتابکان آذربائیجان۔

(۳) آتابکان فارس (۴) آتابکان لارستان۔

گفتار سیزدہم۔ قراختائیان کرمان۔

مقالہ چہارم۔ سلاطین مغول اور ان کے ہمعصر شاہان ایران کی تاریخ۔

اس میں چار گفتار ہیں۔

(۱) خلجیان بنگالہ (۲) خلجیان مالوہ۔

گفتار چہارم۔ سلاطین گجرات

گفتار پنجم۔ سلاطین بہمنیہ۔

سلاطین بہمنیہ کے حالات محمود شاہ بہمنی کی وفات تک تحریر ہیں جو ۹۲۴ھ میں واقع ہوی ہے۔ اس کے بعد یہ خاندان تباہ ہو گیا۔ اور ملک کو پانچ سرداروں نے تقسیم کر لیا۔ نظام الملک۔ عادل خاں۔ قطب الملک۔ عماد الملک۔ قاسم برید خورشاہ نے اُن کے متعلق ایک علاحدہ کتاب لکھی ہے اور اس کا تذکرہ خاتمہ میں کیا ہے۔

تاریخ فرشتہ میں خورشاہ کی تاریخ کا تذکرہ

مورخ محمد قاسم فرشتہ نے قطب شاہی خاندان کا تذکرہ کرتے ہوے ابتدا میں ایک تمہید لکھی ہے جس میں خورشاہ کی تاریخ کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

"بر واقفان اسرار عالم کون و فساد مخفی و محتجب نماند کہ شاہ خورشاہ نام شخصے از مردم عراق در عہد ابراہیم قطب شاہ در فن تاریخ کتابے مبسوط نوشتہ و نقیر و قطمیر و قایع قطب شاہیہ طرد اللباب در آنجا ذکر کردہ اما در تحریر ایں صحایف در نظر مولف نبود"

خورشاہ کی تاریخ کا اہم حصہ

اس کتاب کے وہ اجزا جن کا تعلق ملوک طبرستان اور شاہان صفویہ سے ہے ایران کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ خورشاہ نے انھیں ذاتی مشاہدات اور ثقہ روایات کی بنا پر تحریر کیا ہے۔ شاہ طہماسپ کا تذکرہ خود بادشاہ کی لکھی ہوی سوانح عمری سے ماخوذ ہے۔ اور جگہ جگہ اس کے اقتباسات خورشاہ نے حرف بحرف نقل کر دئے ہیں اس کی وجہ سے اس کتاب کی قدر و قیمت اور بھی زیادہ ہو گئی ہے۔

اس کتاب کے مقالہ پنجم کی گفتار چہارم کو جس میں طبرستان کی تاریخ ہے۔ موسیو شیفر نے اپنی کتاب منتخبات فارسی میں چھاپ دیا ہے۔ شاہ طہماسپ کی سوانح عمری کے اقتباسات رسالہ ایشیا کی کئی اشاعتوں میں ۱۸۸۶ء سے ۱۸۸۸ء تک

شائع ہوئے ہیں۔

ملا محمد شریف نیشاپوری

محمد شریف سادات نیشاپور سے ہے اس کو تاریخ دانی اور خوش نویسی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ شاعر بھی تھا۔ وقوعی تخلص کیا کرتا تھا۔ ولایت سے گولکنڈہ میں آکر جمشید قطب شاہ کا ملازم ہوا۔ ابراہیم قطب شاہ کی وفات تک گولکنڈہ میں رہا اس کے بعد گجرات چلا گیا۔ شہاب الدین احمد خاں اکبر کی طرف سے وہاں کے صوبہ دار تھے[۱] ان کی ملازمت اختیار کر لی۔ سنہ ۹۹۱ھ میں اعتماد خاں گجرات کا صوبہ دار مقرر ہوا اور شہاب الدین احمد خاں واپس چلے آئے تو ان کے ہمراہ محمد شریف بھی مغلیہ دار السلطنت میں وارد ہوا اور سنہ ۹۹۵ھ میں داخل دربار ہو کر شاہی ملازمین میں شامل ہو گیا۔ سنہ ۱۰۱۱ھ میں بہ مقام لاہور اس نے وفات پائی۔

ملا عبد القادر بدایونی کا بیان ہے کہ محمد شریف ملحد تھا اور اس کا الحاد اس زمانہ کے سارے ملحدوں سے بڑھا ہوا تھا۔ باوجود اس کے ملا صاحب نے اس کی تصنیف سے ایسے بہت سے قصاید دیکھے ہیں جن میں ائمہ اطہار علیہم السلام کے مناقب و محامد مذکور ہیں یہ قصاید اس زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں جبکہ محمد شریف قطب شاہی دربار کا متوسل تھا اور اسی زمانہ میں اس نے سلطان ابراہیم قطب شاہ کی فرمائش سے دنیا کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے جس کا نام مجمع الاخبار ہے۔ یہ کتاب سنہ ۹۸۸ھ سے پہلے تمام ہو چکی تھی محمد شریف نے جب دربار مغلیہ میں توسل پیدا کیا تو اس میں سنہ ۱۰۰۱ھ تک اکبر بادشاہ کے حالات اضافہ کیے اور اس کا دیباچہ تبدیل کر کے شہنشاہ کے نام سے موسوم کر دیا[۳]۔

مجمع الاخبار اور اسکے مضامین

مجمع الاخبار دو مقالوں پر منقسم ہے اور ان کے تحت میں حسب ذیل عنوان درج ہیں۔

---

۱ طبقات اکبری ص۴۰۲ منتخب التواریخ ص[illegible] اردو ترجمہ ص[illegible] آئین اکبری جلد اول ص۲۱۴ خزانہ عامرہ ص[illegible]

۲ سنہ ۹۸۵ھ میں گجرات کی صوبہ داری پر شہاب الدین احمد خاں کا تقرر ہوا۔ مراۃ احمدی جلد اول ص۱۴۵

۳ مجمع الاخبار کی قطب شاہی اشاعت میں نے بیجاپور میں دیکھا۔ مغلیہ اشاعت کا ایک نفیس نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مقالہ اول۔ دربیان عہد قبل از اسلام (۱) ذکر انبیا علیہم السلام (۲) ذکر ملوک بنی اسرائیل (۳) ذکر حکمائے قدیم (۴) ذکر ملوک فارس (۵) ذکر ملوک بنی جسم (۶) ذکر ملوک بنی غسان (۷) ذکر ملوک بنی حمیر

مقالہ دوم۔ دربیان عہد بعد از اسلام۔

خلفائے اسلام (۱) سیرت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم (۲) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم (۳) ائمہ اثنا عشر علیہم السلام (۴) خلفائے بنی امیہ (۵) خلفائے عباسیہ۔

سلاطین ایران (۶) ملوک طاہریہ (۷) ملوک صفاریہ (۸) ملوک سامانیہ (۹) ملوک دیالمہ (۱۰) ملوک غزنویہ (۱۱) ملوک غوریہ (۱۲) ملوک سلجوقیہ (۱۳) ملوک خوارزم شاہیہ (۱۴) ملوک اسمٰعیلیہ (۱۵) ملوک الموت (۱۶) قراخطائیان کرمان (۱۷) آتابکان فارس و دیار بکر و آذربائیجان و لارستان۔

سلاطین مغلیہ (۱۸) چنگیز خاں اور اس کے جانشین (۱۹) ہلاکو خاں اور اس کے جانشین (۲۰) شاہان ایلکانیہ (۲۱) شاہان مظفریہ (۲۲) سربداران ایران (۲۳) تیمور اور اس کے جانشین۔

سلاطین ہند (۲۴) سلاطین دہلی امیر سبکتگین سے لودھی خاں کے خاتمہ تک (۲۵) سلاطین گجرات (۲۶) سلاطین بہمنیہ (۲۷) سلاطین بنگالہ (۲۸) سلاطین مالوہ (۲۹) سلاطین خاندیش

سلاطین ایران و روم (۳۰) شاہان قراقوینلو (۳۱) شاہان آق قوینلو (۳۲) شاہان شیبانیہ (۳۳) شاہان صفویہ (۳۴) سلاطین عثمانیہ۔

سلاطین ہند (۳۵) شاہان مغلیہ بابر سے اکبر کے سینتیسویں جلوس تک

صدر جہاں ملا حسین طبسی

صدر جہاں ملا حسین طبسی کا ذکر اس سے قبل سلطان قلی قطب شاہ کے حالات میں آچکا ہے۔ سلطان ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ میں بھی صدارت کا عہدہ انھیں سے وابستہ تھا۔ انھوں نے سلطان ابراہیم کی فرمایش سے صید و صیاد کے آداب واحکام پر

رسالہ صیدیہ اور اس کے مضامین

ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام صیدیہ ہے لیکن عام طور پر اس کو شکار نامہ قطب شاہی کہتے ہیں۔ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں اس کا جو نسخہ ہے اس کے خاتمہ میں اس کا نام لذۃ الھوام تحریر ہے یہ کتاب ۹۵۳ھ میں تمام ہوی ہے اور اس کے مضامین ایک مقدمہ دس ابواب اور ایک خاتمہ پر منقسم ہیں۔

مقدمہ۔ در بیان تحقیق لفظ و معنی کلمہ صید

باب اول۔ در بیان شروط صیاد و ذابح

باب دوم۔ در بیان الت اصطیاد و ذبح۔

باب سوم۔ در ذکر تسمیہ و کیفیت گفتن آن۔

باب چہارم۔ در بیان حیوانات و طیوری کہ بداں شکار می کنند و شرائط معلم ساختن ایشاں و احکام آن۔

باب پنجم۔ در ذکر صید کردن بہ تیر و شمشیر و نیزہ و باقی آلات کہ بہ جراحت کنند

باب ششم۔ در ذکر صید کردن ماہی و طریق تزکیہ آں کہ کدام جنس از ماہی حرام است و کدام حلال۔

باب ہفتم۔ در ذکر صید و شکار بچہ نوع ملک صیاد می گردد۔

باب ہشتم۔ در ذکر مسایل ذبح و نحر کردن حیوانات و طیور

باب نہم۔ در ذکر حلت و حرمت حیوانات۔

باب دہم۔ در ذکر احکام سور و عرق و لعاب دہن حیوانات۔

خاتمہ۔ در ذکر اسامی و احکام حلیت و حرمت و کراہیت حیوانات و طیور و حشرات و بعضے از خواص و غرایب حکایات کہ از ایشاں نقل کردہ اند۔

مرغوب القلوب

ملا حسین نے اس کے علاوہ ایک اور کتاب لکھی ہے جس کا نام "مرغوب القلوب" ہے اس میں سلطان قلی قطب شاہ اور اس کے اجداد کا وہ تذکرہ تحریر ہے جس کو ملا صاحب نے

خود بادشاہ مذکور کی زبانی سنا تھا۔ یہ کتاب اس وقت ناپید ہے لیکن تاریخ قطب شاہی میں اس کے بعض اجزا لفظ بہ لفظ محفوظ ہیں۔

محمد قلی قطبشاہ ۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ

ابراہیم قطب شاہ کا تیسرا فرزند ہے۔ ۱۴ رمضان ۹۷۳ھ کو پیدا ہوا۔ ابراہیم کی وفات کے تین روز بعد ۵ ربیع الثانی ۹۸۸ھ کو تخت پر بیٹھا اور اکتیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷ ذی القعدہ ۱۰۲۰ھ کو انتقال کیا۔

حیدرآباد اور اسکے شاہی محلات

دکن کے سلاطین میں بڑا ہی رحیم و کریم اور عادل و سخی بادشاہ ہوا ہے اسی نے ۹۹۸ھ میں حیدرآباد بسایا تھا[1] جب اس شہر کا سنگ بنیاد رکھا گیا تو اس کے وسط

چارمینار

میں چارمینار تعمیر کرایا۔ اس کے مقابل چار بڑے بڑے بازار بنوائے۔ ہر بازار میں راستے اس طرح نکالے جو ایک دوسرے کو زاویہ قایمہ پر قطع کرتے تھے اور ان کے تقاطع سے چوراہے بنتے تھے۔ راستوں کے کنارے نہریں جاری کیں۔ نہروں کے کنارے سایہ دار درخت لگوائے شہر کے مغربی جانب شاہی محلات تعمیر کرائے۔ ان عمارات کے دو قطعے تھے اور انکی ابتدا

داد محل

داد محل سے ہوتی تھی۔ یہاں بادشاہ بہ نفس نفیس مظلوموں کی فریاد سنا کرتا تھا اسکی کئی منزلیں

خداداد محل

تھیں اور ہر منزل میں بازار کی طرف دریچے لگے ہوئے تھے اس کے پاس خداداد محل تھا اس کے سات طبقے تھے اور ہر طبقہ کا نام ائمہ اثنا عشرہ علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا پہلا طبقہ الٰہی محل کہلاتا تھا اس کے بعد محمدی محل اور حیدری محل واقع تھے ان کے نیچے چار طبقوں کو حسنی محل، حسینی محل، جعفری محل، اور موسوی محل کے نام سے موسوم کیا تھا یہ عمارت نہایت خوبصورت تھی اور اس کے در و دیوار زریں نقش و نگار

---

[1] حیدرآباد اور شاہی محلات کے حالات کتب ذیل سے ماخوذ ہیں۔ تاریخ قطب شاہی۔ حدیقۃ العالم۔ تاریخ ظفرہ تاریخ قادر خانی۔ تاریخ فرخندہ۔ تاریخ گلزار آصفیہ۔ سیاحت نامہ جات موسیو تیورنیر و تھیونو۔

اور گوناگوں جواہرات سے مزین تھے ان دونوں کے عقب میں جنان محل کی عظیم الشان عمارت تھی اس کے بعد دو وسیع صحن تھے اور ان کے اطراف بڑے بڑے محل بنے ہوئے تھے اور ان کی چھتوں پر دلکشا باغ لگائے گئے تھے، پہلے صحن میں لعل محل چندن محل۔ گگن محل۔ سجن محل۔ صدر صفہ اور نعمت خانہ کی عمارتیں تھیں۔ سجن لعل میں اکابر و علما، جمع ہوا کرتے تھے۔ نعمت خانہ میں مطبخ شاہی سے دربار کے دس ہزار آدمیوں کو روزانہ کھانا کھلایا جاتا تھا۔ دوسرے صحن میں بارگاہ سلطانی کا دوسرا دروازہ تھا اس کے ایک طرف دفتر خانہ اور دوسری طرف جام دار خانہ تھا ان کے بعد عامرہ کے دیگر کار خانہ جات کی عمارتیں تھیں۔ ٹیورنیر کو ان عمارات کی سیر کا موقع ملا تھا اس نے جب یہاں کی چھتوں پر باغات اور ان میں بڑے بڑے درخت لگے ہوئے دیکھے تو بڑا تعجب ہوا اور حیرت کرنے لگا کہ ان کا بوجھ چھت اور محرابوں نے کیوں کر سنبھالا ہے۔

محلات شاہی کی چھتوں پر باغات

جلوہ خانہ

ان عمارات کے بعد جلو خانہ تھا اس کے چار طرف شمالاً جنوباً شرقاً غرباً چار رفیع الشان کمانیں تھیں ان کے اطراف صفے اور ایوان بنے ہوئے تھے ان میں ہر وقت ایک ہزار مسلح سپاہیوں کی نشست رہا کرتی تھی۔ اور دو سو حبشی اس جمعیت کے ساتھ بارگاہ سلطانی کا پہرہ دیا کرتے تھے سلطنت کے اعیان وامرا اور فوج کے سرداران و نایک واڑیاں اپنی اپنی سپاہ وحشم کو لے کر جلوس کے ساتھ اس جلو خانہ میں آتے اور یہاں سے سلام و مجرے کے لئے بارگاہ سلطانی میں باریاب ہو کر واپس چلے جاتے تھے جلو خانہ کی مشرقی کمان پر نقارخانہ بنا ہوا تھا جس میں پنج وقتہ نوبت جھڑا کرتی تھی اس کے مقابل والی مشرقی کمان سے بارگاہ سلطانی کا راستہ تھا اس پر صندل کی لکڑی اور ہاتھی دانت سے بنے ہوئے دروازے لگے تھے اور ان پر زربفت کا مرصع پردہ پڑا رہا کرتا تھا۔ شمالی اور جنوبی کمانیں فوج وحشم کی آمد و رفت کیلئے مخصوص تھیں

حیدرآباد کی دیگر عمارات جن کا تعلق رفاہ عام سے تھا

ان کے علاوہ بادشاہ نے بازارات میں سولہ ہزار دکانیں اور شہر کے مختلف حصوں میں بارہ ہزار مساجد مہمان سرائے لنگر خانے شفا خانے مدرسے خانقاہیں حمام اور رفاہ عام کے دیگر عمارات بنوائے تھے۔ بڑا شفاخانہ شہر کے جنوبی حصہ میں واقع تھا اُسے دار الشفا کہتے تھے اور اس میں بڑے بڑے طبیب ملازم تھے انھیں خزانہ شاہی سے تنخواہ ملتی اور مریضوں کو دوا و غذا مفت دی جاتی تھی۔ ناظر الممالک میر ابوطالب کا بیان ہے کہ بادشاہ نے عمارات بنوانے میں ستر لاکھ ہون صرف کئے تھے۔ یہ رقم چھ لاکھ تومان طلائی کے مساوی تھی[1]

محمد قلی نے شہر میں ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے نام سے ایک لنگر خانہ قائم کیا تھا۔ جس میں غربا و مساکین کو روزانہ کھانا کھلایا جاتا تھا اس کے اخراجات کے لئے سالانہ ساٹھ ہزار ہون مقرر تھے[2]

محرم

ماہ محرم میں دس یوم تک بادشاہ کے حکم سے ماتم جناب سید الشہدا علیہ السلام کے لئے مجالس عزا منعقد کی جاتیں اور علم استادہ ہوا کرتے تھے۔ علموں کے لئے دو عالیشان عمارات تعمیر کرائے تھے جو الاوے کہلاتے تھے ایک دولت خانہ شاہی میں دوسرا شہر کے بڑے بازار میں واقع تھا ان میں دس روز تک روزانہ دس دس ہزار چراغ روشن ہوا کرتے تھے جب ایام عزا ختم ہو جاتے تو غربا میں بارہ ہزار ہون تقسیم ہوتے اور یہ رقم زر عاشوری کہلاتی تھی[3]

جشن مولود النبی

ماہ ربیع الاول میں بارہ روز تک مولود النبی کے جشن نہایت تکلف کے ساتھ برپا کئے جاتے تھے۔ ان میں انواع و اقسام کی خوشبویات جلائی جاتیں اور نفیس نفیس اطعمہ و اشربہ خلایق کو کھلائے جاتے تھے ان ایام میں سامان خورو نوش پر ایک لاکھ ہون اور خیرات و صدقات میں ایک لاکھ ہون کا صرفہ ہوا کرتا تھا[4]

---

[1] تا [4] حدیقۃ العالم ج اول ص ۲۶۱

محمد قلی کے کار ہائے خیر

مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ، نجف اشرف، کربلائے معلی۔ مشہد مقدس، اور دیگر اماکن متبرکہ کے مجاوروں اور زہاد وصلحا کے لئے نفیس ملبوسات۔ مختلف اجناس اور نقد رقومات ہر سال روانہ ہوا کرتے۔ اور اس مقصد کے لئے بادشاہ نے سالانہ دو لاکھ ہون مقرر کردئے تھے۔[1]

رسم ختنہ اور شادی کے لئے جب کوئی حاجت مند بارگاہ سلطانی پر حاضر ہوتا تو اسے پچاس ہون عطا ہوا کرتے تھے اور اگر ایسے ہزار آدمی روزانہ آتے تو وہ سب فیضیاب ہوتے اور کوئی ہاتھ خالی واپس نہیں جاتا تھا۔[2]

اوائل عہد میں برہمنوں نے اجناس پر محصول مقرر کرکے رعایا سے دو لاکھ ہون وصول کئے اور انھیں خزانۂ شاہی میں جمع کردیا تھا بادشاہ کو جب اسکی کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے نہ صرف اس محصول کو معاف کردیا۔ بلکہ وصول شدہ رقم بھی واپس کردی۔[3]

محمد قلی کی شاعری اور اس کا کلیات

محمد قلی اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا۔ فارسی اردو اور تلنگی تین زبانوں میں شعر کہا کرتا تھا۔ اس کا مجموعہ کلام سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں مرتب ہوا ہے۔ اس کے قطب شاہی عہد کے لکھے ہوئے تین نسخوں کا تین مختلف کتب خانوں میں پتہ چلتا ہے۔ ایک نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں تھا میجر اسٹوارٹ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ دوسرا نسخہ شاہان اودھ کے کتب خانہ میں تھا۔ سنہ ۱۱۲۲ھ میں اسکی کتابت ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کا ذکر کیا ہے۔ تیسرا نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔ سلطان محمد قطب شاہ کے حکم سے سید محی الدین کاتب نے ماہ رجب سنہ ۱۰۲۵ھ میں اس کی کتابت کی ہے۔

اس میں فارسی اردو دونوں زبانوں کے مثنویاں قصیدے۔ غزلیں مرثیے۔ ترجیع بند اور رباعیاں جمع ہیں۔ اور اس کے اشعار کی مجموعی تعداد

---

[1] حدیقۃ العالم ج اول صفحہ ۲۶۱ ۔ [2] و [3] حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۲۶۱ و صفحہ ۲۶۲

پچاس ہزار ہے۔ تلنگی کلام تباہ ہو گیا اور اس وقت ناپید ہے۔

نمونہ کلام

باشمع بگو گرمی دیوانۂ خود را — کاتش زند از رشک تو پروانۂ خود را
ہوش و خرد از پائے در افتند چو مستاں — چوں سرمہ کشی نرگس مستانہ خود را
مستان محبت بدو عالم نفروشند — کیفیت نہ جرعۂ پیمانۂ خود را
با یاد تو عاشق نہ کشد منت خورشید — بستیم در روزنہ خانۂ خود را
گر جملہ جہاں پر شود از گوہر یکتا — خواہیم ہما گوہر یک دانۂ خود را
دل در غم او یافتہ صد جنت جاوید — چوں عذر نخواہیم غم جانانۂ خود را
اے قطبشہ آخر رہ مردان رہ عشق است — مردانہ ہمیں رو کہ رہ مردانۂ خود را

حرفی ز لب یار شنیدیم شنیدیم — صد شکر ازیں بادہ چشیدیم چشیدیم
مردم ہمہ صد درد سر بیہودہ دارند — گر درد سر از بادہ کشیدیم کشیدیم
اعجاز محبت منگر گم کہ دریں راہ — بے بال و پر از شوق پریدیم پریدیم
ایں بس کہ تماشائے گلستان تو کردم — گر میوۂ وصل تو نچیدیم نچیدیم
اے قطبشہ از درد دل خویش چہ گویم — مشتاق ترا از خویش ندیدیم ندیدیم

در رہ دوست ولایت ضرر دانستم — سخن اہل غرض بود خطر دانستم
خوش بجد داشت دلم کز تو وفای آید — شکر باری کہ ترا بار دگر دانستم
تا بر خسارہ جہاں سوز تو کارم افتاد — روش سوختن آتش تر دانستم
فتنہ می بارد از آں چشم تو ہم میدانی — از چہ کم میکنی اے شوخ نظر دانستم
قطبشہ دوش کہ در گلشن کوئی بودم — ذوق کیفیت مرغان سحر دانستم

محمد قلی کے دربار میں ارباب فضل و کمال کا مجمع

سلطان محمد قلی ارباب فضل و کمال کی خوب قدر و منزلت کیا کرتا تھا جسکی وجہ سے ایران، عراق اور ہندوستان کے بڑے بڑے سادات، علماء اور شعرا و مصنفین اس کے دربار میں جمع ہوگئے تھے ان میں سے بعض کو بادشاہ نے سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کردیا۔ اور بعض کے لئے خزانہ عامرہ سے بیش قرار تنخواہیں معین کردی تھیں۔

مرتضی الممالک میر محمد مومن استرآبادی

مرتضی الممالک میر محمد مومن استرآبادی[1]۔ استرآباد کے سادات عظام سے تھے مولانا فخرالدین سماکی سے قرابت قریبہ تھی۔ شاہان صفویہ ان کے اجداد و اقربا کی بے حد تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ شاہ طہماسپ صفوی نے میر مومن کو شاہزادہ حیدر مرزا کا معلم مقرر کیا تھا۔ شاہزادے کے مارے جانے اور شاہ اسمعیل ثانی کی لڑائیوں کے باعث میر صاحب نے ایران کو چھوڑ دیا اور وہاں سے حیدرآباد چلے آے۔ سلطان محمد قلی نے انھیں وکالت اور پیشوائی کے عہدہ ہائے جلیلہ پر مامور کیا۔ سالہا سال تک ان خدمات کو انجام دیتے رہے۔ محمد قطب شاہ کے اخیر عہد میں سنہ ۱۰۳۱ھ میں دنیائے فانی سے انتقال کیا اور اپنے بنائے ہوے دائرے میں مدفون ہوے۔

میر صاحب عابد و زاہد اور عالم و فاضل تھے۔ علوم منقول و معقول میں کمال حاصل تھا فارسی میں شعر بھی خوب کہا کرتے تھے۔ مختلف مواقع پر سلاطین قطب شاہیہ کی مدح و ستایش میں جو قصاید و تاریخیں لکھی ہیں اُن کے انتخاب تاریخ قطب شاہی میں درج ہیں۔ مختلف علوم و فنون میں بھی آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔

میر محمد مومن کے تصنیفات

کتاب الرجعۃ۔ یہ کتاب مسایل فقہی میں ہے۔

رسالہ فی العروض۔ عالم آرائی عباسی کے مصنف نے اسکی نسبت لکھا ہے کہ

---

[1] تاریخ فرشتہ دوم ص ۳۲۱ تاریخ عالم آرائی عباسی جلد اول ص ۳۸۵۔ ماثر الامرا جلد سوم ص ۲۱۴ حدیقۃ العالم جلد اول ص ۲۵۵ و ص ۳۰۳ نجوم السما ص ۲۰۔ کشف الحجب ص ۲۴۲

اس سے بہتر رسالہ عروض میں تصنیف نہیں ہوا۔

رسالہ فی اوزان الشرعیہ۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں فن مجامیع کے نمبر ۱۲/۸ پر رسالہ مقداریہ کے نام سے موجود ہے۔

آپ کے قصاید اور غزلیات و رباعیات بھی بصورت دیوان مرتب ہوے ہیں ان کا ایک نفیس نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

میر محمد مومن کا نمونہ کلام

میر صاحب کے کلام سے ایک غزل بطور نمونہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

خدایا دارہاں از شور بختی دل فگاری را | گلستاں کن بیک باران رحمت شورزاری را
دلا پیوستہ با ناسازگاراں سازگاری کن | کہ باشد سازگار خود کنی ناسازگاری را
شدم پیراز غمت غافل مشو از روزگار من | کہ من بر باد شوقت داده ام خوش روزگاری را
خماری برخمارم مید ہم گردون زیک مستی | چہ خوش بودی کہ دادی مستی ہم ہر خماری را
مرا بس ایں کہ دارم سکہ بر اقلیم ناکامی | مسلم باد ملک کامگاری بخت یاری را
ز شہد ناگوار چرخ کام عافیت سوزد | بحمد اللہ نصیبم کردہ زہر خوش گواری را
بتلخی جاں دہ و کمتر حدیث درد گو مومن | چہ غم از تلخی ناکامی ناکام کاری را

جملۃ الملک مرزا محمد امین شہرستانی

جملۃ الملک مرزا محمد امین شہرستانی[1]۔ اصفہان کا باشندہ تھا اس کے عزیز و اقارب شاہان صفویہ کے دربار میں معزز و موقر تھے بڑے بھائی مرزا جلال الدین حسین کو شاہ عباس ماضی نے منصب صدارت پر مامور کیا تھا۔

محمد امین سنہ ۱۰۱۸ھ میں عراق سے دکن میں وارد ہوگیا۔ اور میر تضی الملک میر محمد مومن استرآبادی کی سفارش سے محمد قلی قطب شاہ نے جملۃ الملک قرار دیکر اپنا وزیر اعظم مقرر کر لیا اور تمام مہمات سلطنت اس کے حوالے کر دئے۔ محمد امین اس عہدہ پر محمد قلی کی وفات تک مامور رہا۔ سنہ ۱۰۲۰ھ میں جب سلطان محمد قطب شاہ

---

[1] مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۲۱۲ تا ۲۱۳ - حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۲۴۴

برسر حکومت ہوا تو ناموافقت ہوگئی اور اس نے ترک ملازمت کرکے بیجاپور کی راہ لی۔ یہاں سے ایران جاکر شاہ عباس کے دربار میں کوشاں ہوا لیکن جب مراد نتیجہ ہیں نکلا تو وہاں سے ہندوستان چلا آیا۔ اور ۱۰۲۰ھ میں جہانگیر کی ملازمت اختیار کرلی۔ دو ہزاری منصب سرفراز ہوا۔ ۱۰۲۱ھ میں میر سامانی کا عہدہ ملا۔ شاہ جہاں کے ساتویں سال جلوس تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا۔ آٹھویں سال بادشاہ نے اسلام خاں کے عوض میر بخشی کا عہدہ عطا فرمایا۔ اس وقت پانچہزاری منصب ملنے لگا۔ ۱۰ ربیع الآخر ۱۰۴۷ھ کو انتقال کیا اور آگرے میں مدفون ہوا۔

محمد امین علوم متداولہ میں یدطولی رکھتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ شعر خوب کہا کرتا تھا روح الامین تخلص تھا۔ اکثر شعرا اس کے متوسل تھے۔ ۱۰۳۰ھ میں مرزا ابوطالب کلیم جب دوسری مرتبہ ہندوستان آیا تو کچھ عرصہ اس کے مصاحبت میں بسر کیا[1] مرزا ابراہیم اریمانی بھی عرصہ تک اس کا ندیم بنا رہا[2]

محمد امین کی مثنویاں

محمد امین نے قیام گولکنڈہ کے زمانہ میں خمسہ نظامی کا جواب لکھنا شروع کیا تھا۔ ۱۰۲۰ھ تک اس سلسلہ کی چار مثنویاں تمام کیں اور ان کے دیباچے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے نام سے مزین کئے۔ ان مثنویوں کی تفصیل یہ ہے۔

خسرو شیریں

(۱) خسرو شیریں[3] ۱۰۱۶ھ میں تمام ہوی ہے اس کی ابتدائی بیت یہ ہے

الٰہی ہمچو صبح سینہ بکشائی | زچاک سینہ ام خورشید بنمائی

لیلی مجنون

(۲) لیلی مجنون[4] ۱۰۱۸ھ میں تمام ہوی ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

اے حسن طراز عشق پرواز | انجام نمائے کار از آغاز

مطلع الانظار

(۳) مطلع الانظار[5] مخزن الاسرار کا جواب ہے۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۰۱۹ھ کو تمام ہوی ہے اس کا آغاز یہ ہے۔

---

[1] سرو آزاد صفحہ ۵۲ [2] نشتر عشق ورق (۳۰) [3] ایتھی نمبر ۱۵۲۹ [4] روح ۲ صفحہ ۶۷۵ ایتھی نمبر ۱۵۲۰

[5] اس کا نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں فن مثنویات کے نمبر ۴۵ پر درج ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؁ مطلع آیات کلام حکیم

فلک البروج — (۴) **فلک البروج** [۱] اس کا نام آسمان ہشتم بھی ہے۔ ہفت پیکر کا جواب ہے ۱۰۲۱ھ میں تمام ہوی ہے۔ ابتدائی بیت یہ ہے۔

اے رواں آفریں وگرودں ساز ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ وے غنی از شریک وازانباز

گلستان ناز — ان مثنویات کے علاوہ محمد امین نے اپنا دیوان بھی ۱۰۱۰ھ میں مرتب کیا ہے۔ جس میں غزلیات ورباعیات جمع ہیں اس کا نام گلستان ناز ہے اور حسب ذیل بیت سے اس کی ابتدا ہوی ہے [۲]

اے روشن از فروغ تو شمع روان ما ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ از نور قدرت تو چکیدست جان ما

حکیم صفی الدین محمد گیلانی — **حکیم صفی الدین محمد گیلانی** ۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کا درباری طبیب تھا اس نے بادشاہ کی فرمایش سے قوائے شہوانیہ کی تشریح اور اس کے امراض ومعالجات

تذکرۃ الشہوات — پر ایک مبسوط کتاب لکھی ہے۔ **تذکرۃ الشہوات فی تبصرۃ اللذات** اس کا نام ہے ۹۹۰ھ میں تمام ہوی ہے اس کا ایک نسخہ ریاست رامپور کے سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے ڈاکٹر سہروردی نے ہندوستان کے کتب خانوں کی نسبت جو رپورٹ لکھی ہے اس میں نمبر (۲۷۲) پر اس کا تذکرہ درج ہے۔

عبد اللہ بن منصور الفرسی — **عبد اللہ بن منصور الفرسی** ۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کے علمائے دربار سے ہے حکمت وریاضیات کا ماہر تھا۔ اس نے بادشاہ کے لئے ریاضیات میں دو کتابیں لکھی ہیں

خلاصۃ الحساب — ان میں سے ایک علم حساب میں ہے اور اسے شیخ بہاء الدین آملی کی مشہور کتاب سے ترجمہ کیا ہے۔ دوسری کتاب علم ہئیت سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ قاضی زادہ رومی موسی بن محمد خوارزمی کی شرح چغمنی کا ترجمہ ہے۔

شرح چغمنی — اس کا متن محمد بن محمود چغمنی نے لکھا ہے ان دونوں کے قلمی نسخے راقم الحروف

---

[۱] محبوب الالباب صفحہ ۵ ریو جلد دوم صفحہ ۶۷۵

[۲] ریو جلد دوم صفحہ ۶۸۶ ۔ ایتھی دیوان ہند نمبر (۲۴۹)

کے یہاں موجود ہیں۔ خلاصۃ الحساب کی کتابت ۱۱۱۲ھ میں بہ مقام حیدرآباد ہوئی ہے شرح چغمینی کا ترجمہ فرخ سیر کے تیسرے سال جلوس میں بہ مقام اورنگ آباد مکتوب ہوا ہے۔

محمد بن علی الشحوری

محمد بن علی الشحوری[1]۔ اصل ان کا وطن تھا۔ حیدرآباد میں سکونت تھی صاحب امل آمل نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ عالم وفاضل اور عابد وزاہد بتایا ہے۔ انھوں نے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے اخیر عہد میں مناقب جناب امیر علیہ السلام میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کا نام "تحفۃ الطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب" ہے اس کا نسخہ جو خاص مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مصنف نجوم السما کے یہاں موجود تھا۔ اس کے خاتمہ میں اختتام کی تاریخ ۱۰۲۰ھ تحریر تھی۔

تحفۃ الطالب

حسین بن علی الفرسی

حسین بن علی الفرسی[2]۔ محمد قلی قطب شاہ کا درباری مورخ تھا اس نے سلاطین قطب شاہیہ کی منظوم تاریخ لکھی ہے اس میں ابتدا سے محمد قلی کے اخیر عہد تک مفصل حالات مذکور ہیں۔ نسب نامہ قطب شاہی اس کا نام ہے اس کے اٹھارہ ہزار چھ سو ابیات ہیں اس کا نسخہ کرنل میکنزی کے ذخیرہ میں موجود تھا ڈاکٹر ولسن نے اس کی جو فہرست مرتب کی ہے اس میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

نسب نامہ قطب شاہی

ہیرالعل خوشدل

ہیرالعل خوشدل[3]۔ سلطان قلی قطب شاہ کے فرزند حیدر قلی کا منشی تھا اس نے بھی محمد قلی قطب شاہ کے اوائل عہد میں سلاطین قطب شاہیہ کی منظوم تاریخ لکھی ہے اس کے چار مقالے ہیں۔

تاریخ قطب شاہی

مقالہ اول میں سلاطین قطب شاہیہ کا نسب نامہ اور آبا و اجداد کے کارنامے مذکور ہیں۔ اس مقالہ کی ابتدا اس بیت سے ہوئی ہے۔

بیا ساقیا بزم ما بر فروز   چو شمع از تف سینہ جانم بسوز

---

[1] شذور العقیان جلد دوم صفحہ ۳۹۶۔ نجوم السما صفحہ ۹۵۔ کشف الحجب صفحہ ۱۰۶ [2] بیل صفحہ ۲۰۱ [3] بیل صفحہ ۵۲۲۔ ابو ناطہ صفحہ ۲۹

مقالہ دوم میں سلطان قلی قطب شاہ کے حالات و فتوحات تحریر ہیں اس کی پہلی بیت یہ ہے۔

نخست آفریں کرد برکردگار | خداوند روزی دہ مور و مار

مقالہ سوم میں سلطان ابراہیم قطب شاہ کے حالات ہیں اس کا ابتدائی شعر یہ ہے

بیا ساقی آں روح پرور شراب | نشاں برسر یہ قدم از شتاب

مقالہ چہارم میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کے جلوس کا تذکرہ ہے۔ اور حسب ذیل شعر سے اس کی ابتدا ہوی ہے۔

بیا ساقی آں بادہ کو جاں دہد | ہم سوی توحید یزداں دہد

دیباچہ کا ابتدائی شعر یہ ہے۔

خدائی کہ داد از نخستین کار | فلک را شتاب و زمین را قرار

اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ملک الشعرا ملا معین میرک

ملک الشعرا ملا معین میرک[1]۔ سادات سبزوار سے تھا اور شعر گوئی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ولایت سے ہندوستان میں آکر ابتدا، نظام شاہی دربار میں توسل پیدا کیا۔ پھر گولکنڈہ میں آکر محمد قلی قطب شاہ کے ندیموں میں شامل ہوگیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے دربار کا ملک الشعرا مقرر کردیا۔

سنہ ۱۰۰۰ھ میں شاہزادی حیات بخش بیگم کا عقد شاہزادہ محمد ابن محمد امین ابن ابراہیم قطب شاہ کے ساتھ ہوا تو اس موقع پر معین میرک نے حسب ذیل قطعہ تاریخ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

دوش سرکردہ خیالم رہ بزمی چو بہشت | اہل آں بزم چو حوراں ہمہ نورانی چہر
بزم عیشی کہ ملائک بہ تماشا شدہ چشم | مہر بر دل کردہ چو انجم ہمہ از جیب سپہر

---

[1] حدیقہ ج اول ص ۲۴ ص ۲۷۵

کشتم ایں بزمگہ و عیشش چہ تاریخش چیست   کہ ز افلاک بر ایام ہمی بارد مہر

عقل گو بود چو من مست ہمی چیر شگفت   عید مولودی و بزم شہ و تقدمہ و مہر

سنہ ۱۰۰۹ھ میں بادشاہ نے خداداد محل تعمیر کیا تو معین نے اسکی حسب ذیل تاریخ لکھی

ایں قصر کہ ہست رشک افزائے بہشت   ایام بآب زندگانیش نوشت

تاریخ مرتب شدنش کلک قضا   بر لوح بقا "بنائے جہاں بخش" نوشت

شعرائے دربار

سلطان محمد قلی قطب شاہ کے شعرائے دربار سے چند مشاہیر کے نام یہ ہیں

محسن ہمدانی

محسن ہمدانی - ملا شیرازی کا فرزند تھا۔ سنہ ۱۰۰۰ھ میں حیدرآباد میں فوت ہوا[۱۵]

وحشی کاشی

وحشی کاشی - ملا محتشم کا شاگرد اور مرثیہ گو شاعر ہے۔ محرم کے مجالس عزا میں بادشاہ کے روبرو مرثیے پڑھا کرتا تھا۔ سنہ ۱۰۱۳ھ میں بمقام حیدرآباد فوت ہوا[۱۶]

فکری اصفہانی

فکری - مرزا محمد رضا صفاہانی - شاہ عباس اور حکیم شفائی کا معاصر تھا سیاق اور شعر گوئی میں اس کو مہارت کامل حاصل تھی۔ محمد امین سے پہلے اس نے وزارت کے فرائض بھی انجام دئے تھے۔ سنہ ۱۰۱۰ھ میں حیدرآباد میں اس کا انتقال ہوا[۱۷]

شریف کاشی

شریف کاشی - ہرات میں رہا کرتا تھا۔ امیر عبداللہ خاں اوزبک نے جب ہرات کا محاصرہ کیا تو وہاں سے فرار ہو کر حیدرآباد چلا آیا۔ اور محمد قلی کے دربار میں توسل پیدا کیا۔ سنہ ۱۰۰۰ھ میں بمقام حیدرآباد اس نے وفات پائی[۱۸]

شعرائے عجم

شعرائے عجم - سلاطین ہندوستان کی فیاضیوں کا حال سنکر وارد ہندوستان ہوتے تو سیر و سفر کرتے ہوئے محمد قلی کے دربار میں بھی آتے اور فائض المرام ہو کر واپس ہوا کرتے تھے۔

منصف اصفہانی

غیاث الدین اصفہانی جس کا تخلص منصف ہے محمد قلی کے عہد میں گولکنڈہ آیا اور کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد برہان پور چلا گیا اور وہاں مرزا رستم کی مصاحبت اختیار

---

۱۵ ریاض الشعرا قلمی ۱۶ ریاض الشعرا ۱۷ گل رعنا نشر عشق ۱۸ آتشکدہ۔

کرلی۔ اسی جگہ ۱۰۱۶ھ میں اس کا انتقال ہوا[۱]

سراج الدین عارف

سراج الدین عارف اس کا والد غیاث الدین علی شبانکارہ کا کلانتر تھا اس کی ولادت قصبہ ایگ میں ہوئی تھی۔ اکبر کے عہد آخر میں قندھار کی راہ سے ہندوستان آیا اور مختلف شہروں کی سیاحت کرتا ہوا جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد گولکنڈہ پہنچا۔ محمد قلی کے دربار میں باریابی حاصل کی۔ قصیدہ پیش کیا جس کے صلہ میں رقم خطیر بادشاہ نے عنایت کی۔ اس کے بعد یہاں سے واپس ہوا اور براہ سمندر ہرمز سے ہوتا ہوا وطن چلا گیا[۲]

میر حسن عسکری

میر حسن عسکری سادات کاشان سے ہے محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ میں بغرض تجارت حیدرآباد آیا۔ بادشاہ نے اس سے ملازمت کی خواہش کی لیکن اس نے انکار کردیا اور آٹھ سال یہاں رہنے کے بعد وطن کی جانب مراجعت کی[۳]

فکری رازی

فکری رازی مشہور عالم و شاعر ہے شاہ طہماسپ صفوی کا معاصر تھا بطور سیر دکن میں آیا۔ بیجاپور سے ہوتا ہوا حیدرآباد پہنچا۔ کئی مہینے محمد قلی کے یہاں مہمان رہا۔ واپسی کے وقت بادشاہ نے دس ہزار ہون عطا فرمائے[۴]

رکن الدین مسعود

مسیح ثانی حکیم رکن الدین مسعود کاشانی۔ ایران کا مشہور حکیم و شاعر ہے سالہا سال شاہ عباس ماضی کے دربار میں رہنے کے بعد ہندوستان آیا۔ دوران سفر میں قسمت آزمائی کے لئے گلکنڈہ بھی پہنچا۔ بادشاہ نے خوب قدر کی۔ ایک دن میر محمد مومن استرآبادی ملاقات کے لئے اس کے قیام گاہ پر تشریف لائے۔ حکیم نے ازراہ تواضع ان پر عرق گلاب چھڑکا لیکن غلطی سے بجائے گلاب کے شراب کا شیشہ ہاتھ میں آگیا۔ اس حرکت سے میر صاحب آزردہ ہوئے حکیم کو بھی خجالت و پشیمانی ہوئی۔ ندامت کے ساتھ گولکنڈہ سے چلا گیا اور جہانگیر کے دربار میں جاکر مہابت خاں کی ملازمت کرلی[۵]

---

۱ مے خانہ صفحہ ۱۰۲ ۲ مے خانہ صفحہ ۴۱۲ ۳ مے خانہ صفحہ ۲۷۲ ۴ گل رعنا ۵ مے خانہ صفحہ ۳۴۴ سرو آزاد صفحہ ۹۰

دکن میں مسلمان

علاء الدین خلجی کی فتوحات سے قبل

ابتدا سے آٹھویں صدی ہجری تک

از

مولوی سید حسن صاحب برنی - بی اے - ال ال بی (علیگ) ایڈوکیٹ

اب سے گیارہ برس پہلے میں نے امیر خسروؒ کی کتاب خزاین الفتوح پر تنقید و حواشی لکھنے کے لئے بہت سا تاریخی مواد فراہم کیا تھا جو ابھی تک زیادہ تر غیر مرتب ہے اور مسودوں کی شکل میں محفوظ ہے۔ دیگر مشاغل میں مصروف رہنے کی وجہ سے اس کتاب کی تنقید و حواشی لکھنے کا مجھے موقع نہیں ملا۔ خوش قسمتی سے اس کتاب کا متن حال ہی میں ہمارے فاضل دوست مسٹر محمد حبیب صاحب پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی کی تصحیح و انگریزی دیباچے کے ساتھ سلسلہ کلیات خسرو میں تیار ہو چکا ہے۔ ہماری اس اسکیم نے جو ابتداءً خزاین الفتوح کی تنقید تک محدود تھی اب ایک جداگانہ کتاب کی شکل اختیار کر لی ہے جس میں سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کی مکمل تاریخ درج ہوگی اور جس کا نام عصر علائی قرار پایا ہے۔

ان مضامین میں جو اس سلسلہ میں زیادہ اہتمام سے پیش نظر رہے۔ علاء الدین کی فتوحات دکن بھی شامل ہیں جن پر بہت سا وقت صرف کیا گیا ہے اور نہایت قیمتی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ کتاب کا یہ حصہ ایک حد تک لکھا جا چکا ہے لیکن نظر ثانی تنقیح اور بعض مزید تحقیقات و اضافے کا محتاج ہے۔

دکن کی فتوحات علائی کی تاریخ قلمبند کرنے سے پہلے میں نے دو تمہیدی مضمون لکھے ہیں جن میں سے ایک میں ان فتوحات سے قبل مسلمانوں کے تعلقات کو جو اس ملک کے ساتھ سات سو برس میں بحری راستے سے قائم ہو چکے تھے دکھایا اور ثابت کیا ہے کہ اس دوران میں وہ تعلقات بہت بڑھ چکے تھے اور مسلمانوں کا دکن کی سیاسی معاشی اور تمدنی حالات پر بڑا گہرا اثر پڑ رہا تھا اور دوسرے مضمون میں فتوحات علائی کے وقت اور قریبی زمانہ میں دکن کی ہندو سلطنتوں کی تاریخ پر مختصر تبصرہ کیا ہے۔ جملہ حالات پر غور کرتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فتوحات علائی کے وقت مسلمانوں کا اقتدار جو بحری راہ سے قائم ہوا تھا اتنا ترقی کر چکا تھا کہ اگر شمالی ہندوستان سے مسلمان لشکر کشی نہ کرتے تو بھی بہت جلد مسلمان دوسرے یعنی سمندر کے راستے سے دکن پر تسلط پا سکتے تھے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ان مضامین کا ایک سلسلہ رسالہ تاریخ میں وقتاً فوقتاً شایع کرائیں۔ اپنے مخصوص دائرہ عمل اور مرکز اشاعت کے لحاظ سے ان مضامین کے لئے تاریخ خاص طور پر موزوں ہے۔ اس سلسلہ کی یہ پہلی قسط ہے اور اگر ناظرین تاریخ نے اسے بنظر پسندیدگی و دلچسپی دیکھا تو انشاء اللہ بقیہ اقساط بھی شایع کرا دی جائے گی۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جزیرہ نمائے دکن میں مسلمان سب سے پہلے آٹھویں صدی ہجری کے آغاز میں عساکر دہلی کے ہمراہ پہونچے اور اس سے پیشتر یہ ملک انکے دائرہ اثر سے قطعاً خارج تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ساتویں صدی ہجری تک دکن کی اسلامی تاریخ پر سخت تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے اور ابھی تک اس دلچسپ عہد کے حالات کی چھان بین بالاستیعاب نہیں کی گئی ہے۔ قدیم اسلامی کتب تواریخ و جغرافیہ میں البتہ اس قسم کے معلومات و اطلاعات دستیاب ہوتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سرزمین دکن میں شمالی ہند کی جانب سے داخل ہونے سے پہلے سات سو برس کے اندر مسلمانوں کے قدم اس سرزمین پر جم چکے تھے اور اس زمانہ میں دکن کے ملکوں میں ان کا بہت گہرا تمدنی معاشی اور سیاسی اثر قایم ہو چکا تھا۔ یہاں ہم مختصر طور پر فتح دکن سے پہلے اقطاع دکن میں مسلمانوں کے پہنچنے اور سکونت پذیر ہونے کی تاریخ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

دکن میں مسلمان پہلے خشکی کے راستہ سے نہیں بلکہ سمندر کی راہ سے پہونچے سات صدی تک ان کی آمد و رفت کا یہی راستہ رہا اور کئی صدی بعد بھی یہ راستہ اُس وقت تک بے خطر جاری رہا جب تک کہ یورپ کے جہاز راں راس امید کی جانب سے مشرق کے سمندروں میں نمودار ہو کر مسلمانوں کے بحری اقتدار کے حریف نہ بنے۔ اس کے بعد سے مسلمانوں کا بحری اقتدار مغرب کے بڑھتے سیلاب کی بہت زیادہ عرصہ تک تاب نہ لا سکا اور بالآخر ہجرت سے ہزار برس بعد مغرب کے ملاحوں نے اپنے زوال پذیر حریفوں کو مشرق کے سمندروں سے قطعاً بے دخل کر دیا۔

عہد اسلام سے پیشتر بھی عرب اور فارس کے تاجر سواحل و جزائر مشرق تک پہونچتے تھے اور مشرق اقصیٰ اور تمام ممالک مغرب کے مابین انھیں کے ذریعہ سے تجارت ہوتی تھی۔ عمان اور بحرین کے باشندے ہمیشہ سے منچلے اور بحری سیاحتوں کے شایق تھے سنہ ۱۶ھ میں عمان کے مسلمانوں کا ایک بیڑا بمبئی کے قریب جزیرہ تھانہ پر آ کر گرا۔ اور

ایک دوسرا بیڑہ بحرین سے بھروچ پہونچا۔ تیسرا دریائے سندھ کے دہانہ پر دیبل[1] کے (جو
غالباً اس جگہ واقع تھا جہاں اب کراچی ہے) قریب آکر لنگر انداز ہوا اس زمانہ میں
حضرت عمرؓ مسند خلافت پر متمکن تھے جب انھیں اس مہم کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے
اسے ناپسند فرمایا اور غالباً یہ خیال کیا کہ بہ نسبت دور دراز ملکوں کے فتح کرنے کے نو مفتوحہ
ممالک کے استحکام کی زیادہ ضرورت ہے[2]

مسلمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ اسی وقت سے قائم ہو گیا اور رفتہ رفتہ وہ سواحل و جزائر
ہند میں آنے جانے اور سکونت پذیر ہونے لگے۔ چنانچہ عبدالملک (۶۵ھ تا ۸۶ھ)
کے عہد میں مسلمان تاجروں کی ایک بستی لنکا میں موجود تھی۔ اس جزیرہ کو عربی میں
سرندیپ کہتے تھے جو دراصل سنگل دویپ (یعنی جزیرۃ الاسد) کی تبدیل شدہ شکل ہے
اگرچہ نہایت کافی تاریخی قراین اس امر کے یقین کرنے کے لئے موجود ہیں۔
کہ دکن کے سواحل پر مسلمانوں کی بستیاں ابتدا ہی سے قائم ہونی شروع ہو گئی تھیں لیکن
دو ڈھائی سو برس تک اُن کے جغرافیائی اور تاریخی حالات کی جانب کسی مصنف نے
توجہ نہیں کی۔ تیسری صدی ہجری کے ثلث اول میں ایک تاجر سلیمان نامی تھا جس نے
خلیج فارس سے روانہ ہو کر سواحل ہند و چین کا سفر کیا تھا اس نے اپنے سیاحت کے
حالات قلمبند کئے تھے اس سیاحت نامہ کا سال تصنیف ۲۳۷ھ ہے اس کے دیکھنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ بندرگاہ کولم جس کا ذکر اس سے پہلے کسی دوسری کتاب میں نہیں پایا
جاتا عربوں کے جہازوں کا ملجا و ماویٰ تھا۔ یہاں مسلمانوں کے جہاز بحر فارس اور بحر قلزم

---

[1] الدیبل کے لئے دیکھو یاقوت کی معجم البلدان:-
"الدیبل بفتح اولہ وسکون ثانیہ وباء موحدۃ مضمومۃ ولام مدینۃ مشهورۃ علی ساحل بحر الهند وهی فرضۃ والیها تفضی میاہ لهور ومولتان فتصب فی البحر الملح"
ونیز تاریخ ہند مرتبہ ایلیٹ ڈاؤسن جلد اول صفحہ ۳۷۴ - ۳۷۹

[2] اس مہم کے حالات کے لیے دیکھو فتوح البلدان البلاذری بیان فتوحات السند اور ہمارا مضمون "ہندوستان پر عربوں کا پہلا حملہ"

(بقیہ صفحہ آیندہ)

سے آکر لنگر انداز ہوتے اور سرندیب کا رومنڈل اور چین جاتے ہوئے ٹھیرتے تھے اور اسی طرح چینی جنک (جہاز) بھی سیلون مالدیب اور لکادیب کو آتے جاتے یہاں ٹھیرتے تھے۔ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں مشہور جغرافیائی اور مورخ مسعودی نے ساحل ہند کا سفر کیا تھا۔ اپنی مشہور عالم کتاب مروج الذہب میں دکن کے ساحلی اقطاع کے جو چشم دید حالات اس جہانگرد سیاح نے بیان کئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی دکن کے اُن حصوں میں جو مسعودی نے دیکھے کیا حالت تھی۔

مسعودی کا بیان ہے کہ مغربی سواحل پر بلہرا کی حکومت تھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اُس حکومت میں نہ صرف مالوہ ہی شامل تھا بلکہ خلیج کچھ سے لیکر مالابار کے انتہائے جنوب تک یہ سلطنت پھیلی ہوی تھی۔ مسعودی نے اس ملک کی سیاحت ۳۰۳ھ (۹۱۵ء) ۳۰۴ھ (۹۱۶ء) میں کی اس نے لکھا ہے کہ بلہرا کا دارالسلطنت مانکیر یا مناکیر تھا جو سمندر سے اسی میل یا فرسنگ کوہستان میں واقع تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ یہاں کے راجہ جن کا خطاب بلہرا تھا سندھ وغیرہ کے ہندو راجاؤں کے بہ نسبت زیادہ اچھی طرح پیش آتے تھے۔ اسلام کی توقیر کی جاتی تھی اور مسلمانوں کی مساجد و خانقاہیں موجود تھیں۔

سلیمان اور مسعودی دونوں نے لکھا ہے کہ یہاں کے راجاؤں کی عمریں بہت بڑی ہوتی تھیں اور وہ مدتوں سلطنت کرتے تھے۔ رعایا کے خیال میں یہ اس امر کی برکت تھی کہ وہاں کے راجا مسلمانوں کا احترام کرتے تھے۔

ساحل کے مقامات میں مسعودی نے صیمور، کمبئے، سندان، سوبارہ اور تانہ کا ذکر کیا ہے صیمور (یا حسب تحریر بعض دیگر مورخین جیمور) کے متعلق مسعودی کہتا ہے:۔

مطبوعہ رسالہ علیگڑھ میگزین بابت ڈسمبر ۱۹۳۲ء جنوری و فبروری ۱۹۳۳ء

سرندیب کے لئے دیکھو یاقوت کی معجم البلدان:۔

"سرندیب بفتح اوله ثانیه وسکون النون ودال مهملة مکسورة وياء مثناة من تحت وياء موحدة دیب بلغة الهنود هو الجزيرة وسرن لا ادری ما هو هی جزيرة عظيمة فی بحر الهند باقصی بلاد الهند الخ

"میں نے قصبہ صیمور[1] کو جو کہ ملک لار میں واقع ہے اور بلہرا کے ایک ماتحت راجہ کے تصرف میں ہے سنہ ۳۰۴ھ میں دیکھا تھا اس زمانہ میں وہاں تقریباً دس ہزار مسلمان سیراف، عمان، بصرہ اور بغداد وغیرہ کے آباد تھے۔ اس شمار میں مخلوط النسل مسلمان اور ان عربوں کے بال بچے جو اس ملک میں پیدا ہوئے شامل نہیں ہیں وہ اپنا حاکم خود منتخب کرتے ہیں جسے ہزمہ کہتے ہیں اور وہ راجا کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اس زمانہ میں ہزمہ ابو سعید ہے"

مسعودی دوسری جگہ لکھتا ہے :-

"میں نے کمبے کو سنہ ۳۰۳ھ میں دیکھا یہ قصبہ صندل کے لئے مشہور ہے اگرچہ صندل کمبے کے علاوہ سندان[2]، سوبارہ[3] اور دوسرے نواح میں بھی پایا جاتا ہے کمبے کے راجا کو بلبیا کہتے تھے وہ ایک برہمن تھا جو بلہرا کی طرف سے مختار تھا وہ اہل ہند اور مسلمان اور دیگر اجنبیوں کا ملجاء ماوٰی تھا"

اس کے علاوہ مسعودی نے ایک اور ملک کا ذکر کیا ہے جس کا نام اس نے کمار لکھا ہے۔ مسعودی کا بیان حسب ذیل ہے :-

"کمار جزیرہ نہیں ہے بلکہ اس کے اردگرد ساحل اور پہاڑ ہیں۔ ملک ہند میں اس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی ملک ہوگا اس ملک میں لوگ خلال کا استعمال کرتے ہیں مثلاً مسلمان . . . ."

---

[1] اب یہ مقام چول کہلاتا ہے اور کنکن (کوکن) کا ایک بندرگاہ ہے۔ بطلیموس نے بھی اس مقام کا تذکرہ کیا ہے عرب جغرافیہ نویس اسے صیمور (بالصاد) اور جیمور (بالجیم) لکھتے ہیں کنکنی زبان میں اس کا تلفظ صینول (Seimural) ہے اور عربی لفظ اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ دیکھو (Jules Hobson Jobson p. 222)

[2] سندان کو اب سنجان کہتے ہیں۔ وہ بمبئی سے ۸۸ میل شمال میں ۲۰ درجہ ۱۲ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔ انگریزی جہاز راں عرصہ تک اسے اپنے نقشوں میں سنٹ جان (Saint John) کے نام سے موسوم کرتے رہے۔ سندان کے آثار مدفونہ سے جنکے نشان کوسوں تک پھیلے ہوئے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی زمانہ میں نہایت آباد تھا اب برباد ہوکر برائے نام ایک مقام باقی رہ گیا ہے اس سے تین میل پر عنبر نام ایک چھوٹا سا بندرگاہ واقع ہے۔ دیکھو (Hobson Jobson p. 711)

[3] سوبارہ بسین کے قریب آباد تھا اور صدیوں تک اقطاع کنکن کا خاص بندرگاہ سمجھا جاتا تھا اب ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے

(صفحہ آئندہ)

مسعودی کے معاصرین میں ابوزید الحسن السیرافی نے بھی دکن کے سواحل کے حالات تقریباً اسی طرح بیان کئے ہیں۔ ابوزید سے مسعودی سنہ ۳۰۳ھ میں ملا تھا اور ایک نے دوسرے سے حالات نقل کئے ہیں ابوزید نے سلیمان کے لکھے ہوئے حالات کو پڑھ کر ان ممالک کے متعلق مستند روایات جمع کی ہیں۔ کمار کے متعلق وہ لکھتا ہے:-

کمار جہاں سے عود آتا ہے اور جسے راس کماری کہتے ہیں جزیرہ نہیں ہے بلکہ اس سمت میں واقع ہے جو عرب کے سمت میں ہے کسی ملک کی آبادی کمار کی آبادی سے زیادہ نہیں ہے۔ یہاں لوگ پیدل چلتے ہیں۔ مہاراجہ کمار کی سلطنت کی طرف زابج کا راجہ ہے۔ جس کا ملک دس دن کے فاصلہ پر ہے۔

زابج سے عرب جغرافیہ نگاروں کی مراد جزیرہ جاوا سے ہے۔

سلیمان، مسعودی اور ابوزید کے بعد الاصطخری (مصنف کتاب الاقالیم سنہ ۳۴۰ھ/۹۵۱ء) وابن حوقل (مصنف کتاب المسالک والممالک (سنہ ۳۶۶ھ) نے بھی جنوبی سواحل ہند کا ذکر کیا ہے ان کے بیانات تقریباً ایک ہیں۔ الاصطخری لکھتا ہے۔

کمبایہ سے صیمور تک بلہرا کا ملک ہے جو ہندوستان کا ایک راجہ ہے یہ کفار کا ملک ہے لیکن اس کے شہروں میں مسلمان بھی ہیں اور بلہرا کی طرف سے مسلمان ہی اپنے اوپر حکومت کرتے ہیں ان قصبات میں جامع مساجد ہیں جن میں نماز ہوتی ہے جس شہر میں بلہرا رہتا ہے اس کا نام مانکیر ہے۔" ص ۱۰۳ و نیز دیکھو ص ۱۷۶ و ۱۷۷

جہاں سے ابن حوقل مندرجہ ذیل بیان کو لفظاً و معناً اخذ کیا ہے۔

ابن حوقل لکھتا ہے:-

فاہل، سندان، صیمور اور کمبایہ میں جو مضبوط اور بڑے شہر ہیں۔

(بقیہ گذشتہ) اور جس نہر سے وہاں تک جہاز پہونچتے تھے وہ بھی اب خشک ہو کر رہ گئی ہے اس مقام کا نام مہابھارت اور دوسری سنسکرت کتابوں اور کارلی اور ناسک کے پہاڑوں میں بنے ہوئے غاروں میں جو پہلی دوسری صدی کے ہیں لکھا ہوا پایا جاتا ہے ۱۲

جامع مساجد ہیں اور مسلمان آزادی سے مذہبی فرایض بجا لاتے ہیں
کمبایہ سے صیمور تک پاس پاس قصبات ہیں اور بہت زمین کاشت
ہوتی ہے اور مسلمان اور کفار اس ملک میں ایک ہی قسم کا لباس
پہنتے ایک ہی وضع کی داڑھی رکھتے اور گرمی کی وجہ سے صرف
دھوتی باندھتے اور اوڑھتے ہیں" (ص ۲۳۲ - ۲۳۳)

ادریسی مصنف نزہتہ المشتاق فی افتراق الآفاق) اور البیرونی مصنف کتاب الہند نے چوتھی صدی کے آخر اور چھٹی کے نصف اول میں جنوبی سواحل کا نہایت مفصل ذکر کیا ہے ان تمام حالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جنوبی سواحل کے متعلق مسلمانوں کی معلومات میں بہت اضافہ ہو گیا تھا اور اس کا باعث یہی تھا کہ وہاں پر مسلمانوں کی آبادی ترقی کر رہی تھی۔

ساتویں صدی ہجری کے آخر اور آٹھویں صدی ہجری کے آغاز میں جنوبی ہند کے متعلق دو فارسی مورخوں نے نہایت قیمتی معلومات چھوڑی ہیں جو اس ملک سے مسلمانوں کے تعلقات کو پورے طور پر واضح کرتی ہیں۔ ان کے دیکھنے سے بتفصیل معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے تعلقات بحری راستہ سے دکن کے ساتھ بہت بڑھ چکے اور مضبوط ہو چکے تھے۔

جزیرہ نمائے دکن کے مغربی ساحل کو ملابار کہتے ہیں اور مشرقی ساحل کو کارومنڈل مسلمان مغربی ساحل کو تو ملیبار یا منیبار کہتے تھے لیکن مشرقی ساحل کا نام انھوں نے معبر رکھ چھوڑا تھا۔ معبر ساتویں آٹھویں صدی میں اس قدر معروف تھا کہ چین و فرنگ تک اس ملک کو لوگ اسی نام سے جانتے تھے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے نویں صدی عیسوی میں اس لفظ کا استعمال متروک ہو گیا گو برخلاف اس کے ملابار اس وقت سے اب تک اسی طرح زباں زد چلا آتا ہے۔

ملابار اور معبر دونوں ہندوستانی الفاظ نہیں ہیں بلکہ دونوں مسلمانوں کے رکھے ہوئے نام ہیں۔ ملابار مرکب اسم ہے۔ اس میں پہلا جزو ملا بلا شبہ ہندی الاصل لفظ ہے

ملئی دراوری زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور اس کی سنسکرت صورت ملیا ہے یہ لفظ ملی۔ ملیا یا ملئی قدیم کتابوں میں پایا جاتا ہے مثلاً چینی سیاح ہیون سانگ نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک کوہستانی علاقہ ہے جہاں صندل پیدا ہوتا ہے۔ تنجور کے ایک کتبہ میں اس ملک کا نام ملئی ناڈو (ناڈو ملک) تحریر ہے اسی طرح ملایالم اس زبان کو کہتے ہیں جو اس ملک میں بولی جاتی ہے۔ لفظ ملابار کا دوسرا ٹکڑا بار ہے جو فارسی کا لفظ ہے اور جس کے معنی ملک یا ساحل کے ہیں۔ ابن خورداذبہ (۲۶۶ھ بمطابق ۸۴۴ء) لکھتا ہے۔

"سندان سے ملی تک پانچ دن کا راستہ ہے ملی میں فلفل اور بانس پیدا ہوتے ہیں۔

البیرونی (۴۲۱ھ ۱۰۳۰ء) لکھتا ہے۔

تب تم لاران ملک میں داخل ہوتے ہو جس میں جیمور (چول) واقع ہے بعد ازاں ملیا بعد ازاں کانچی بعد ازاں درویدا"

ادریسی تقریباً (۵۴۵ھ ۱۱۵۰ء) لکھتا ہے۔

مندرین (بندرنی) ایک دریا کے دہانہ پر واقع ہے جو کہ ملیبار سے آتا ہے اور جہاں ہند و سندھ کے جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں"

مارکوپولو (۶۹۸ھ ۱۲۹۰ء) لکھتا ہے:۔

ملیبار مغرب کی طرف ایک بڑی حکومت ہے جہاں سیاہ مرچ بکثرت پیدا ہوتی ہے۔

رشید الدین (سنہ ۷۱۰ھ) لکھتا ہے:۔

"گجرات کے بعد کنکن آتا ہے اور تانا اور اس کے بعد ملیبار جو کرومہ سے کولم تک تین سو فرسنگ ہے۔

ابوالفدا (سنہ ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء) لکھتا ہے :-

ایک سیاح کا بیان ہے کہ ہند تین حصوں میں تقسیم ہے جن میں سب سے پہلے جو سمت مغرب واقع ہے، کرمان و سندھ کے پاس ہے اور گجرات کہلاتا ہے دوسرا منیبار یا بلاد فلفل ہے جو گجرات کے مشرق میں ہے "

ابن بطوطہ سنہ ۷۴۴ھ ۱۳۴۳ء لکھتا ہے :-

"تین دن بعد ہم منیبار پہونچے جو کہ بلاد فلفل ہے یہ سمندر کے کنارے پر دو مہینے کے فاصلہ پر واقع ہے "

بعض مورخان حال نے ملابار اور معبر کو غلطی سے ایک ہی ملک کا نام سمجھا ہے اور اس وجہ سے انھوں نے اہم تاریخی غلطیاں کی ہیں مثلاً بعض نے اسی غلط فہمی کی بناء پر قیاس کیا ہے کہ علاءالدین خلجی کا لشکر گوا کے جنوب میں راس راما سے آگے نہیں بڑھا۔ اور فرشتہ اور دوسرے مسلمان مورخوں کا یہ دعویٰ کہ عساکر دہلی انتہائے جنوب تک پہنچے صحیح نہیں اس غلط فہمی کا خاص سبب یہ ہے کہ معبر کے فتوحات علائی کا اس وقت تک کامل استقصاء نہیں کیا گیا حالانکہ دکن کی تاریخ کا یہ حصہ سب سے زیادہ دلچسپی اور توجہ کا مستحق ہے اور اسی وجہ سے اس پر ہم نے بہت سا قیمتی وقت صرف کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی جغرافیہ نویسوں اور مورخوں کے نزدیک ملک معبر دکن کا وہ حصہ ہے جسے ہمارے زمانہ میں کارومنڈل کہتے ہیں اور جو جزیرہ نما دکن کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔

جہاں تک ہم تحقیقات کر سکے ابوریحان البیرونی[۲] کی کتاب قانون مسعودی (مصنفہ مابین سنہ ۴۲۱ھ و سنہ ۴۲۷ھ) سب سے پہلی کتاب ہے جس میں معبر کا ذکر آیا ہے اس سے

---

[۱] مسٹر سیول کی کتاب "ایک از یاد رفتہ سلطنت بیجانگر" R. Sewell - "A fong othen empire"

[۲] البیرونی کے حالات اور اس کی غیر مطبوعہ کتاب قانون مسعودی کے متعلق دیکھو ہماری کتاب البیرونی طبع دوم مطبوعہ انجمن ترقی اردو - قانون مسعودی ابھی تک طبع نہیں ہوی ہے ہم نے یہ انتخاب امپیریل لائبریری کلکتہ و لٹن لائبریری علی گڈھ کے قلمی نسخوں سے لیا ہے۔ ۱۲

پیشتر ابھی تک کسی اور اسلامی تاریخ یا جغرافیہ میں یہ لفظ نہیں پایا گیا ہے۔

ابو ریحان البیرونی نے اپنی کتاب میں اقلیم ثانی کے طول البلد اور عرض البلد بیان کرتے ہوئے شہر منداری (یعنی مدورا) کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

"مندری بین الموصل و المعبر الی سراندیب فی العث"

اس کے بعد عبد اللطیف نے (قبل ۶۲۹ھ) اس کا ذکر اس طرح کیا ہے :-

"میں نے ایک ہندوستانی تاجر کے ہاتھ میں نہایت خوبصورت بورئے (یا چٹائیاں) دیکھیں جو نہایت خوبی کے ساتھ بنی ہوئی تھیں اور جن پر نہایت خوشنما رنگوں سے دونوں طرف نقش و نگار بنے تھے۔

اس تاجر نے مجھ سے کہا کہ یہ چٹائیاں ہند میں کیلے کے پتوں سے بنائی گئی ہیں اور معبر کے ملک میں دو درہم میں ایک چٹائی بکتی ہے"[۱]

ایک صدی بعد یعنی ساتویں صدی کے اخیر اور آٹھویں صدی کی ابتدا میں معبر کا ذکر متعدد کتب تواریخ میں پایا جاتا ہے۔

رشید الدین وصاف۔ ضیاء برنی، ابو الفدا اور ابن بطوطہ نے اس ملک کا ذکر کیا ہے اور امیر خسرو کی تصانیف میں متعدد موقعوں پر اس کا بیان آتا ہے۔

رشید الدین جامع التواریخ (۱۳۱۰ء) کے باب چہارم میں جہاں ہند کے ملکوں شہروں اور قوموں کا ذکر آیا ہے۔ لکھتا ہے :-

"........ گجرات کے بعد کنکن اور تانا ہیں اور ان کے بعد ملک ملیبار آتا ہے جو کروہ سے کولم تک تین سو فرسنگ لمبا ہے معبر کولم سے نیلاور تک ۳۰۰ فرسنگ ساحل پر پھیلا ہوا ہے اس کی لمبائی اسی قدر ہے جس قدر کہ ملیبار کی معبر میں بہت سے شہر اور قصبے ہیں جن کے

---

[۱] کتاب الافادہ والاعتبار فی الامور المشاھدۃ والحوادث المعاینۃ بارض المصر ص

متعلق بہت کم حالات معلوم ہیں۔ معبر کا بادشاہ دیور کہلاتا ہے جس کے معنی ہندی زبان میں صاحب دولت ہیں بہت سے جہاز جنھیں چینی زبان میں جنک کہتے ہیں چین ماچین اور ممالک ہند و سندھ سے طرح طرح کی اشیاء اور کپڑے فروخت کے لئے لاتے ہیں۔ سوداگر معبر سے ریشمی کپڑے لے جاتے ہیں اور بڑے بڑے موتی سمندر سے نکالے جاتے ہیں اس ملک کی اشیاء عراق، اصفہان شام روم فرنگ اور مصر پہونچتی ہیں جواہرات . . . . . . اور سمندر میں موتی بکثرت ہوتے ہیں معبر گویا ملک ہند کی کنجی ہے . . . . . اس ملک کے لوگ خط استوا کے قرب کی وجہ سے کالے ہوتے ہیں۔

سب سے زیادہ دلچسپ اور پر معلومات بیان وصاف کا ہے جس نے اپنی تاریخ میں معبر کا ذکر اس طرح کیا ہے :

اما معبر عرصہ آں از حد کولم است تا خطہ نیلاور قریب سیصد فرسنگ سواحل در طول ایشاں بادشاہ خود را دیور گویند و معبر است ایں لفظ بمعنی خداوند دولت و پیوستہ طرایف اقصی چین و ماچین و روایع بضایع بلاد ہند و سندھ بسفاین بزرگ کہ انرا جنک گویند امثال الجبال تجری بجناح الریاح علی سطوح المیاہ بدانجا متواصل باشد و معموری جزایر بحر فارس خصوصا و زیب و رنگ و بوئی دیگر بلاد عموما از عراق و خراسان تا روم و فرنگ از آں حاصل و معبر بمثابت کلید ہند افتادہ۔

ہر سال، ہزار و چہار صد سر عتاد جیاد . . . . . تجار در جزیرہ قیس قبول کردہ ہمی رسانند و چندانکہ دست دہد او سائر جزائر فارس نطیف وبحا و بحرین و ہرموز و قلہات و غیرہ معہود باشد کہ قبول کنند و ہر کیے

سر اسپ را دویست و بہ بیست دینار سرخ قیمت معین شدہ از قدیم باز
بشرط آنکہ اگر در مسالف بحار آفتے رسد یا چند سر سقط شود۔ عوض آں
بر خزانہ بادشاہ (معبر) واجب باشد۔

واز معتبر آں روایت است کہ در عہد آتاک ابوبکر (ابن سعد زنگی)
ہر سال دہ ہزار سر اسپ ازیں مواضع بہ معبر و کنبایت و آں حدود فرستادہ
شدے بہائے آں کہ دو ہزار ہزار و دولت ہزار باشد اکثر از آں ناصلات
حاصلات موقوفات بتخانہ و تمغائے جواری کہ وقف اند بر کنائس
و معابد آں کفرہ فجرہ حوالت رفتے کہ بوصول اموال خزانہ ہیچ تعلق ندا شتے۔
چنانکہ شایان رکوب ندانند۔ ہر سال احتیاج ایشاں باسپان متجدد شود
و بداں سبب دلال بلاد اسلام متمول باشند[1]

وصاف کے معاصر ابو الفدا صاحب تقویم البلدان نے معبر کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

واما اقليم الثالث، فهو المعبر، واوله يقع شرقي الكولم هو
ثلثه او اربعه ايام وهو شرقي المليبار (ص ۳۵۴)

...... واول بلاد المعبر من جهت المليبار راس كمهري
بضم الكاف وسكون الميم وضم الهاء وكسر الراء المهملة ثم
يا اخر الحروف. قال وهناك جبل وبلد يقال له راس
كمهري۔ قال ومن المعبر منيفتن بفتح الميم وكسر النون
وسكون الياء المثناة التحتيه وفتح الفاء وتشديد التاء
المثناة الفوقيه ونون في الآخر قال وهي على الساحل
قال وقصبة المعبر بيّردا ول بكسر الباء الموحدة و

[1] تاریخ وصاف مطبوعہ بمبئی ۱۲۴۵ھ و ۱۸۲۹ء صفحہ ۳۰۱ و ۳۰۲)

تشدید الیاء المثناۃ التحتیۃ وسکون الزای وفتح الدال مہملۃ والف وواو ولام وقال ہی مدینۃ سلطان المعبر قال والیہ یجلب الخیول من البلاد (ص ۳۵۵)

اس کے بعد پھر ایک جگہ لکھتا ہے:۔

"المعبر ...... الاوصاف والاخبار العامہ قال ابن سعید المعبر المشہور علی الالسن بقصاتھا یضرب المثل وفی شمالہا جبال متصلۃ ببلاد بلہرا ملک ملوک الہند وفی غربہا یصیب اخر الصولیان فی البحر والمعبر شرقی الکولم بثلثۃ ایام اوا اربعۃ ولینبغی ان یکون بمیلہ الی الجنوب عنہا۔[1]

اسلامی مورخوں کے علاوہ وینس کے مشہور سیاح مارکو پولو نے جس نے تیرھویں صدی عیسوی (ساتویں صدی ہجری) کے اخیر میں چین تک ممالک شرقی کی سیاحت کی تھی۔ معبر کا نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کے بیانات اسلامی مورخوں سے لفظ بہ لفظ ملتے اور ہمارے خیال میں زیادہ تر مسلمان سیاحوں اور جہازرانوں کے معلومات پر مبنی معلوم ہوتے ہیں چونکہ اس کا سفرنامہ عام طور پر متداول ہے اور اس کا ایک مکمل ترجمہ اردو میں بھی ملتا ہے ہم اس کا انتخاب جو بہت طویل ہے اس موقع پر دینا ضروری نہیں سمجھتے۔

مارکو پولو کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں "معبر" غیر معمولی شہرت پائے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ اُسے ہند اعظم کے لقب سے نامزد کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں معبر پر چار راجہ حکومت کرتے تھے جن میں سب سے بڑا سندر پنڈی تھا۔ چونکہ معبر کے جنوبی ساحل پر موتی نکالے جاتے تھے اس لئے تمام اطراف کے تاجر وہاں آتے اور اپنی کمپنیاں بنا کر موتی

---

[1] تقویم البلدان ص (۳۲۰) و (۳۲۱)

نکلواتے تھے۔ ملک خوشحال اور لوگ فارغ البال تھے اور پشتہا پشت سے سلطنت کے خزانے جمع ہو رہے اور بڑھ رہے تھے۔ معبر کی تجارت خاص طور پر مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور ہر سال گھوڑوں کی تجارت سے انھیں نفع عظیم حاصل ہوتا تھا۔ مارکو پولو لکھتا ہے:۔

"اس ملک میں گھوڑے نہیں ہوتے۔ اور راجہ اور اس کے تینوں بھائی جو راج کرتے ہیں ہر سال زر خطیر۔ ہرمز۔ قیس۔ دار فور۔ شحر اور عدن کے تاجروں سے گھوڑوں کی خریداری میں صرف کرتے ہیں۔ یہ تاجر ان ملکوں سے گھوڑے لاکر فروخت کرتے اور اس تجارت سے خوب نفع اٹھاتے ہیں۔ پانچہزار گھوڑے یہاں فروخت ہو جاتے ہیں اور ہر گھوڑے کی قیمت پانچ سکی سونا ہوتی ہے جو سو مارک نقرئی کے برابر ہے چونکہ اس ملک میں گھوڑوں کی پرداخت اور بیطاری سے ناواقف ہیں لہذا ہر برس بعد شاید تین سو سے زیادہ گھوڑے زندہ نہیں بچتے اور اس وجہ سے ہر برس ان کی جگہ نئے گھوڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک اور موقع پر مارکو پولو نے لکھا ہے کہ معبر کے باشندے مسلمانوں سے جانوروں کے ذبح کرانے کا کام لیتے تھے۔

موسیو پولی اے (PAUTHIE) نے مارکو پولو کے سفرنامہ پر فرانسیسی زبان میں جو نوٹ لکھے ہیں ان میں چین کی سرکاری تواریخ سے چند مقامات نقل کئے ہیں۔ جن میں ہندوستانی حکومتوں سے قبلائی خاں کے سیاسی مراسم کا تعلق بیان کیا گیا ہے۔ (ص ۶۰ و ۶۵) اور ملک مابر یعنی معبر کا ذکر ہے۔

ضیاء الدین برنی (متوفی بعد ۷۵۸ھ) نے علاء الدین اور قطب الدین خلجی کے زمانہ میں معبر کا ذکر کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس نے اس ملک کے کوئی حالات بیان نہیں کئے یقین ہے کہ وہ اس ملک کے بابت دور و مشہور ہونے سے زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ (دیکھو تاریخ فیروز شاہی)

ملک نائب کا دھور سمندر سے معبر کی طرف جانا (ص ۳۳۳) اور خسرو خاں کا معبر جانا (ص ۳۹۵)
ہندوستانی مصنفوں میں سب سے زیادہ امیر خسرو نے معبر کا ذکر کیا ہے۔ مثنوی عشقیہ (دولرانی خضر خانی) اور مثنوی نہ سپہر میں اس کا تذکرہ آیا ہے۔ خزاین الفتوح (یا تاریخ علائی) میں علاءالدین کے عہد میں معبر کی فتوحات کے مفصل حالات درج کئے گئے ہیں اور رسایل اعجاز خسروی میں علاءالدین کا ایک فرمان ہے جس میں اُس بادشاہ نے معبر کا ملک اپنے بیٹے فرید خاں کو جاگیر میں دیا ہے۔

ان تمام مورخوں اور مصنفوں کے بیانات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں جزیرہ نمائے دکن کے ساحل کارومنڈل کے اکثر حصے اور مدراس پریسیڈنسی کے نصف جنوبی و مشرقی حصوں کو جن میں کرناٹک اور تنادلی وغیرہ شامل تھے معبر کہتے تھے اُس عہد کے مسلمان مورخوں اور جغرافیہ نگاروں کے علاوہ چینی تواریخ اور مغرب کے سیاح بھی اس ملک کو اسی نام سے جانتے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ معبر کس زبان کا لفظ ہے۔

جہاں تک کہ جنوبی دکن کے آثار و کتب کو تلاش کیا گیا ہے اس لفظ کا نشان ملکی زبانوں میں کسی زمانہ میں نہیں پایا جاتا۔ ساتویں آٹھویں صدی کے بہت سے آثار اور کتابیں موجود ہیں۔ لیکن کہیں پراسے اس نام سے یاد نہیں کیا گیا۔

بعض ناواقف مورخوں نے لکھدیا ہے کہ یہ ملیبار کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ حالانکہ ملیبار کا اطلاق اُس عہد کے تمام مورخوں نے اس ملک پر کیا ہے جس پر صحیح طور پر ہونا چاہیئے اور معبر کو تلفظاً جدا کر کے لکھا ہے۔

ایسی حالت میں صرف ایک ہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے جو عرب سیاحوں اور تاجروں کا رکھا ہوا ہے اس عہد میں مشرقی سمندروں میں چین تک تقریباً تمام جہازرانی اور تجارت مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں تھی اس لئے اُن کی

بدولت اس ملک کا نام یہی مشہور ہو گیا۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے تو معبر کے معنی "جائے گذر از کرانہ دریا" یعنی گھاٹ ہوتے ہیں۔ عبر النہر بمعنی کرانہ جوی اور عبر الوادی" بمعنی کرانہ رود" استعمال ہوتے ہیں اور "عبور" سمندر یا دریا سے پار اترنے کو کہتے ہیں یہ تمام الفاظ ایک ہی مادہ سے ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے تو دوسرا سوال یہ ہے کہ معبر کو مسلمانوں نے اس نام سے کیوں تعبیر کیا۔

اس کی وجہ بہت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے اور اس کی تصدیق سب سے بڑھ کر البیرونی کے ان الفاظ سے ہوتی ہے جو ہم نے اوپر نقل کئے۔ ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ جزیرہ نمائے دکن کا یہ حصہ (جو بقول ابوالفدا راس کماری سے شروع ہوتا ہے) ساحل ہند سے جزیرہ سراندیپ کو جانے کے لئے قریب ترین جائے گذر تھا اس لئے اس پر معبر کا اطلاق کیا گیا۔ ابتداءً یہ نام جیسا کہ البیرونی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے صرف انتہائی جنوبی گوشہ کے لئے استعمال ہوتا تھا جہاں مدورا (جسے البیرونی نے قانون مسعودی میں اور امیر خسرو نے اپنی تصانیف میں منترہ لکھا ہے) واقع ہے لیکن مدورا کی سلطنت اور قوم کے ساتھ ساتھ اس لفظ کا اطلاق رفتہ رفتہ تمام مشرقی ساحل پر ہونے لگا۔

ان حالات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی کے آغاز میں مسلمان دکن کے سواحل پر پھیلے ہوئے تھے جا بجا ان کی آبادیاں موجود تھیں جن میں سے بعض قدیم الایام قائم تھیں ان ملکی مسلمانوں کے علاوہ عرب اور فارس کے مسلمان تجارت کی غرض سے بکثرت آمد و رفت رکھتے تھے اور بحری تجارت صدیوں سے مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ جس سے انھیں بہت بڑا فائدہ حاصل ہوتا تھا۔

لیکن اس سے بھی بڑھ کر اہم امر یہ ہے کہ دکن کی حکومتوں پر مسلمانوں کا گہرا سیاسی اثر بھی پڑ رہا تھا حتیٰ کہ اس عہد میں معبر کی وزارت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور اس ملک کے بہترین بندرگاہ پٹن - ملی پٹن (نیگا پٹم) اور قایل (کایل) مسلمان وزیر کی جاگیر میں تھے - تجارت درآمد و برآمد مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی - سلطنت کے سیاہ و سفید کے وہ مالک بنے ہوئے تھے - ملک کا اندرونی انتظام اُن کے ہاتھ میں تھا اور سلطنت کی خارجی تعلقات انہیں کی مدد سے طے ہوتے تھے - فوج میں انکی معتد بہ تعداد موجود تھی - غرض وزارت، تجارت، اور سفارت پر مسلمان قابض ہو چکے تھے اور فوج میں بھی وہ کافی تعداد میں شامل تھے - یہ تمام حالات تفصیل سے بیان کئے جانے کے قابل ہیں - جنھیں ہم کسی آیندہ اشاعت میں درج کریں گے اس کے ملاحظے سے ناظرین کو ثابت ہوگا کہ اگر شمالی ہند سے فتوحات شروع نہ ہو جاتیں تو بھی یہ ممکن تھا کہ مسلمان سمندر کے راستہ سے دکن کو فتح کر کے وہاں اپنی سلطنت قائم کر لیتے -

سلاطین قطبشاہیہ کے تعلقات خارجہ اور اُس کا اثر

(نوشتہ مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی)

سلطان قلی قطب شاہ اول کی تخت نشینی (۱) (۹۲۴ھ؁ ۱۵۱۸ء؁) سے سلطان محمد قلی قطب شاہ پنجم کی وفات (۱۰۲۰ھ؁ ۱۶۱۲ء؁) تک سلاطین قطبشاہیہ نے آزادی اور خود مختاری کے ساتھ دکن میں حکومت کی۔ جنوبی ہند کے راجگان اور دکن کے دیگر سلاطین سے وقتاً فوقتاً آپس میں آویزش ضرور رہی لیکن ان باہمی قضیوں کے طے کرنے کے لئے شمالی ہند کی سلطنتوں سے کوئی امداد یا مداخلت کا موقعہ نہیں آیا بلکہ دکن کی ہمسایہ سلطنتیں ہی ہمیشہ ان خانہ جنگیوں کا تصفیہ کرتی رہیں۔

قطب شاہی سلاطین میں سب سے پہلے سلطان ابراہیم قطب شاہ نے بہ لحاظ اتحاد مذہبی ایران کے سلاطین صفویہ سے رابطہ اتحاد قایم کیا لیکن ان تعلقات کا کوئی خاص اثر ملک کی سیاسی حالت پر رونما نہیں ہوا۔ تمدنی نقطۂ نظر سے ایران سے تعلقات قایم کرنے کا یہ اثر ضرور ہوا کہ ایرانی ارباب کمال اور ایرانی مصنوعات کی درآمد دکن میں بہت آزادی کے ساتھ شروع ہوگئی اور دونوں سلطنتوں کی سفراء کی آمد و شد کا سلسلہ آغاز ہوگیا۔

سلاطین قطب شاہیہ کی عنان توجہ پورے انہماک کے ساتھ دکن پر اس وقت منعطف ہوئی جبکہ نظام شاہی سپہ سالار ملک عنبر جہانگیری افواج سے برسرپیکار ہوا تھا اور ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) میں شاہ نواز خاں اور یعقوب خاں کی کوشش سے عنبر نے شکست کھاکر دولت آباد میں جاکر دم لیا چنانچہ ملک عنبر کے قطعی استیصال کی خاطر ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں بادشاہ جہانگیر نے شاہزادہ خرم (شاہجہاں) کو دکن کی مہم پر مامور کیا۔ یہاں کے سربرآوردہ سلاطین میں اس وقت ابراہیم عادل شاہ بیجاپور اور محمد قطب شاہ گولکنڈہ تھے۔ شاہزادہ خرم نے ازراہ دوراندیشی ان دونوں بادشاہوں کو فراہم کرنے کے لئے اپنے ایلچی روانہ کئے چنانچہ افضل خاں سپہ سالار اور راجہ بکرماجیت کو بیجاپور کی طرف اور معتمد خاں عرف میرکی اور رائے جادوداس کو گولکنڈہ کی جانب فرامین کے ساتھ روانہ کیا۔ ان فرامین میں ان سلاطین سے بہت کچھ وعدے وعید کئے گئے تھے اور افواج مغلیہ سے برسرپیکار رہنے کی خرابیوں کو ظاہر کرکے بالآخر اشعار ذیل بھی اسمیں درج کئے تھے

دو شعلہ زیک شمع دارم بہ چنگ — یکی نور صلح و دگر نار جنگ

بود نور صلحم شبستاں فروز — ولی نار جنگم بود خانہ سوز

بیجاپور میں ان مغلیہ سفرا کی کس طرح آؤ بھگت ہوئی اور کس قدر پیشکش وتحائف وہاں سے بھیجے گئے یہ امور ہماری موضوع سے خارج ہیں اس لئے ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔

جب میرکی اور جادو رائے ۵ رجب المرجب ۱۰۲۶ھ کو وارد حیدرآباد ہوئے تو سلطان محمد قطب شاہ نے بہ نفس نفیس ان سفیروں کی کئی کوس تک پیشوائی کی اور فرمان شاہی کو سر پر رکھ کر سفراء کی اعزاز و میزبانی میں کوئی دقیقہ نامرعی نہ رکھا اور ان سفراء کے توسط سے پندرہ لاکھ روپیہ کا پیشکش شاہزادہ خرم کے پاس بھیجا۔ شاہزادہ بیجاپور وحیدرآباد کی پیشکش کو لے کر جسکی مقدار پچاس لاکھ روپیہ ہوتی تھی باپ کے پاس پہنچا

اور اس حسن خدمت کے صلہ میں بی ہزاری بست ہزار سوار کا منصب اور شاہ جہاں کا خطاب پایا اور دربار شاہی میں کرسی پر بیٹھنے کی اجازت مرحمت ہوی۔ اس کے بعد جب شہریار پسر جہانگیر کے ساتھ نورجہاں نے اپنی وہ لڑکی جو شیر افگن کے صلب سے تھی بیاہ دی تو اُس نے شاہ جہاں کے ضعف اور شہریار کے عروج کی تدابیر کرنی شروع کیں اور ان اثرات کی بدولت جو جہانگیر پر اس کو حاصل تھے آخرالامر نورجہاں نے باپ کو بیٹے (شاہجہاں) سے بالکلیہ بدظن کرادیا۔ یہ وقت شاہجہاں کے لئے اس قدر نازک آگیا تھا کہ اس کے جو معتمد علیہ اور قوت بازو تھے وہ تک بادشاہ کی ناراضی کے خوف سے یکے بعد دیگرے اُس سے کنارہ کش ہونے لگے شاہجہاں اپنی جان بچاتا ہوا قطب شاہی عملداری کو عبور کر کے مچھلی پٹن چلا آیا۔ اس موقع پر سلطان محمد قطب شاہ ششم نے اپنے علاقہ کے ہر مقام پر شاہجہاں کی شایان شان مہمانداری کی اور جب شاہ جہاں بخیر و عافیت مچھلی پٹن پہنچ گیا تو اس کے پاس معقول رقم بطور پیشکش بھیجی شاہ جہاں اس حسن سلوک سے سلطان محمد قطب شاہ کا بہت شکرگزار رہا۔ چنانچہ سلطان محمد قطب شاہ کی وفات (۱۰۳۵ھ - ۱۶۲۶ء) پر ادائی مراسم تعزیت و تہنیت کے لئے انہی عمدہ تعلقات کی بناء پر شاہ جہاں نے اخلاص خاں قزوینی کو مکتوب تہنیت اور تبرکات شاہانہ کے ساتھ سلطان عبداللہ قطب شاہ سابع کے پاس بھیجا تھا۔ اس واقعہ کے دو ہی سال کے بعد (۱۰۳۷ھ - ۱۶۲۸ء) میں خود شاہجہاں صاحبقران ثانی کے لقب سے اورنگ نشین ہند ہوا اور چند سال تک داخلی امور سلطنت کے انصرام کے بعد (۱۰۴۵ھ - ۱۶۳۵ء) میں شاہجہاں ان سلاطین پر اپنا اثر و اقتدار قائم کرنے کی جانب متوجہ ہوا جن کے حالات سے وہ بحالت شاہزادگی کما حقہ باخبر ہو چکا تھا۔ سلاطین قطب شاہیہ کی نسبت خصوصاً یہ بات الم نشرح تھی کہ ایران کے شاہ عباس صفوی سے ان کے تعلقات بہت استوار ہیں چنانچہ جب خیرات خاں سرنوبت گولکنڈہ (۱۰۳۶ھ - ۱۶۲۶ء) میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کی جانب سے مکتوب اور تحف

وہدایا لے کر ایران جارہا تھا تو اس کی اطلاع پاکر بندر سورت سے شاہ جہاں نے خیرات خاں کو آگرہ طلب کرکے خود بھی ایک خط شاہ عباس صفوی کے نام خیرات خاں کے حوالہ کیا تھا اس کے علاوہ یہ بات بھی کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی کہ قطب شاہ مذہب اثنا عشری کا پیرو تھا اور اسی طریقہ کے مراسم عہد سلطان قلی قطب شاہ اول[1] سے حیدرآباد میں علانیہ ادا ہوتے تھے اور خطبہ میں بجائے شاہان ہند کے شاہ عباس ایران کا نام لیا جاتا تھا۔

شاہ جہاں نے اپنی قوت وجبروت اور عبداللہ قطب شاہ کی کمزوریوں کا صحیح اندازہ کرکے ایک فرمان ملا عبداللطیف قزوینی دیوان تن کے ہمراہ حیدرآباد روانہ کیا جس میں اس بات پر اصرار کیا گیا کہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے کی رسم کو موقوف کیا جائے

---

[1] سلطنت قطب شاہیہ میں مذہب اثنا عشریہ کی ترویج کے متعلق صدر جہاں صاحب مرغوب القلوب نے سلطان قلی قطب شاہ اول کی زبانی حسب ذیل عبارت نقل کی ہے:-

"الحال قریب شصت سال باشد کہ شب و روز با کافراں غزا نمودہ بہ توفیق اللہ تعالیٰ از سرحد ورنگل تا بندر مچھلی پتن و راج بندری قریب شصت ہفتاد قلعہ و حصار رفیعہ و مستحکم بضرب شمشیر آبدار بتصرف اولیای دولت ابد پیوند در آوردہ ام و ایں فتوحات عظیمہ از یمن و برکت آنست کہ روزیکہ ابتدائی تسخیر ممالک کفار نمودم با خود نذر شرعی کردم کہ اگر حق تعالیٰ مارا بمصداق تؤتی الملک من تشاء مشرف گرداند خطبہ والائمہ دوازدہ امام علیہ السلام در تمام قلمرو خود اجرا نمودہ مذہب بحق وصی خیر البشر و ائمہ اثنا عشرہ را دریں مملکت کہ ہرگز بوی گلشن اسلام بہ مشام ایشاں نرسیدہ رواج دہم وقوع ایں حال قبل از ظہور شاہ اسمعیل و رواج مذاہب جعفری در مملکت ایران است تا کسی را بخاطر نرسد کہ من تقلید آں شاہ غفران پناہ کردہ ام بلکہ در زمان سلطنت سلطان یعقوب صفحہ خاطر را بمہر مہر ائمہ اثناء عشر علیہ السلام مسلوک گردانیدہ ام و مذہب شدید شیعہ مذہب آبا و اجداد عظام ماست۔"

(تاریخ سلطان محمد قطب شاہی قلمی)

اور خطبہ میں بجائے شاہ ایران کے شاہ جہاں بادشاہ ہندوستان کا نام داخل کیا جائے۔ اور پیشکش و تحائف کا بھی مطالبہ کر کے سلطان محمد قطب شاہ مرحوم کی خوش اعتقادی کے صلہ میں سلطنت گولکنڈہ سلطان عبداللہ کے نام بشرط طاعت وفاداری بحال و برقرار رکھنے کا وعدہ کیا گیا تھا اور آخر میں یہ تہدید کی گئی تھی کہ اگر ان احکام کی کما حقہ تعمیل نہیں ہوی تو ملک دکن پر افواج شاہی کو مسلط کر کے ان احکام کی تعمیل کرائی جائے گی۔ سیاق عبارت اس فرمان کی ایسی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک شہنشاہ اپنی ایک باجگذار رئیس کو عنایت نامہ لکھ رہا ہے اور اس امر کا اس کو بخوبی اطمینان ہے کہ مخاطب میں تاب مقاومت و سرتابی نہیں ہے۔ چنانچہ فرمان متذکرۂ صدر حسب ذیل ہے:—

"ایالت و امارت پناہ ارادت و عقیدت دستگاہ، عمدہ اماجد کرام، سلالہ اکارم عظام، نقادہ خاندان عز و علا عضادۂ دودمان مجد و اعتلا زبدۂ مخلصان صلاح اندیش، خاصہ متخصصان سعادت کیش، مورد الطاف شاہنشاہی، مصدر آداب خیر خواہی، جوہر مراۃ صفا و صفوت، فروغ ناصیہ دولت و رفعت سزاوار عاطفت بیکراں المخصوص بعنایت الملک المنان، قطب الملک بشمول عنایات بادشاہانہ مستظہر بودہ بداند کہ چوں ما بدولت و اقبال بادشاہ اسلام و مروج دین مبین حضرت سید انام علیہ وعلی آلہ واصحابہ صلوات اللہ ملک العلام موید و مروج مذہب اہل سنت و جماعتیم، برما واجب است کہ در ہر جا کہ حکم اشرف اقدس ما جاری باشد، شریعت غرا و ضوابط ملت بیضا را جاری سازیم و آثار بدعت و ضلالت را محو فرمائیم۔ بسامع جاہ و جلال رسیدہ کہ در ملک آں قطب فلک شوکت

علی رؤس الاشهاد سب اصحاب کبار که آیات قرآن مجید وفرقان
حمید دلالت میکند بر فضل ایشان و اخبار و آثار صحاح شهادت میدهد
بر علو درجه و سمو مرتبه آن بزرگان رضی الله تعالی عنهم و با فضایل
صوری و معنوی ایشان قرابت قریبه حضرت رسالت صلوات الله
وسلامه علی آله و اصحابه اجمعین فراهم آمده، می نمایند و آن ایالت
پناه منع نمی کنند و به سزائے اعمال نمی رساند، بنا بران از روئے
ارشاد حکم میفرمائیم که از ملک خویش امر قبیح و فعل شنیع برطرف
گرداند و اگر بد بختے ازلی سعادتی مرتکب شود او را سیاست نماید
و اگر چنین نخواهد کرد در رضا مندیش باین معنی بوضوح خواهد پیوست
درین صورت بر ما لازم است که در مقام تسخیر آن ملک شویم و مال
و اهل آن ولایت را بر خود حلال دانیم و خون آنها را هدر شناسیم
دیگر بعرض رسید که خطبه را در آن ملک بنام فرمان روای ایران
میخوانند، هرگاه آن ولایت پناه دعوای مریدی نموده باشد،
با فرمان روای ایران چه رجوع دارد، باید که بعد ازین نام فرمان روای
ایران در خطبه مذکور نسازد، و در آن ملک خطبه بنام نامی و القاب
سامی ما مزین باشد دیگر مبلغی کلی از بابت پیشکش آن ایالت و
شوکت را باید داد چنانچه تفصیل آن از اوراقی که بدستخط دیوانیان
کرام رسیده و همراه این فرمان عالیشان فرستاده شد معلوم خواهد
شد، آن را ادا نماید، چون ضرور بود که فهمیده معتمدی را بآن
صوب بفرستیم تا مقدمات مسطوره را خاطر نشان آن شوکت دستگاه
کند و اعلام نماید که تا بدولت و اقبال نظر بر قوت اخلاص و صدق

اعتقادی که پدر آں ایالت پناه سلطان محمد قطب الملک مرحوم بخدمت باداشته
و خدمتی که ازاں مرحوم بوقوع آمده، ایں عنایات بادشاهانه نسبت بآں قطب فلک
ایالت می فرمائیم و آں ملک را باو مرحمت می نمائیم و مقرر می کنیم بشرط استقامت
بر جادهٔ دولت خواهی و اطاعت و انقیاد احکام جهاں مطاع عالم مطیع و ادا
مطالبات سرکار خاصه شریفه، بعد ازیں ضرری از اولیای دولت قاهره بآں
ملک نه رسد، و در عوض مبلغ مذکور جواهر نفیسه و مرصع آلات ثمینه و فیلان بی عیب
کلاں نامی مثل داک سمندر و شیر که پدر او بعنوان پیشکش فرستاده بود و دیگر
تحف و هدایا ازاں امارت دستگاه گرفته روانه درگاه والا گردد لهذا معتمد کارآگاه
ملا عبداللطیف را که از بندهای روشناس ایں درگاه خلایق پناه است با آنکه خدمت
دفترتن داشت و بودن آں لایق العنایت در رکاب ظفر نصاب لازم بود پیش
آں ایالت و شوکت پناه فرستادیم و هر ارشادی که آں قطب فلک ایالت و ابهت
را بالبیت نمود بزبان آں معتمد حواله فرموده ایم، بموجب آنچه دریں فرمان عالیشان
حکم شده و هر چه زبانی ارشاد فرموده ایم عمل نماید و ایں پیشکش را آنچناں ترتیب داده
مصحوب مشارٌالیه روانه سازد که در ایام نوروز عالم افروز در دولت آباد از نظر
اشرف بگذرد و نفاست جواهر و خوبی فیلان پیشکش مذکور بعنوانی باشد که مجرائی خوب
آں نصفت دستگاه ازیں جهت شود و یقین داند که اگر توفیق قبول ایں
احکام نیافت و بایں ارشاد مسترشد نگشت و پیشکش مذبور را بروشی که حکم جهاں
مطاع واجب الاتباع شرف صدور یافته، روانه درگاه فلک اشتباه که ساکنان
اقالیم سبعه را ملجا و پناه است نگرداند، افواج قاهره و عساکر منصوره بآں
ملک خواهد در آمد۔ در آں هنگام آنچه بآں ملک و اهل آں ملک برسد از
نتایج اعمال خود داند[1]"

(باقی)

[1] فیاض القوانین از ملا فیاض تالیف سنه ۱۱۳۳ھ قلمی

مشہور مورخ خافیخاں کا کتبہ
پائیگاہ نواب سر خورشید جاہ بہادر کے تعلقہ نرساپور میں

نوشتہ سید احمد اللہ قادری

یہ کتبہ اب سے تقریباً چوبیس سال پہلے معرض تحقیق میں آیا ہے اور اس کے دریافت ہونے کی سرگذشت یہ ہے کہ سنہ ۱۹۰۲ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے سر ولیم ہنٹر کے گزیٹر کی تصحیح و ترمیم کرنی چاہی اور اسے جدید معلومات کے اضافہ کے ساتھ از سر نو مرتب و مدون کرنا چاہا تو ہندوستان کے گوشے گوشے سے مقامی حالات طلب کئے۔ اس تحریک کی بنا پر سرکار عالی نے بھی تدوین گزیٹر کے لئے ایک محکمہ قائم کیا اور اس کی ہدایات کے موافق اضلاع کے عہدہ داروں نے معلومات جمع کرنا شروع کئے۔ پائگاہوں میں بھی فراہمی حالات کا آغاز ہوا۔ نرساپور کے تحصیلدار نے اپنے تعلقہ کی نسبت ایک رپورٹ لکھی جس میں وہاں کے جغرافیائی کوائف اور تاریخ و آثار قدیمہ کے حالات تفصیل کے ساتھ درج کئے اور اسے ۳۰ جولائی سنہ ۱۹۰۵ء کو معتمد پائگاہ کے یہاں ارسال کیا۔ چنانچہ یہ رپورٹ محکمہ معتمدی کی مثل نشان (۲۶) بابتہ سنہ ۱۳۱۲ف صیغہ مال نسبت فراہمی مواد گزیٹر میں موجود ہے اور اسی سے یہ کتبہ اخذ کیا گیا ہے۔

نرساپور حیدرآباد سے جانب شمال (۳۵) میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ منعم خاں ہمدانی نے سوانح دکن کے نام سے نواب میر نظام علی خاں بہادر آصف جاہ ثانی در سنہ ۱۱۸۵ھ سنہ ۱۲۱۸ء

کے عہد میں دکن کا ایک تاریخی جغرافیہ مرتب کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ میں اس کو سلطان پور کہا کرتے تھے یہ سرکار میدک کا ایک زرخیز پرگنہ تھا اور اس سے سالانہ اسی ہزار روپیہ کی آمدنی تھی[۱]۔ اس قصبہ میں قدیم زمانہ کی بنی ہوی ایک مسجد ہے۔ اس کے عقب میں ایک عالیشان کنواں ہے جسے خافی خاں نے سنہ ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ع میں تعمیر کیا ہے یہ کتبہ اسی کے سال تعمیر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور زینہ کے بالائی حصہ میں کندہ ہے۔

خافی خاں عہد مغلیہ کا نامی گرامی مورخ گذرا ہے اس کا نام محمد ہاشم ہے آبا و اجداد خواف کے رہنے والے تھے جو خراسان میں نیشاپور کے قریب واقع ہے[۲] اور اسی سے منسوب ہو کر اس کا لقب خافی خاں یا خوافی خاں مشہور ہوگیا تھا۔ محمد شاہ بادشاہ (۱۱۳۱ھ ۱۷۱۸ع تا ۱۱٦۱ھ ۱۷۴۸ع) کے عہد میں جب نواب نظام الملک آصف جاہ دکن کے صوبہ دار مقرر ہوے تو بادشاہ نے خافی خاں کو دکن کے چھ صوبوں کا دیوان کل بناکر ان کے ہمراہ کردیا اور اسی زمانہ سے اس نے اپنا لقب محمد ہاشم خافی خاں نظام الملکی اختیار کیا[۳]

خافی خاں نے منتخب اللباب کے نام سے ہندوستان کی جو تاریخ لکھی ہے وہ تین جلدوں میں منقسم ہے پہلی جلد میں مسلمانوں کے فتح ہندوستان سے لودہی خاندان کے انقراض تک سلاطین دہلی کا تذکرہ ہے دوسری جلد میں بابر بادشاہ کی تخت نشینی سے محمد شاہ کے بارہویں سال جلوس تک شاہان مغلیہ کے حالات ہیں۔ تیسری جلد دکن سے تعلق رکھتی ہے اسمیں سلاطین بہمنیہ اور اس کے جانشین خاندانوں کے تاریخی واقعات ہیں اسکی پہلی دو جلدیں سنہ ۱۱۳۰ھ ۱۷۱۷ع میں بہ مقام دہلی مرتب ہوی تھیں اس کے بعد ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ع تک بارہ سال کے حالات مصنف نے دکن میں آنے کے بعد اضافہ کئے۔ تیسری جلد بھی قریب قریب اسی زمانہ میں سنہ ۱۱۴۰ھ ۱۷۲۷ع اور ۱۱۴۴ھ ۱۷۳۱ع کے مابین تمام کی اس تاریخ میں عالمگیر (۱۰٦۸ھ ۱٦۵۷ع تا ۱۱۱۸ھ ۱۷۰٦ع) اور اس کے جانشین بہادر شاہ (۱۱۱۸ھ ۱۷۰٦ع تا ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ع) اعظم شاہ (۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ع تا ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ع)

---

[۱] سوانح دکن قلمی ورق ۱۹ [۲] نزہتہ القلوب طبع بمبئی صفحہ ۱۸۲ [۳] منتخب اللباب جلد سوم صفحہ (۲)

جہاں دار شاہ (۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء – ۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ء) فرخ سیر (۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ء – ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ء) اور محمد شاہ کے
عہد حکومت کے چشم دید حالات خوب شرح و بسط سے لکھے ہیں جس کی وجہ سے عہد
حکومت مغلیہ کے دور آخر کی نسبت یہ بہترین تاریخ تسلیم کی گئی ہے۔ اور ہندوستان
و یورپ کے تمام مورخین نے اس دور کے حالات بالعموم اسی کتاب سے اخذ کئے ہیں
اس تاریخ کی پہلی جلد نایاب ہے۔ دوسری اور تیسری جلد کو کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی
نے تین ضخیم ضخیم جلدوں میں چھپوا کر کتب ہندیہ کے سلسلہ میں شائع کیا ہے۔
خافی خاں کا کتبہ جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ ذیل میں درج ہے:۔

چشمہ شیریں دریں قصبہ نہ بود — کز زلالش تشنہ را لب تر بود

ساخت خافی خاں چنیں چاہ لطیف — موج آبش جسم را جوہر بود

ہاتفی گفت از پے تاریخ سال — چشمۂ پاکیزہ از گوہر بود

۱۱ ۴۰

ملیبار
اور اس کے ساتھ
قدیم عربوں اور مسلمانوں کے تعلقات

حکیم سید شمس اللہ قادری کا لکچر جو مدراس یونیورسٹی کے زیر انتظام
۱۱ر فروری ۱۹۲۳ء کو گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس کے لکچر ہال میں دیا گیا۔

(۱)
ملیبار کے جغرافیہ کوائف

اہل عرب ہندوستان جنوبی کے مغربی ساحل کو ملیبار کہتے ہیں اس کے قدیم نام جو کنڑی اور ٹامل کی قدیم تصنیفات میں ملتے ہیں کرالہ اور ملیالم ہیں۔

"ملے" یا "ملاے" ڈراویڈن زبانوں میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور اس کی کسی قدر بدلی ہوی صورت ملا یا سنسکرت میں بھی مستعمل ہے۔

ملے کے آخر میں بار کے اضافہ کرنے سے ملیبار بنتا ہے۔ "بار" فارسی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی ملک ہیں ملے اور ملاے دونوں ایک ہی لفظ ہیں اور ان کے معنی جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کوہستان کے ہیں اس اعتبار سے ملابار کے معنی ہیں پہاڑی ملک۔

عرب کے جغرافیہ نویسوں میں سب سے پہلے شریف ادریسی (۵۴۵ھ) نے اپنی جغرافیہ میں جس کا نام "نزہتہ المشتاق" ہے اس نام کا ذکر کیا ہے اس کے بعد

عبداللطیف بغدادی اور یاقوت حموی کی تصنیفات میں یہ نام اس طرح مستعمل ہوا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مشہور اور متداول نام درج ہیں۔

ایران کی فارسی تصنیفات میں یہ نام پہلے پہل وزیر رشیدالدین فضل اللہ کی جامع التواریخ میں نظر آتا ہے۔ فخرالدین بناکتی اور عبداللہ وصاف کی تاریخوں میں بھی جو جامع التواریخ کے بعد لکھی گئی ہیں یہ نام موجود ہے۔

ہندوستان کے مسلمان مصنفین میں غالباً سب سے پہلے امیر خسرو ہیں جنھوں نے اس علاقے کا ذکر ملیبار کے نام سے کیا ہے چنانچہ ان کی منظومات میں یہ نام اس طرح وارد ہوا ہے ؎

بے نیازی اد کعبہ جستہ و خواستہ　　بیاد بیں کہ خرابیش چوں ملیبارست

اوپر کے شواہد اور خود اس نام کی ترتیب سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ نام اُن سیاحوں اور جہاز رانوں نے رکھا ہے جو ایران و عرب سے براہ خلیج فارس اس ملک میں آیا کرتے تھے ان لوگوں نے اس کے علاوہ بعض دوسرے علاقوں کے نام بھی ایسے ہی رکھے ہیں منجملہ اُن کے ایک نام زنجبار ہے جس کے معنے ہیں "زنگیوں کا ملک" علیٰ ہذا القیاس ہندوبار اور نکوبار بھی اسی نوعیت کے نام ہیں۔

عربوں کے یہاں اس ملک کا ملیبار کے علاوہ ایک اور نام مشہور ہے۔ یعنی بلاد لفلفل اور یہ نام انھوں نے اس لئے دے رکھا تھا کہ سیاہ مرچ (فلفل) یہاں کی مخصوص پیداوار ہے اور وہیں سے اطراف عالم میں جایا کرتی ہے۔

چھٹی صدی تک مسلمان جغرافیہ نویس ملیبار کے حالات سے بہت کم واقف تھے یہاں تک کہ اس کے موقع و محل سے بھی انھیں کافی واقفیت نہ تھی صرف اس قدر جانتے تھے کہ ہندوستان کی ایک اقلیم ہے جس میں بہت سے شہر فاکنور، منجرور وغیرہ واقع ہیں اور یہاں سے فلفل تمام دنیا میں آتا ہے۔

اس زمانہ کے بعد اسلامی تاریخوں میں ملیبار کا ذکر صحت کے ساتھ ملتا ہے۔ رشید الدین فضل اللہ۔ فخر الدین بناکتی۔ ابوالفدا حموی اور بالخصوص ابن بطوطہ جس نے ۷۴۳ھ میں اس ملک کا سفر کیا ہے۔ یہاں کے حالات صراحت کے ساتھ بیان کئے ہیں اور خاصکر مسلمانوں کے کوائف کو عمدگی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

رشید الدین کا بیان ہے کہ ملیبار۔ گوا سے شروع ہو کر کولم پر ختم ہوتا ہے۔ اس کی مسافت تین سو فرسخ ہے ابوالفدا اور ابن بطوطہ نے بھی ملیبار کے یہی حدود بتائے ہیں۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ گوا سے کولم تک ۲ مہینے کی مسافت ہے۔

مارکو پولو MARCOPOLO نے لکھا ہے کہ ملیبار ہیلی سے شروع ہو کر گجرات تک چلا گیا ہے۔ پرتگیز سیاحوں اور خصوصاً تھیونو THEVENOT نے لکھا ہے کہ کنانور سے راس کماری تک جو ملک واقع ہے ملیبار کہلاتا ہے۔

ملیبار کے ایک طرف جانب مغرب ساحل بحر اور دوسری طرف جانب مشرق مغربی گھاٹ کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے اور دونوں کے وسط میں ملیبار کا علاقہ واقع ہے۔ مغربی گھاٹ کوہستان کا ایک عظیم الشان سلسلہ ہے جو دریائے تاپتی کی وادی سے شروع ہو کر راس کماری تک کم و بیش ایک ہزار میل تک چلا گیا ہے۔ ملیبار میں اس سلسلہ کوہ کی بلندی تین ہزار سے آٹھ ہزار فیٹ تک پائی جاتی ہے اور شمال میں ساحل بحر اس سے بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس کے بعد جانب جنوب اس کی مسافت بتدریج بڑھتی گئی ہے یہاں تک کہ پال گھاٹ کے قریب اس کا بُعد ساحل بحر سے ساٹھ میل ہو گیا ہے اور اس طویل سلسلہ میں صرف اسی جگہ ایک فصل پیدا ہو گیا ہے جس کی مسافت سولہ میل ہے۔ اور اسی درے سے اندرون ملک میں ریل داخل ہو کر مغربی ساحل پر گذرتی ہے یہ درہ ملیبار کے عین وسط میں واقع ہوا ہے اسی کے قریب اس گھاٹ کی ایک بلند چوٹی واقع ہے جس کا نام وے دن مالا یا کون شتر

ہے اور اس کی بلندی کم و بیش سات ہزار چھ سو فیٹ ہے اس کے بعد جانب جنوب کوہستان کا جو سلسلہ چلا گیا ہے اُس کا نام آنے ملیس یا جبل الفیل ہے اور اس پہاڑی سلسلہ کی ایک بلند چوٹی پر کوڈسے نال کا گراماٹی مقام واقع ہے جس کی صحت بخش آب و ہوا نیلگری سے بہتر سمجھی جاتی ہے۔

ملیبار نہایت زرخیز سرسبز اور شاداب مُلک ہے یہاں کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور اُن کی وادیوں میں انواع و اقسام کے قیمتی نباتات پیدا ہوتے ہیں اور اُن میں اکثر ایسے ہیں جنکی پیدایش اس ملک سے مخصوص ہے۔ مثلاً سیاہ مرچ۔ الائچی۔ جوز۔ جاوتری۔ لونگ وغیرہ اور اُن کے علاوہ پان دارچینی۔ ناریل۔ چھالیہ۔ قہوہ۔ تیل اور سنکونا۔ بھی یہاں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ کالی مرچ اور پان خودرو اوگتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلامی سیاحوں نے اس علاقہ کا نام بلاد فلفل اور معدن تنبول رکھا ہے۔

یہاں کے جنگلوں میں قیمتی چوبینہ کثرت سے پایا جاتا ہے بالخصوص بانس اور ساگوان کی نہایت افراط ہے۔ وان رِیڈ VAN RHEEDE نے جو اس ملک کے ایک حصہ پر ڈچوں کی طرف سے گورنر ہو کر آیا تھا یہاں کی نباتات پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا نام ہورٹوس مالاباریکوس HORTUS MALABARICUS ہے[1] اس میں ۷۹۴ قسم کی اُن مختلف نباتات کا ذکر ہے جو ملیبار اور جنوبی ہند میں پیدا ہوتی ہیں اور یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو اس ملک کے نباتات پر یورپ میں لکھی گئی ہے۔

(۲)

ملیبار کی قدیم تاریخ

ہندوستان کے جنوبی خطہ میں جناب مسیحؑ کی ولادت سے مدت پہلے تین سلطنتیں قائم تھیں۔ پانڈیا، چولا، چیرا، پانڈیا کی حکومت انتہائی جنوب میں واقع تھی اس کے

---

[1] یہ کتاب بارہ جلدوں میں ۱۶۸۶ء میں بہ مقام امسٹرڈم طبع ہوئی ہے۔

مشرق میں ویلار کے دریا سے پنارتک ساحل معبر پر چولا خاندان حکمراں تھا۔ یہ چیرا خاندان والے کوکن کے جنوب میں راس کماری تک ساحل مالابار پر بر سر حکومت تھے یہ تینوں سلطنتیں مسلمانوں کی فتوحات تک قائم تھیں اور جنوب کا قدیم تمدن انھیں سلطنتوں کے سایۂ عاطفت میں نشو و نما پایا تھا۔

چیرا خاندان کا ذکر اشوک کے کتبوں میں آیا ہے اور اس سے اس خاندان کی تاریخی قدامت کا اظہار ہوتا ہے۔

چیرا خاندان کی تاریخ ابھی تک تاریکی میں ہے۔ پروفیسر کیلہارن اور سندر رام پلے نے اس خاندان کے دو سو سے زیادہ کتبے فراہم کئے ہیں اور ان کی مدد سے بارھویں صدی عیسوی تک اس علاقہ کا تاریخی مواد حاصل کیا ہے لیکن اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ اس خاندان کی سلسلہ وار فہرست معلوم ہو سکی ہے۔

پروفیسر کیلہارن کی تحقیقات کے موافق اس خاندان کا آخری راجہ چیرومن پیرومال ہے۔ اس نے قبول اسلام کے بعد عرب جانے کا ارادہ کیا تو حکومت سے دست کش ہو کر مملکت کو اپنے سرداروں میں تقسیم کر دیا۔ ان جدید حکمرانوں میں کالیکوٹ کے سامری نے بعد میں چل کر خوب شہرت حاصل کی۔ ایک قدیم مقامی روایت کے موافق سامری خاندان کا آغاز اس طرح پر ہوا ہے کہ چیرومن پیرومال نے جب اپنی سلطنت اپنے مختلف سرداروں میں تقسیم کر دی تو اس کے بعد ایک سردار حاضر ہو کر اپنے لئے راجہ سے ملک کا طالب ہوا اس وقت راجہ کے پاس تلوار کے سوا کوئی اور چیز موجود نہ تھی روبرو ایک مرغ کھڑا بانگ دے رہا تھا راجہ نے تلوار سردار کے حوالہ کر دی اور کہا کہ مرغ کی آواز جہاں تک جائے اس قدر علاقہ پر اس تلوار کے زور سے قبضہ کر لے۔ اس حکم کے بعد سردار نے جس قدر ملک پر قبضہ کر لیا۔ اس کا نام کالی کوڈ پڑ گیا جس کے معنی ہیں مرغ کی حکومت۔

مورخین نے اس جدید خاندان کا لقب سامری بیان کیا ہے۔ یہ لفظ ملیالم زبان کا ہے اور اس کی اصل اس طرح پر بیان کی ہے۔ ساموری۔ ساموتری۔ تاموری۔ تاموتری یہ سب الفاظ سامونڈری کی مسخ شدہ صورتیں ہیں جس کے معنی ہیں مالک البحر یا سمندر کا بادشاہ۔ کالی کوٹ کی حکومت بھی چونکہ ساحل سمندر پر قائم ہوئی تھی اس لئے یہاں کے راجاؤں نے اپنے لئے یہ لقب اختیار کیا تھا یہ لقب اسلامی تاریخوں میں دسویں صدی ہجری کے بعد مستعمل ہوا ہے اور سب سے پہلی کتاب جس میں یہ نام آیا ہے تحفۃ المجاہدین ہے اور مورخ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس لقب کو اسی کتاب سے نقل کیا ہے۔

دسویں صدی ہجری سے پہلے جو مسلمان سیاح اس ملک میں آئے تھے انھوں نے یہاں کے راجہ کا لقب زمیور لکھا ہے اور مشہور مورخ ابوالحسن مسعودی نے جس کا انتقال ۳۴۶ھ میں ہوا ہے اس علاقہ کو زمیور کی عملداری کے نام سے موسوم کیا ہے۔

مسلمانوں کی رہنمائی سے پرتگیزوں نے جب اس ملک میں قدم رکھا تو انھوں نے بھی یہاں کے راجہ کیلئے زیموزن کا لقب استعمال کرنا شروع کیا جو کچھ عرصہ کے بعد تصرف پاکر زیمورن ہو گیا اور یوروپین لٹریچر میں اب تک مروج و مستعمل ہے۔

(۳)

ملیبار سے قدیم عربوں کے تجارتی تعلقات

سکندر کبیر کے خروج سے صدیوں پہلے ملیبار میں عربوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ ملیبار کی پیداوار خلیج فارس کی راہ سے سب سے پہلے عرب کے جنوبی ساحل پر پہونچتی تھی۔ پھر یہاں سے عربوں کے کاروان میں تجارت سے گذرتے ہوئے ان اجناس کو شام میں تدمور اور مصر میں اسکندریہ تک پہنچاتے تھے یورپ کے تجار ان مقامات سے اس سامان کو حاصل کر کے اپنی تجارت گاہوں میں داخل کیا کرتے تھے۔ غرضکہ قدیم زمانہ میں ہندوستان اور یونان و روم کے مابین جو تجارت ہوا کرتی تھی اس کا توسط

عرب اور اُن کے بعد مصر و شام کے باشندے تھے۔

عرب میں ملیبار کی تجارت کا مرکز مدینہ ظفار تھا جو حضر موت کے ساحل پر واقع ہے اور یہاں کے تجار بلا واسطہ ملیبار سے تجارت کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر میں اور اس کے اطراف ملیبار کے اکثر درخت اب بھی پائے جاتے ہیں مثلاً ناریل، فلفل، تنبول وغیرہ۔

عہد عتیق کے مقدس صحیفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل نے بھی ملیبار سے تجارتی تعلقات پیدا کئے تھے چنانچہ ملوک اور ایام کی کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عہد حکومت میں دو بحری مہمیں اوفیر اور ترسیس کو روانہ کیا کرتے تھے۔ مقصد اون کا یہ تھا کہ وہاں سے سونا چاندی صندل کی لکڑی ہاتھی دانت، مور اور بندر لائیں۔ ترسیس کی مہم تین برس کے عرصہ میں واپس ہوا کرتی تھی۔ یہ طریقہ بنی اسرائیل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بھی یہو سفط کے زمانہ تک جاری تھا اور خود یہوسفط نے بھی ایک مہم دس جہازوں کی ترسیس اور اوفیر کی جانب روانہ کرنے کے لئے تیار کی تھی لیکن قبل اس کے کہ بندرگاہ سے روانہ ہوتی ایک طوفان کے باعث تباہ و برباد ہو گئی۔

بنی اسرائیل کا بندرگاہ "عصیون جبر" تھا جو بحر احمر میں خلیج عقبہ کے بالائی حصہ پر واقع ہے۔ اسی جگہ ان کے جہاز بھی تیار ہوا کرتے تھے۔ اوفیر اور ترسیس کہاں واقع ہے۔ اس کی نسبت مدت سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ پروفیسر لاسین LASSEN اور جنرل کننگھام CANNINGHAM کی رائے میں اوفیر سے ابیرا مراد ہے جس کا ذکر بطلیموس نے کیا ہے اور جو مہران (دریائے سندھ) کے ڈیلٹا میں آباد تھا لیکن یہ رائے توراۃ کے بالکل خلاف ہے کیونکہ کتاب التکوین سے معلوم ہوتا ہے کہ اوفیر

یقطان کے بیٹے کا نام تھا باپ بیٹا اور اس کے دوسرے بھائی یہ سب عرب کے
جنوب مشرق میں۔ میسا سے سفار تک آباد ہوئے تھے۔ اس بنا پر ہم کو چاہئے کہ اوفیر
کو جنوبی عرب میں تلاش کریں نہ کہ ہندوستان میں۔

عہد عتیق کے یونانی ترجمہ میں (جس کو ستر یہودیوں نے اسکندریہ میں ترجمہ
کیا تھا) بجز کتاب التکوین کے یہ نام جہاں کہیں بھی آیا ہے۔ وہاں اس کا تلفظ سوفیر
Σουφεε اور سوفیر Σοοφιεα تحریر ہے اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ
حضرموت کا مشہور شہر ظفار یا یمن کا قدیم دارالحکومت سفالہ اس سے مراد ہے۔

ترسیس کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ یہ شہر ایشیائے کوچک کے علاقہ قلیقیہ
CILICIA میں واقع تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے اس کی جانب جو مہمیں
روانہ کی تھیں وہ خلیج عقبہ اور بحر احمر سے گذرتی ہیں تو موجودہ رائے کے خلاف اسکے
موقع و محل کی نسبت ایک جدید رائے قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

ترسیس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہاں جو سامان آیا ہے ان میں
صندل، مور اور بعض ایسے اشیاء ہیں جنکی پیدائش ہندوستان سے مخصوص ہے اور انکے
عبرانی میں جو نام استعمال ہوئے ہیں ان کا ماخذ دراویدین الفاظ ہیں۔ اصل عبرانی میں
مور کے لئے توکی תוכי درج ہے۔ جو تامل زبان کے لفظ ٹوکی یا ٹوگی سے بلا کسی
توسط کے عبرانی میں داخل ہوا ہے اور اس سے اس بات کا قطعی ثبوت ملتا ہے کہ بنی
اسرائیل نے اس کو ساحل ملیبار سے راست حاصل کیا تھا اور ترسیس بھی اسی ملک میں
واقع تھا جو اب ناپید ہو کر فراموش ہو گیا ہے۔

تامل زبان میں چاول کو اریسی کہتے ہیں یہ لفظ کسی قدر تصرف کے بعد عربی
اور عبرانی میں ارز اور یونانی میں اروزا Oeoζα ہو گیا ہے جناب مسیح سے چار
پانچ سو سال پہلے عرب میں ملیبار سے بکثرت چاول آیا کرتے تھے اور سوفاکلس

Sophocles کے زمانہ میں اہل یونان اس کو بہترین غذا سمجھ کر استعمال کیا کرتے تھے اور یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ اہل عرب بنی اسرائیل اور اہل یونان چاول کو ملیبار سے حاصل کیا کرتے تھے۔

اہل عرب جن اجناس کی تجارت کیا کرتے اُن کی نسبت اہل یونان وروم کو معلوم تھا کہ وہ ہندوستان کی پیداوار ہیں لیکن انھیں اس امر سے واقفیت نہ تھی کہ ہندوستان تک آمدورفت کس راہ سے ہوا کرتی ہے قیصر آگسٹس Augustus نے جناب مسیح سے بیس سال پہلے مصر کو فتح کرلیا تو اُس کے باعث بحر احمر پر رومیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد قیصر کلاڈیس CLAUDIUS کے زمانہ میں رومیوں کا ایک جہاز بحر احمر سے نکلا اور باد مخالف کی زد میں آکر ہندوستان کے جنوبی ساحل تک پہنچ گیا۔ اُس وقت رومیوں کو معلوم ہوا کہ ساحل عرب سے کنارے کنارے ہوکر ہندوستان کو جانے کے عوض براہ راست سواحل ہند تک آمدورفت کرسکتے ہیں اس کے بعد مصر کے رومی تجاروں نے ساحل ہند پر آنا شروع کیا۔ ملیبار کا علاقہ اُن کی تجارت کا مرکز قرار پایا۔ پلینی PLINY نے بیان کیا کہ اس وقت جو جہاز مصر سے نکلتے وہ ساحل ملیبار تک دو مہینے دس یوم میں پہنچ جاتے تھے مزرس MUZIRIS اور پوہار POHAR اس زمانہ میں ملیبار کے بارونق بندرگاہ تھے۔ یہاں سے رومی جہازوں پر ہندوستان کی اجناس لادی جاتی تھیں پہلی اور دوسری عیسوی صدی میں رومی باشندوں کی بہت بڑی تعداد ان دونوں بندرگاہوں میں آکر آباد ہوگئی تھی اور مزرس میں ان لوگوں نے قیصر اگسٹس Augustus کے نام سے ایک عالیشان معبد بھی تعمیر کیا تھا۔ ٹامل کے قدیم ادب میں ان تاجر رومیوں کو یون کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ چیرہ بادشاہوں کی محافظ فوج کے سپاہی جو ٹامل نظموں میں زبردست یون اور

گو نگیے ملیچھوں کے نام سے موسوم ہیں ان سے یہ ہی نووارد مراد ہیں جو روم سے آکر
یہاں کی فوج میں ملازم ہو گئے تھے۔

قدیم زمانہ میں مرچ کو اہل یورپ بڑی بڑی قیمتیں دیکر خرید کیا کرتے تھے
یہاں تک کہ اس کی قدر و منزلت سونے سے بھی زیادہ سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ قوم
گاتھ Goth کے بادشاہ الرک Alaric نے جب رومیوں کو شکست دیکر
اُن سے تاوان جنگ کا مطالبہ کیا تو اُس میں تین سو پونڈ مرچیاں بھی شامل کیں۔

رومیوں نے ملیبار اور جنوبی ہندوستان سے جو تجارتی تعلقات قائم کئے
تھے۔ وہ جناب مسیحؑ کی ولادت کے کم و بیش ڈھائی سو سال تک خوب رونق پر تھے
مصر کے بطلیموسی بادشاہوں کی سعی و کوشش سے ان تعلقات کو ترقی ہو گئی تھی اور
اس تجارت کا مرکز مصر میں اسکندریہ بنا ہوا تھا۔ ۲۱۵ء میں کرکالا Caracalla
نے اسکندریہ میں قتل عام کرایا جس کے باعث شہر تباہ ہو گیا اور رومیوں کی تجارت کا
جو سلسلہ اہل اسکندریہ کی وساطت سے جنوبی ہندوستان کے ساتھ قائم تھا وہ تباہ
ہو کر کچھ عرصہ کے بعد بالکل مسدود ہو گیا اور یہ تجارت حسب سابق پھر عربوں کے قبضہ
میں آگئی۔ اور اس زمانہ سے پرتگیزوں کے ہندوستان میں آنے تک بے خوف و خطر
اہل عرب اس تجارت کے مالک بنے رہے۔

عربوں کے جہاز جولائی اور اگسٹ میں جبکہ ہوا کا رُخ مشرق کی جانب ہوتا تھا
ساحل ملیبار کی جانب روانہ ہوتے تھے اور یہاں تین چار مہینے تک کاروبار انجام
دینے کے بعد ڈسمبر یا جنوری میں وطن کو واپس چلے جاتے تھے اس زمانہ میں یہ مسافت
تیس سے چالیس دن تک طے ہوا کرتی تھی۔

(۴)

سواحل ملیبار پر مسلمانوں کا توطن

جناب شارع اسلام علیہ السلام نے جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمایا تو اس تاریخ سے اشاعت اسلام کا دور شروع ہوا۔ سات آٹھ سال کے اندر اندر عرب کے سینکڑوں قبائل حلقہ اسلام میں شامل ہو گئے بڑے بڑے سرداروں نے اپنے وفود بھیجکر قبول اسلام کا اقرار کیا۔ یمن اور حضرموت کے ساحلی باشندے بھی ۹ھ اور ۱۰ھ میں مطیع اسلام ہو گئے یہ سب تجارت پیشہ قبایل تھے اس زمانہ میں انکی بحری تجارت بکمال عروج پر تھی اور ان کے جہاز ایران مصر، سندھ۔ ملیبار۔ سیلان۔ ملایا، چین وغیرہ ممالک میں آیا جایا کرتے تھے۔ یہ لوگ تجارت کے لئے جس جس علاقہ میں پہونچے وہاں اسلام کی آواز کو بھی پہنچایا اور ان کے ذریعہ زمانہ سعادت ہی میں ظہور اسلام کی کیفیت سندھ و ہند سے گذر کر جزیرہ سیلان تک پہنچ گئی۔

ایک مسلمان ایرانی جہازراں بزرگ بن شہریار نے جو خلیج فارس کے شہر ہرمز کا باشندہ تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں ایک کتاب اپنے بحری سفروں کے حالات میں لکھی ہے جس کا نام عجائب الہند ہے اس میں سیلان کا بیان کرتے ہوے لکھا ہے کہ سرندیپ اور اس کے اطراف میں وہاں کے لوگوں کو جناب رسالت مآب صلعم کی نبوت کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے ایک سمجھ دار آدمی کو عرب کی جانب روانہ کیا تا کہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے اور آپ کی دعوت اسلام کے حالات دریافت کرے۔

یہ آدمی عرب میں اس وقت پہنچا جبکہ حضرت عمر بن خطاب مسند خلافت پر متمکن تھے۔ آپ سے جناب رسالت مآب صلعم کے حالات دریافت کئے اس کے بعد سرندیپ کی جانب واپس ہوا لیکن راستہ میں بمقام کلران اس کا انتقال ہو گیا

اس کے ساتھ ایک ہندوستانی غلام تھا وہ سرندیب کو واپس آیا اور وہ تمام واقعات جو اس نے دیکھے اور سنے تھے بیان کئے۔ جناب پیغمبر علیہ السلام اور حضرت ابوبکر رضؓ کے حالات سے بھی واقف کرایا۔ حضرت عمر رضؓ کی ملاقات کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ وہ نہایت متواضع بزرگ ہیں۔ پیوند لگے ہوے کپڑے پہنتے ہیں اور مساجد میں سوتے ہیں۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ پہلی صدی کے آغاز ہی میں اسلام کی آواز سواحل ہند سے گذر کر سیلان تک پہونچ گئی تھی۔ قریب قریب اسی زمانہ میں یا اس کے کچھ عرصہ بعد ایسا ہی واقعہ ملیبار میں پیش آیا ہے۔ تحفتہ المجاہدین میں لکھا ہے کہ عرب و عجم کے چند فقراء ساحل عرب سے جہاز پر سوار ہو کر حضرت آدم علیہ کے قدم گاہ کی زیارت کے لئے سرندیب کی جانب روانہ ہوے ان کا جہاز سوء اتفاق یا باد مخالف کے باعث ساحل ملیبار پر پہنچ گیا اور کرنگا نور میں لنگر انداز ہوا۔ اس شہر کے راجا نے جو سامری کہلاتا تھا ان فقروں سے ہر قسم کی گفتگو کی اور ان کے مذہب و ملت کی نسبت بھی دریافت کیا۔ فقرا نے بتایا کہ ہم لوگ مذہب اسلام کے پابند ہیں۔ اس پر راجہ نے کہا کہ میں نے یہودی اور نصرانی سیاحوں سے سنا ہے کہ عرب ایران اور ترک میں یہ مذہب خوب رواج پا لیا ہے لیکن مجھے ابھی تک کسی مسلمان سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اگر تم اپنے پیغمبر کے حالات بیان کرو تو زیادہ بہتر ہے۔

ان فقراء میں ایک ذی علم اور صاحب فہم آدمی تھا اس نے نبی اکرم کے حالات اور معجزات اس طرح بیان کئے کہ راجہ نے متاثر ہو کر فوراً اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اپنی قوم سے ہراساں ہو کر اسے مخفی رکھا اور فقرا کو بھی منع کر دیا کہ اس واقعہ کو کسی پر ظاہر نہ کریں اس کے بعد فقرا سرندیب کو چلے گئے اور کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے واپس ہوے تو راجہ نے ان کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے سفر کا ارادہ کیا اور اپنے

اعیان و امراء کو جمع کر کے ریاست کے کاروبار اُن کے تفویض کرنے اور خود گوشہ نشینی کا عذر کر کے فقیروں کے ساتھ جہاز پر سوار ہو گیا اور جب یہ لوگ ساحل عرب پر پہنچے تو وہاں راجہ بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ انتقال کرنے سے پہلے اس نے اپنے رفقاء کو وصیت کی کہ ملیبار میں جا کر دین اسلام کی اشاعت کریں پس اُن لوگوں سے شرف بن مالک مالک بن دینار اور مالک بن حبیب مسلمانوں کی ایک جماعت کو ہمراہ لے کر عرب سے ملیبار میں وارد ہوئے اور کئی جماعتوں میں تقسیم ہو کر مختلف شہروں میں آباد ہو گئے اور وہاں عبادت کے لئے مساجد بھی تعمیر کر لئے۔ سب سے پہلے مالک بن دینار نے کرنگانور میں مسجد تعمیر کی۔ اس کے بعد کولم اور ہیلی مار اوی میں آ کر دو مسجدیں بنائیں یہاں سے نکل کر جرفتن۔ درفتن۔ فندرینہ۔ چالیات۔ فاکنور وغیرہ میں آئے اور یہاں ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ غرضکہ ان عربوں نے اس ملک میں آ کر اسلامی نوآبادیات کی بنیاد ڈالی۔

مورخین نے اس واقعہ کا عہد وقوع اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فرشتہ کی رائے میں یہ واقعہ عہد رسالت میں سرزد ہوا ہے۔ ملیبار کے مسلمان بھی یہ ہی اعتقاد رکھتے ہیں لیکن تحفۃ المجاہدین میں لکھا ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ اُن کی رائے میں یہ واقعہ دوسری صدی ہجری میں وقوع پذیر ہوا ہے۔

علمائے شرقیات کی تحقیقات کے موافق وہ راجہ جس نے اسلام قبول کیا ہے چیرہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور چیرومن پیرومل اس کا نام تھا جس کا مفصل حال ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

بعض ٹامل روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویدوں کا مشہور مفسر اور وشنو مذہب کا ہادی شنکراچاری اسی چیرومن پیرومال کے عہد میں گذرا ہے۔ ڈاکٹر برنل (Burnell) کی تحقیق کے مطابق شنکراچاری کی ولادت سنہ ۶۵۰ء میں ہوئی ہے جو سنہ ۳۰ھ کے مساوی ہے لیکن زمانۂ حال میں یہ طے ہوا ہے کہ اس کا سنہ ولادت سنہ ۷۸۸ء ہے

جو ۲۱۰ھ سے مطابقت رکھتا ہے۔

اگر ڈاکٹر برنل کی تحقیقات صحیح مان لی جائے تو چیرومن پیرومل جناب رسالت مآب کا معاصر ثابت ہوتا ہے اگر جدید تحقیقات پر وثوق کیا جائے تو اس کا زمانہ دوسری صدی ہجری قرار پاتا ہے۔

امپریل گزیٹر کے ایڈیٹروں کی تحقیق کے موافق چیرومن پیرومال ۲۵ اگست ۸۲۵ء کو بعزم سفر ساحل ملیبار سے روانہ ہوا ۸۲۸ء (۲۱۲ھ) کو ساحل عرب پر پہنچا اور اس کے چار سال بعد ۸۳۲ء (۲۱۶ھ) میں اس کا انتقال ہوا۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی کے اوائل میں یہ راجہ گذرا ہے اور اس کے رفقاء اسی صدی کے اخیر ایام تک ملیبار میں وارد ہوئے ہیں۔

مالک بن دینار نے ساحل ملیبار پر جو مساجد تعمیر کئے تھے ان کے مقامات ذیل میں درج ہیں۔

کدن گلور موجودہ زمانہ میں اس کو کرنگا پور کہتے ہیں۔ کوچین کے قریب ملیبار کے جنوبی علاقہ میں ساحل بحر پر واقع ہے نہایت قدیم مقام ہے۔ بطلیموس نے مزرس کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ رومی اور عربی تجار پہلے زمانہ میں اسی شہر میں آیا کرتے تھے

کولم" اس کا ذکر رشید الدین، ابوالفدا، اور ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے۔ سرحد ملیبار کا اخیر مقام ہے۔

ہیلی مارا وی۔ ابوالفدا نے اس کو راس ہیلی لکھا ہے۔ رشید الدین نے اس کا ذکر منجرور اور فند رینا کے بیچ میں کیا ہے۔

جرفتن۔ ابن بطوطہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ہیلی سے ۳ فرسخ کی مسافت پر واقع تھا۔ گزیٹر میں لکھا ہے کہ اس سے کنداپور مراد ہے۔

دہ فتن ابن بطوطہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ گزیٹر میں لکھا ہے کہ یہ مقام ٹلی چری

کے قریب آباد تھا۔

فندرینا۔ اس کا ذکر ابو الفدا اور رشید الدین نے کیا ہے ساحل بحر کی بستی ہے موجودہ زمانہ میں اس کو پندرانی کہتے ہیں اور یہ کالی کٹ سے جانب شمال سولہ میل کے فاصلہ پر آباد ہے۔

چالیات ابو الفدا اور رشید الدین نے شالیات کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے ابو الفدا کے زمانہ میں یہاں یہودی قبائل آباد تھے۔ کالی کوٹ کے جنوب میں ساحل بحر پر آباد تھا

فاکنور۔ یاقوت حموی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ساحل بحر کا شہر ہے موجودہ زمانہ میں اس کو باکنور یا برکور کہتے ہیں۔

منجرور۔ اس کا ذکر یاقوت ابو الفدا اور دوسرے عرب جغرافیہ نویسوں نے بھی کیا ہے ملیبار کا مشہور شہر ہے شمالی حصہ میں ساحل بحر پر آباد ہے موجودہ زمانہ میں اس کو منگلور کہتے ہیں۔

(۵)
ملیبار کی عربی تاریخ

دسویں صدی میں ملیبار کے متعلق ایک کتاب عربی زبان میں تصنیف ہوی ہے جس کا نام ہے تحفۃ المجاہدین فی اخبار پرتگالیین اسمیں اشاعت اسلام کی سرگذشت پرتگالیوں کی آمد اور مسلمانوں کے ساتھ انکی لڑائیوں کا مفصل تذکرہ مرقوم ہے مضامین اسکے چار ابواب پر منقسم ہیں جنکی تفصیل حسب ذیل ہے

باب اول۔ اسمیں جہاد کے احکام مذکور ہیں۔ باب دوم اسمیں مسلمانوں کے آنے اور مذہب اسلام کے رواج پانے کی مفصل تاریخ لکھی ہے۔ باب سوم۔ اسمیں بعض ہنود و اقوام کے عادات و رسوم بیان کئے ہیں۔ باب چہارم اسمیں پرتگیزوں کے آنے اور یہاں کے بعض مقامات پر قابض ہو کر اپنی حکومت قایم کرنے کا مفصل تذکرہ مرقوم ہے۔

جرجی زیدان۔ نے اس کے مصنف کا نام زین الدین معبری لکھا ہے ان کے

اجداد معبر کے باشندے تھے علی ابن احمد معبری نے معبر سے نقل مقام کیا اور ملیبار میں آکر جنوبی علاقہ
میں سکونت پذیر ہوے انکے فرزند شیخ زین الدین معبری ۱۲ شعبان ۸۷۲ھ کو کوشن (کوچین)
میں پیدا ہوے اور ۲۶ برس کی عمر میں ۱۶ شعبان ۹۲۸ھ کو فونان (پونانی) میں انتقال کیا۔
انکے فرزند عبدالعزیز تھے جن سے زین الدین ثانی تولد ہوے یہی بزرگ تحفۃ المجاہدین کے مصنف ہیں
اور انھوں نے اپنی یہ کتاب سلطان علی عادل شاہ اول والی بیجاپور کے نام پر تصنیف کی ہے
دادا اور پوتے دونوں صاحب تصنیف و تالیف ہوے ہیں اور انکی متعدد تصنیفات مصر میں
چھپکر شایع ہوگئی ہیں۔ زین الدین اول کی تصنیف سے تصوف میں ایک منظوم رسالہ بلاد مصر
و شام میں بہت قبول ہوا ہے جو ارجوزہ کے نام سے ۱۳۰۱ھ میں بولاق میں طبع ہوا ہے اس کے علاوہ
مرشد الطلاب اور شعب الایمان بھی انکی مشہور تصنیفات ہیں۔

زین الدین ثانی کی تصنیفات سے بلاد اسلام میں متعدد کتابیں مروج و متداول ہیں۔
فتح المعین، قرۃ العین، کی شرح ہے اور مصنف نے ۲۴ رمضان ۹۸۲ھ کو اس کتاب کی تصنیف
سے فراغت حاصل کی ہے۔ کئی بار یہ کتاب مصر میں چھپی ہے اس کا متن جس کا نام قرۃ العین ہے فقہ
شافعیہ میں ہے اور اسے شیخ عبداللہ بن بہاء الدین محمد بن علی العجمی الشنشوری خطیب جامع ازہر نے
تصنیف کیا ہے۔ ہدایۃ الاذکیا الی طریقۃ الاولیا۔ تصوف میں ہے اس پر اکثر علما نے شروح
و حواشی لکھے ہیں منجملہ انکے دو بہت مشہور ہیں۔ کفایۃ التقیا فی مناہج الاصفیا۔ ابی بکر بن سید محمد شطا
الامیاطی کی تصنیف ہے اور ۱۳۰۲ھ میں مصر میں چھپی ہے دوسری کا نام سالم الفضلا ہے اس کو
محمد نوری المجاوی نے تصنیف کیا ہے اور ۱۳۰۱ھ میں بہ مقام قاہرہ چھپی ہے۔

تحفۃ المجاہدین۔ یہ نہایت نایاب و کمیاب کتاب ہے راولنسن Rowlandson نے
انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا جو ۱۸۲۹ء میں بہ مقام لندن طبع ہوا ہے۔
شیخ عبدالقادر عیدروس نے لکھا ہے کہ زین الدین ثانی شیخ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی المکی
(المتولد ۹۰۹ھ والمتوفی ۹۷۴ھ) کے شاگرد تھے اور شیخ موصوف نے شاگرد کے ساتھ آکر ملیبار کی سیاحت بھی کی تھی

تبصرے

اندلس کا تاریخی جغرافیہ مترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب بی اے ناظم سررشتہ تالیف و ترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی، مطبوعہ دارالطبع عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد ۱۹۲۷ء تقطیع بڑی صفحات ۵۶۴ قیمت آٹھ روپیہ دس آنہ۔

اندلس کی اسلامی تاریخ پر اگرچہ اردو میں متعدد کتابیں تالیف و ترجمہ ہو چکی ہیں لیکن ان میں مقامات کے جو نام عربی یا یورپی زبانوں سے آگئے ہیں انکی توضیح و تشریح کی جانب بہت کم التفات کیا گیا جسکے باعث تاریخی واقعات کو جغرافیہ کے ساتھ تطبیق دیکر سمجھنے میں بیحد دشواری پیش رہتی ہے اس دقت کو رفع کرنے کیلئے اندلس کا تاریخی جغرافیہ ترتیب دیا گیا ہے۔

اس کے مضامین دو بڑے بڑے حصوں میں منقسم ہیں پہلے حصہ میں ملک کا عام جغرافیہ ہے جسکی تفصیل پانچ ابواب میں درج ہے اندلس کے قدیم و جدید نام کی تحقیقات سے اسکی ابتدا کی گئی ہے اسکے بعد یونانی اور عربی جغرافیہ نویسوں کی تحریرات کے موافق اندلس کی طبعی اور سیاسی تقسیمات کو بیان کیا ہے پھر اندلس کا موجودہ جغرافیہ مذکور ہے آخری دو ابواب میں مسلمان قبائل کا تذکرہ اور عہد اسلامی کے معاشی اور اقتصادی کوائف تحریر ہیں ان بیانات پر جغرافیہ عمومی ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد شہروں، قریوں، ضلعوں، صوبوں، دریاؤں، نہروں، اور پہاڑوں وغیرہ کے وہ نام بہ ترتیب حروف تہجی جمع ہیں جن کا ذکر عربی اور اسلامی تاریخوں میں آیا ہے اور ہر نام کے ساتھ تاریخ و جغرافیہ کی تمام ضروری معلومات بالتفصیل بیان کی ہیں یہ حصہ کتاب کے تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اور اپنی جامعیت کے لحاظ سے اندلس کے اسلامی جغرافیہ کا ایک بہترین انسائکلوپیڈیا بن گیا ہے۔

تاریخ اندلس پر جو کتابیں عربی زبان میں لکھی گئی ہیں اُن میں مقامات کے عربی نام مذکور ہیں۔ اسی طرح یورپی زبانوں کی کتابوں میں اسپینی اور پرتگالی نام ملتے ہیں۔ ان دونوں کو باہم مطابق کرنا ایک دشوار تر امر تھا اندلس کے جغرافیہ میں اس مشکل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں مصنف کو کافی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ قدیم اسماء کے معربات اور اسپینی و پرتگالی زبانوں میں عربی اسماء کی بگڑی ہوئی شکلیں ان سب

کی اس کتاب میں تشریح کی گئی ہے اور اس موضوع پر ایسی مبسوط کتاب اردو میں تو کیا عربی اور انگریزی میں بھی تا حال تصنیف نہیں ہوی۔

فاضل مدون نے اس کے مضامین عربی اور انگریزی کی اُن مشہور و مستند کتابوں سے اخذ کئے ہیں جو اسلامی اندلس کے متعلق ضبط تحریر میں آئی ہیں ان کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے اکثر مضامین سے بھی استفادہ کیا ہے قدیم حالات یونان کے جغرافیہ قدیم سے اور غرناطہ کے آثار و عمارات کا تذکرہ کالورٹ کی کتاب سے ماخوذ ہے۔

جغرافیہ کی تقسیم چونکہ نقشوں کے بغیر ناممکن ہے اس لئے کتاب میں چھوٹے چھوٹے متعدد رنگین نقشے شامل کئے گئے ہیں اور ان میں مشہور یونانی جغرافیہ نویس بطلیموس کے زمانہ سے اس وقت تک اندلس کے جغرافیہ میں جو جو انقلابات ہوے ہیں اُن سب کو ظاہر کیا ہے۔ خصوصًا اسلامی عہد کی تقسیمات کو موجودہ تقسیمات سے مطابق کرنے کے لئے جو نقشے بنائے گئے ہیں وہ خاص اہمیت رکھتے ہیں لیکن ان سب میں اجمال سے کام لیا گیا ہے اس لئے کتاب کے مطالعہ کے لئے ایک جامع اور مکمل نقشے کی ضرورت اب بھی باقی رہ گئی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے فاضل مدون نے کئی سال کی محنت کے بعد بہت بڑے پیمانہ پر فوٹو کے ذریعہ ایک مکمل نقشہ تیار کیا ہے جو خصوصیت کے ساتھ اسلامی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں ملکی تقسیمات کے ساتھ ساتھ طبعی کوائف بھی بتائے ہیں اور چھوٹے چھوٹے مقامات کو بھی اس میں درج کیا اور ہر ایک کے نام عربی اور یوربی دونوں زبانوں میں لکھے ہیں یہ نقشہ حال ہی میں تکمیل کو پہنچا ہے جس کو ایک مفصل اندلس کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ ہے اگر یہ نقشہ شائع ہو گیا تو اس سے نہ صرف اس جغرافیہ کے مطالعہ میں سہولت ہو جانے کی بلکہ تاریخ اندلس کے طلبا کے لئے ایک گرانقدر رہنما ثابت ہوگا۔ یہ کتاب اگرچہ بہ وسیع مطالعہ اور بکمال تحقیق کے بعد لکھی گئی ہے اور فاضل مدون نے اس کے ہر عنوان کو تکمیل کے درجہ تک پہونچانے کی کوشش کی ہے پھر بھی دو ایک مقامات پر بعض قابل ذکر باتیں چھوٹ گئی ہیں مثلاً الحمرا کے بیان میں وہاں کے عمارات اسلامی کا تذکرہ نظر انداز کر دیا گیا ہے حالانکہ اس کا مہیا کرنا کوئی دشوار کام نہ تھا۔ قرطبہ کے بیان میں سلسلہ تاریخ کو قایم کرنے کے لئے والیان اندلس اور اموی خلفا کی فہرستیں درج کی ہیں۔ لیکن دور اختلال کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے فرماں رواوں کا سلسلہ ترک کر دیا ہے۔ اشبیلیہ۔ بلنسیہ۔ دانیہ۔ سرقسطہ طلیطلہ۔ مالقہ وغیرہ ان کے مستقر تھے جن کے تحت میں وہاں کے حکمرانوں کی فہرستیں نقل کر دی جاتیں تو زیادہ بہتر تھا۔ یا آخر کتاب میں بطور ضمیمہ ان کا الحاق ہو سکتا تھا اس سے کتاب کے بہت سے ضمنی واقعات کے سمجھنے میں سہولت و آسانی پیدا ہو جاتی

عمل صالح یا شاہجہان نامہ تصنیف ملا محمد صالح کنبوہ۔ بہ تصحیح مولوی غلام یزدانی ایم اے ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ کلکتہ سنہ ۱۹۱۲ء و سنہ ۱۹۲۹ء

شاہ جہاں بادشاہ نے سنہ ۱۰۳۷ھ سے سنہ ۱۰۶۸ھ تک تیس سال حکومت کی ہے۔ مورخین نے اس کے عہد حکومت کے واقعات کو دس دس کے تین دوروں پر تقسیم کیا ہے بادشاہ کے حکم سے پہلے دور کے واقعات مرزا محمد امین قزوینی نے لکھے۔ پھر یہ خدمت ملا عبدالحمید لاہوری کے تفویض ہوی انھوں نے پہلے اور دوسرے دونوں دوروں کو دو ضخیم جلدوں میں تحریر کیا اس کے بعد ضعف پیری کی وجہ سے سلسلہ تالیف جاری نہ رہ سکا تو اُن کے شاگرد ملا محمد وارث نے علاء الملک تونی کی نگرانی میں دور سوم کے حالات مکمل کئے اس طرح شاہجہاں کے سی سالہ عہد کی سرکاری تاریخ تکمیل کو پہونچی۔ ملا محمد طاہر عنایت خاں نے ان کتابوں کا خلاصہ مرتب کیا جو عام طور پر ملخص احوال سی سالہ شاہ جہاں" کے نام سے مشہور ہے۔ ان تمام ماخذات سے استفادہ کرنے کے بعد سنہ ۱۰۷۰ھ میں جلوس عالمگیری کے دوسرے سال ملا محمد صالح نے عمل صالح تصنیف کی اور اس میں شاہ جہاں کی سی سالہ حکومت کے واقعات کمال شرح و بسط کے ساتھ منضبط کئے۔

اس کتاب کو مسٹر یزدانی نے کمال محنت کے ساتھ صحیح کیا ہے جو بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کی جانب سے قسط وار شایع ہورہی ہے سنہ ۱۹۱۲ء سے اس کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں پہلی جلد تمام ہوی اس میں مقدمہ کے طور پر آبا و اجداد کے حالات بابر سے شروع کئے ہیں اکبر اور جہانگیر کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے اس کے بعد کتاب کے دو ثلث حصہ میں چھٹے سال جلوس کے اختتام تک شاہجہاں کے واقعات ہیں۔ دوسری مجلد سنہ ۱۹۲۷ء میں شایع ہوی ہے اس میں ساتویں سال جلوس کے آغاز سے بیسویں سال کے اختتام تک چاردہ سالہ واقعات کا استقصا کیا گیا ہے تیسری جلد کی اشاعت کا انتظام گزشتہ سال سے شروع ہوا جس کی پہلی قسط حال ہی میں شائع ہوی ہے اس میں اکیسویں اور بائیسویں سال کے واقعات ہیں۔ شاہ جہاں آباد کی آبادی اور وہاں کے عمارات عالی کا تذکرہ نہایت تفصیل کے ساتھ تحریر ہے۔

مسٹر یزدانی تاریخ ہند کے جید عالم ہیں۔ آپ نے نہایت محنت کے ساتھ اس کی تصحیح کی ہے۔ اور اس عہد کی سرکاری تاریخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد ابہامات و اختلافات کو رفع کرنے اور تشنہ مقامات پر روشنی ڈالنے کی غرض سے بعض جگہ توضیحی حواشی اضافہ کئے ہیں۔ ابتدا میں ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں مصنف کے حالات، کتاب کے ماخذ اور خصوصیات پر علحدہ مباحث درج ہیں غرضکہ آپ نے اس کتاب کو اُسی انداز پر ایڈٹ فرمایا ہے جیسا کہ مستشرقین کی ایڈٹ کی ہوی کتابیں ہوا کرتی ہیں اور آپ کی یہ کوشش مستحق مبارکباد ہے۔

مخزن نکات

تذکرہ شعرائے اردو۔ تصنیف شیخ محمد قیام الدین قایم۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔ اورنگ آباد سنہ ۱۹۲۹ء
صفحات (۱۰۶) قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ۔

اردو شعرا کی تذکرہ نویسی میر تقی میر کے نکات الشعرا سے شروع ہوتی ہے۔ یہ تذکرہ سنہ ۱۱۶۴ھ میں تصنیف ہوا ہے اس کے بعد میر فتح علی گردیزی نے اپنا تذکرہ ریختہ گویان مدون کیا۔ ان دونوں کے تقریباً چار سال بعد سنہ ۱۱۶۸ھ میں

مخزن نکات مرتب ہوا ہے۔ یہ بھی شعرائے اردو کے اولین تذکروں میں شمار ہوتا ہے اسمیں ایک سو چودہ شعراء کا حال اور نمونہ کلام درج ہے اس کی ترتیب تین طبقات پر تقسیم کی گئی ہے۔ طبقہ اول متقدمین سے تعلق رکھتا ہے طبقہ دوم میں متوسطین اور طبقہ سوم میں متاخرین کے حالات ہیں۔

تذکرہ اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں بعض قابل قدر معلومات جمع ہیں مثلاً ہر طبقہ کی خصوصیات کا تذکرہ یا بعض شعرا کی نسبت مصنف کی ذاتی رائے یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے اس تذکرہ کو گذشتہ تذکروں پر ایک گونہ تفوق حاصل ہو گیا ہے۔ ہمارے مخدوم مولانا عبدالحق بی اے سکرٹری انجمن ترقی اردو نے ایک نفیس مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں مصنف کے حالات اور تذکرے کے خصوصیات مذکور ہیں اس کے ضمن میں قایم کی شاعری پر بھی دلچسپ بحث کی ہے آخر میں کلام قایم کا انتخاب بھی درج ہے۔

یہ تذکرہ مدت سے نایاب تھا ہندوستان کے بڑے بڑے کتب خانے بھی اس کے مخطوطات سے خالی نظر آتے تھے۔ بڑی ہی کوشش کے بعد ایک نسخہ فراہم ہوا جس کو تصحیح کے بعد انجمن نے چھاپ کر شایع کیا ہے جو حضرات اردو شاعری کی گذشتہ تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے ایک بے بہا تحفہ ہے۔

معین الآثار

حصہ اول۔ تاریخ تاج محل۔ مولفہ مولوی معین الدین احمد ایم آر اے ایس کچہری گھاٹ آگرہ مطبوعہ آگرہ ۱۹۲۵؁ء صفحات ۲۸۱ قیمت دو روپیہ ترجمہ انگریزی مطبوعہ آگرہ ۱۹۲۴؁ء صفحات ۲۰۲ قیمت تین روپیہ مصنف سے ملتے ہیں

اکبر آباد آگرہ ہندوستان کا مشہور تاریخی شہر ہے۔ مدت دراز تک تاجداران مغلیہ کا دارالحکومت رہا ہے اور تاریخ میں دہلی کے بعد اس کا درجہ سمجھا جاتا ہے۔ مولوی معین الدین احمد نے جو ایک مشہور مصنف ہیں اس شہر کی ایک مبسوط تاریخ لکھی ہے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مضامین پانچ حصوں پر منقسم ہیں۔

حصہ اول۔ تاج محل کے تاریخی اور اثری حالات

حصہ دوم۔ مقبرہ اکبر بادشاہ اور ان عمارات کے حالات جو دریائے جمنا کے مشرق میں واقع ہیں۔

حصہ سوم۔ سکندرہ یعنے مقبرہ اکبر بادشاہ کا تذکرہ

حصہ چہارم۔ فتح پور سیکری کی تاریخ اور عمارات کا تذکرہ

حصہ پنجم۔ آگرہ کے قلعہ معلی کی تاریخ اور وہاں کی عمارات کا تذکرہ۔

پہلا حصہ ۱۹۰۵؁ء میں شائع ہوا تھا۔ باقی حصے مصنف کے مشاغل سرکاری کی وجہ سے طبع نہ ہو سکے لیکن مصنف نے حال میں پنشن حاصل کرنے کے بعد انکی اشاعت کے جانب توجہ کی ہے اور پہلے حصہ کو بعض ضروری اضافوں کے ساتھ کر شایع کر کے اس سلسلہ کی اشاعت کا آغاز کیا ہے۔ اگر پوری کتاب شائع ہو جائے تو اس سے ادب اردو کے تاریخی اور اثری ذخیرہ میں ایک گرانقدر تالیف کا اضافہ ہوگا ہمیں امید ہے کہ علم دوست حضرات اس حصہ کی قدردانی فرما کر مصنف کو بقیہ حصوں کے شایع کرنے کی ہمت دلائیں گے۔

پہلا حصہ جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے آگرہ کی بے نظیر عمارت "تاج محل" کی تاریخ اور اس کے اثری حالات سے تعلق رکھتا ہے اسکی ابتدا میں مصنف نے ایک مقدمہ لکھا ہے جسمیں بلاد اسلام کے بعض بے مثل عمارات کا تذکرہ ہے اور فن تعمیر کی خصوصیات کو بیان کرنے کے بعد اُن پر تاج محل کی فضیلت ظاہر کی ہے اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے اس میں سب سے پہلے ممتاز محل ارجمند بانو بیگم کی سوانح عمری لکھی ہے پھر تاج محل کی تعمیر کے واقعات، اخراجات کی تفصیل، معماروں کے نام، عمارت کی خصوصیات اور اسکی نوعیت کی اور بہت سی کار آمد باتیں بیان کی ہیں اس کے بعد ان عمارات کا تذکرہ ہے جو روضہ تاج محل سے ملحق ہیں۔ کتاب کی دلچسپی میں مزید اضافہ کرنے کے لئے مصنف نے تاج محل کے آٹھ فوٹو بلاکس اور دو نقشے شامل کئے ہیں جن سے عمارت کے بنیادی حالات اور روضہ کے مختلف مناظر پیش نظر ہوتے ہیں۔

کتاب میں بعض تاریخی مباحث نہایت عجیب ہیں مثلاً مسٹر ہیول نے اپنی تاریخ تاج محل میں لکھا ہے کہ روضہ کا نقشہ اٹالیا ایک صناع نے بنایا تھا اور اسی نے پچی کاری بھی کی تھی۔ مصنف نے اس بیان کو بدلایل قاطع رد کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسکی تعمیر میں کسی یوروپین کی رائے شریک نہیں تھی بلکہ تمام عمارت ایشیائی معماروں کی محنت وکوشش کا نتیجہ ہے۔ اسی ضمن میں مصنف نے تاج محل کی نسبت یوروپین سیاح مورخین اور ماہران فن تعمیر کے جو آراء نقل کئے ہیں وہ بھی قابل ملاحظہ ہیں۔ الحاصل اس کتاب میں تاج محل کے متعلق ہر قسم کی بہترین معلومات جمع ہیں جنکے فراہم کرنے میں مصنف نے سعی بلیغ سے کام لیا ہے۔

سہو نظری کے باعث ایک دو جگہ خفیف سی غلطیاں بھی ہو گئی ہیں مثلاً صفحہ ۱۴ پر اورنگ زیب عالمگیر کا سنہ وفات ۱۱۱۹ھ لکھا ہے حالانکہ صحیح تاریخ ۱۱۱۸ھ ہے (ماثر عالمگیری صفحہ ۵۲۱) صفحہ ۹۰ پر حکیم رکنا کاشی کا سنہ وفات ۱۰۵۶ھ (۱۶۴۶ء) بتایا ہے لیکن صحیح ۱۰۶۶ھ (۱۶۵۵ء) ہے (سرو آزاد صفحہ ۹۱) فہرست ماخذات میں محمد ساقی کی کتاب کا نام عالمگیر نامہ لکھا ہے۔ حالانکہ صحیح نام ماثر عالمگیری ہے

مصنف نے اس حصہ کا انگریزی میں بھی ترجمہ کیا ہے جس کا دوسرا ایڈیشن حال ہی میں شایع ہوا ہے اس کا انگریزی نام یہ ہے۔ THE TAJ AND ITS ENVIRONMENTS یعنے تاج محل اور اس کی عمارات ملحقہ اسمیں بعض مباحث اردو ایڈیشن سے زیادہ ہیں۔ خصوصاً تعمیر تاج محل میں اٹالیہ کے صناع کی شرکت کا مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور آخر میں بطور ضمیمہ قلعہ آگرہ۔ جامع مسجد۔ سکندرہ اور مقبرہ اعتماد الدولہ کے حالات بھی اضافہ کرتے ہیں جو اردو میں نہیں ہیں تصاویر تو وہی ہیں جو اردو ایڈیشن میں شامل ہیں لیکن شہر آگرہ کا ایک نقشہ اور عمارات کے دو پلان اضافہ کئے گئے ہیں اس وقت تک تاج محل کے متعلق جو کتابیں انگریزی میں تحریر ہوئی ہیں ان سے بہت زیادہ معلومات اس میں جمع ہیں۔

وقایع عالمگیر

مرتبہ چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولس علیگڈھ (صفحات ۲۶۶) قیمت دو روپیہ مصنف سے ملتی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر کے متعلق اپنی طرز کی واحد کتاب ہے اس کے مضامین دو بڑے بڑے حصوں میں تقسیم ہیں پہلے حصہ میں جو ایک سو چودہ صفحات پر تمام ہوا ہے اورنگ زیب کے خاص خاص مکتوبات جمع ہیں اور ان کے ساتھ مصنف نے بطور تمہید وہ واقعات بھی بیان کئے ہیں جنکے متعلق بادشاہ نے ان مکتوبات کو تحریر کیا ہے اور اس کے تحت میں ان تمام الزامات کی تردید کی ہے جو بعض متعصب مصنفین کی وجہ سے اورنگ زیب کی نسبت غلط طور پر مشہور ہو گئے ہیں اس کے بعد دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جو ایک سو چار صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس میں سب سے پہلے شاہ جہاں۔ داراشکوہ۔ اورنگ زیب اور اس کے جانشین، بہادر شاہ۔ اعظم شاہ۔ کام بخش۔ جہاندار شاہ اور اورنگ زیب کے مشاہیر وزراء و امراء کا بالاجمال تذکرہ ہے اس کے بعد ان امرائے ہنود کی تفصیل درج ہے جو عہد اورنگ زیب میں گذرے ہیں اور ان کی تعداد ایک سو دس ہے پھر عہد اورنگ زیب میں صوبہ جات کی آمدنی سیاسی معاشی اصلاحات اور مذہبی رواداری کا ذکر کیا ہے۔ الغرض اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب بڑا ہی دوراندیش معاملہ فہم قواعد وضوابط کا پابند عادل و منصف رعایا کا ہمدرد اور غیر متعصب بادشاہ گذرا ہے جو حضرات اورنگ زیب کو ہندو کش اور ظالم وستمگر بادشاہ سمجھتے ہیں انھیں اس کتاب کو ایک بار ضرور پڑھ لینا چاہئے۔

مذہبی رواداری کے بیان میں مصنف نے اورنگ زیب کا ایک فرمان نقل کیا ہے جو اس وقت بھی بنارس کے ایک ہندو خاندان میں محفوظ ہے۔ اس کے ذریعہ سے بادشاہ نے ہندوؤں کے قدیم معابد کو منہدم کرنے کی ممانعت کی ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ قدیم بت خانوں کے پروہتوں پر تشدد کرنا روا نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ حسب سابق مراعات جاری رہنے چاہئیں۔ یہ فرمان اورنگ زیب کی تخت نشینی کے پہلے سال ۱۰۶۹ھ میں جاری ہوا تھا۔ اس کو سب سے پہلے کرنل فلٹ نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے رسالہ بابتہ نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۶۸۷ میں شائع کیا اور غالباً اسی سے وقایع عالمگیر میں نقل کیا گیا ہے۔ ان دونوں اشاعتوں میں اسکی تاریخ غلط چھپ گئی ہے فلٹ کی اشاعت میں ۱۰۶۴ھ اور وقایع عالمگیر میں ۱۰۲۱ھ درج ہے، اور یہ دونوں تاریخیں جلوس اورنگ زیب (یعنی ۱۰۶۸ھ) سے پہلے کی ہیں۔

تاریخ الامت

مصنفہ مولانا محمد اسلم جیراجپوری پروفیسر تاریخ ملیہ یونیورسٹی دہلی۔ شائع کردہ اردو اکاڈمی۔ جلد ششم صفحات ۲۰۲ قیمت دو روپیہ۔

مولانا اسلم جیراجپوری مدت سے تاریخ اسلام کی تالیف وتدوین میں مصروف ہیں۔ اور دہلی کی اردو اکاڈمی اسکی جلدیں سلسلہ وار شایع کر رہی ہے اس وقت تک پانچ جلدوں کی اشاعت ہو چکی ہے جنمیں جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، خلفائے راشدین اور خلفائے بنی امیہ و عباسیہ کے حالات درج ہیں اس طرح انھوں نے ساتویں صدی ہجری تک خلفائے اسلام کی تاریخ عموی کو ختم کر دیا ہے۔ اس سلسلہ کی جدید اشاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آیندہ جلدوں میں ملکوں کے لحاظ سے ان سلاطین اسلام کی تاریخ لکھنے والے ہیں جو خلفائے بغداد کے ہم عصر گذرے ہیں۔

جلد ششم جسے ہم سلسلۂ ثانی کی پہلی کتاب کہہ سکتے ہیں۔ بلاد مصر سے تعلق رکھتی ہے۔ اسمیں مولانا نے قدیم الایام سے ترکوں کے تسلط تک مصر کی تاریخ تحریر فرمائی ہے ابتدائی حصہ جو تاریخ قبل از اسلام سے متعلق ہے کم و بیش ربع کتاب پر مشتمل ہے اس کے بعد مسلمانوں کے فتوحات، خلفائے دمشق و بغداد کے حکام مصر کے کوائف ہیں۔ پھر مصر کے ان خود مختار حکومتوں کا تذکرہ ہے جو خلفائے بغداد کے معاصر تھے اس دور کو چراکسہ مصر کی حکومت تک پہنچا کر کتاب کو ختم کر دیا ہے یہ وہ زمانہ ہے جبکہ سلطان سلیم نے مصر کو فتح کیا تھا اگر اس کے بعد زمانہ حال تک واقعات کا اضافہ ہو جاتا اور خدیوان مصر کے حالات بھی شامل کر دئے جاتے تو یہ کتاب مصر کی مکمل تاریخ ہو جاتی۔

اس کتاب کی ترتیب اور انداز بیان ویسا ہی ہے جیسا کہ سابقہ جلدوں میں پایا جاتا ہے اور اسمیں بالاختصار مصر کی قدیم اور اسلامی تاریخ کے متعلق جملہ معلومات تاریخی تسلسل کے ساتھ جمع کر دئے گئے ہیں۔ اگر اس میں مسلمانان مصر کی تہذیب اور علمی ترقیوں کا تذکرہ بھی کر دیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا تاکہ یہ معلوم ہوتا کہ مسلمان نہ صرف فاتحین کی حیثیت سے حکمراں رہے بلکہ یہاں تہذیب و تمدن کے پھیلانے میں بھی کافی حصہ لیا ہے

تاریخ فلسفہ اسلام

مصنفہ ڈاکٹر ڈی بوئر۔ مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی۔ اردو اکاڈمی جامعہ ملیہ یونیورسٹی دہلی۔ ۱۹۲۲ء۔ صفحات ۱۵۸ قیمت دو روپیہ۔

ڈاکٹر بوئر کی مشہور کتاب کا ترجمہ ہے جس میں فلسفہ اسلام کی مختصر تاریخ تحریر کی گئی ہے اور ابتدا سے قرون وسطیٰ تک اس میں جو ترقیاں اور تبدیلیاں ہوئی ہیں ان کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

مسلمانوں نے یونان و ایران کے علوم فلسفہ کو حاصل کرنے کے لئے جو کوشش کی ہے اس کا حال پہلے باب میں لکھا ہے۔ اسلامی علوم کے کوائف دوسرے باب میں بیان کئے ہیں یہ دو باب بطور تمہید کے ہیں ان کے بعد اصل مباحث شروع ہوتے ہیں تیسرے اور چوتھے باب میں فلسفہ یونان کے مشرق میں رواج پانے کا حال مذکور ہے پانچویں اور چھٹے باب میں فلسفہ یونان کے مشرق میں انحطاط اور مغرب میں مروج ہونے کے واقعات ہیں ساتویں باب میں جس پر کتاب ختم ہو گئی ہے اس کو لاسک فلاسفی کا تذکرہ ہے ان ابواب میں موقع بہ موقع فلاسفہ اسلام کے تذکرے بھی درج ہیں۔ بالخصوص کندی فارابی۔ ابن مسکویہ ابن سینا

ابن ہیثم۔ غزالی۔ ابن باجہ۔ ابن طفیل۔ ابن رشد۔ ابن خلدون کے حالات اوران کے فلسفیانہ خیالات کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔

کتاب بہت مختصر ہے۔ اکثر مسائل تشنہ اور محتاج صراحت رہ گئے ہیں اس کے باوجود ادب اردو میں بسا غنیمت ہے کیونکہ اس موضوع پر اردو میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے ترجمہ عام فہم زبان صاف وسلیس ہے۔ مترجم نے مطالب کے ادا کرنے میں کافی کامیابی حاصل کی ہے۔ بعض مقامات پر مشاہیر کے ناموں کا املا غلط ہے مثلاً المعری اور ابری کی بجائے المری اور ابجاری لکھدیا گیا ہے۔ امید ہے کہ طبع ثانی میں ان کی اصلاح کردی جائے گی۔

اسلامی لغت

مرتبہ مولوی سید حامد حسین صاحب رضوی ایم اے۔ ایل ٹی۔ ڈاکٹر سب انسپکٹر سا دنیر ضلع (گیا) مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۲ء جلد اول صفحات ۲۶۴ قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ مصنف سے ملتی ہے۔

استناد کی کتابیں دنیا کی قریب قریب تمام علمی زبانوں میں موجود ہیں لیکن زبان اردو کا سرمایہ ادب ایسی کتابوں سے ناحال خالی نظر آتا ہے اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اردو داں طبقہ کی سہولت کے لئے یہ اپنی قسم کی پہلی کوشش ہے یہ کتاب عام کتب استناد کی پیروی میں تالیف ہوی ہے اور اسمیں مسلمانوں کے وہ علمی اور شرعی اصطلاحات جمع کی گئی ہیں جن سے روزمرہ سابقہ رہتا ہے یا جو ادبیات اردو میں عام طور پر استعمال ہوتی ہیں ان کے متعلق ہر قسم کی لغوی۔ علمی اور تاریخی معلومات اجمال کے ساتھ جمع کردی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خاص خاص مشاہیر کے تذکرے اور فلسفہ جدید کے بعض اہم مسایل بھی مذکور ہیں مصنف نے شرعی اصطلاحات کی توضیح میں سنی اور شیعہ دونوں فرقوں کے عقاید ومسایل کا لحاظ رکھا ہے۔

اب سے تقریباً ربع صدی میں ریورنیڈ ہوگس HAQHES نے اسی قسم کی ایک کتاب انگریزی میں ڈکشنری آف اسلام کے نام سے لکھی تھی مصنف نے اسی پر اپنی تالیف کی بنیاد رکھی ہے اور اس میں بہت سی کار آمد باتوں کو عربی فارسی اردو کی متعدد کتابوں سے اخذ کرکے اضافہ کیا ہے زبان اردو میں یہ اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے اس وقت اسکی صرف ایک جلد شائع ہوی ہے جس میں الف سے ث تک الفاظ ومصطلحات درج ہیں اگر یہ کتاب مکمل ہو جاسے تو ادبیات اردو میں بلاشبہ ایک کار آمد کتاب کا اضافہ ہو گا۔

آصفجاہ ثانی

مولفہ میر محمود علی صاحب ایم اے لکچرار تاریخ ہندسٹی کالج حیدر آباد۔ شایع کردہ سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چارمینار۔ حیدر آباد دکن صفحات ۲۰۴ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ ناشر سے ملتی ہے

سلطنت آصفیہ کے مشہور فرمانروا نواب میر نظام علی خاں بہادر آصف جاہ دوم کے عہد حکومت کی تاریخ

ہے مولف نے اس کے ابتدائی دو ابواب میں دکن کے جغرافی کوائف اور سلطنت آصفیہ کی گذشتہ تاریخ بیان کی ہے۔ تیسرے باب سے میر نظام علی خاں بہادر کے حالات شروع کئے ہیں اور اس میں ان واقعات کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے جو سلطنت آصفیہ اور سرکار انگریزی کے تعلقات سے وابستہ ہیں اسکے ساتھ میسور اور مرہٹوں کی لڑائیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے الغرض اس میں سنہ ۱۷۶۱ء سے سنہ ۱۸۰۳ء تک سلطنت آصفیہ کے بیالیس سالہ حکومت کی سیاسی تاریخ مذکور ہے واقعات معتبر کتابوں سے اخذ کئے ہیں کتاب کے ساتھ ایک نقشہ بھی لگا ہوا ہے جس میں عہد نظام علی خاں بہادر کی سیاسی کیفیت دکھائی گئی ہے۔ نظام علی خاں کی پالیسی اور انگریزی تعلقات کی نسبت بعض مباحث کو مصنف نے تشنہ چھوڑ دیا ہے تاہم کتاب اچھی ہے اور مصنف صاحب مستحق مبارکباد ہیں۔

ازمنہ وسطیٰ میں ہندوستان کے معاشرتی حالات

ازعلامہ عبداللہ یوسف علی ایم۔اے۔ ایل۔ایل۔ایم سی۔بی۔ای۔ ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد سنہ ۱۹۲۸ء

صفحات (۱۴۰) قیمت ایک روپیہ۔

اردو اور ہندی زبانوں کے ادبیات کو ترقی دینے کے لئے ہندوستانی اکاڈمی قائم ہوی ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے اکاڈمی کے اراکین نے جو وسایل اور ذرایع اختیار کئے ہیں ان میں ایک لکچروں کا سلسلہ بھی ہے جس کے لئے ملک کے مشاہیر علما منتخب کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ سال اکاڈمی نے علامہ عبداللہ یوسف علی کو مدعو کیا تھا اور موصوف نے ازمنہ وسطیٰ میں ہندوستان کے معاشرتی حالات پر چار لکچر دئے تھے اسکے ماہ مارچ میں مولانا سید سلیمان ندوی کو دعوت دی گئی تھی۔ مولانا کے لکچروں کا موضوع یہ تھا "ہندوستان اور عرب کے مابین علمی تجارتی اور مذہبی تعلقات۔"

لکچروں کا پہلا سلسلہ انڈین پریس کے نفیس ٹائپ میں چھپ کر حال میں شایع ہوا ہے۔ دوسرے سلسلہ کی نسبت توقع ہے کہ ختم سال سے پہلے اس کی بھی اشاعت ہو جائے گی۔

علامہ عبداللہ یوسف علی کے لکچروں میں پہلا لکچر تمہیدی ہے جس میں اکاڈمی کے مقاصد اردو زبان کیلئے ٹائپ کی ضرورت تاریخ ہند کے ادوار و ازمنہ کی تقسیم اور قرون وسطیٰ کے آغاز و اختتام پر مدلل مباحث مذکور ہیں۔ اس کے بعد معاشرتی اور اقتصادی حالات کو عہد وار بیان کیا ہے۔ دوسرا لکچر ساتویں صدی سے تعلق رکھتا ہے۔ تیسرے میں دسویں گیارھویں صدی اور چوتھے میں چودھویں صدی کے حالات مذکور ہیں ان لکچروں میں ازمنہ وسطیٰ کے معاشرتی، اقتصادی، انتظامی اور ادبی حالات نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کئے ہیں اور ہر عہد کے متعلق اس عہد کے سفرناموں ناٹکوں ادبی اور تاریخی کتابوں بلکہ سکوں اور کتبوں سے بھی ذخیرہ معلومات فراہم کیا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ کو مورخین نے عموماً چھ ادوار پر تقسیم کیا ہے۔ ویدی۔ بودھی۔ برہمنی، ترکی، مغولی۔ انگریزی لیکن فاضل لکچرار نے اس تقسیم سے اختلاف کیا ہے۔ انکی رائے میں عملی طور پر تاریخ ہند کے صحیح دور تین قرار پا سکتے ہیں۔ قرون عتیقہ۔ قرون وسطی۔ قرون جدیدہ۔ قرون عتیقہ کو عہد قبل از تاریخ سے شروع کر کے راجہ ہرش کی آغاز حکومت پر ختم کر دیا ہے اس کے بعد قرون وسطی کا آغاز ہوتا ہے جو ساتویں صدی سے شروع ہو کر تیمور کے حملہ تک تقریباً آٹھ سو سال کے وسیع عرصہ پر پھیلا ہوا ہے اس کے بعد قرون جدیدہ کی ابتدا ہوتی ہے اگرچہ یہ تقسیم خصائص ارتقائی کے لحاظ سے زیادہ موزوں نہیں ہے لیکن بعض وجوہات سے گزشتہ تقسیمات پر اس کو ترجیح ضرور ہے اور جب تک کوئی جدید نظریہ پیش نہ ہو اسی کی پیروی کرنی چاہئے۔ بہرحال ان آٹھ سو سال کے متعلق ان لکچروں میں معلومات کا جو ذخیرہ جمع کیا گیا ہے وہ بہت بیش قیمت ہے اور اس سے دربار شاہی کے حالات۔ شہری اور دیہاتی زندگی کے خصوصیات۔ عدل و انصاف کے طریقے۔ علم و ادب کے مجالس۔ زیب و زینت کے لوازم اور اسی قسم کی اور بہت سے فراموش شدہ حالات منکشف ہوتے ہیں۔

معجم المصنفین

تصنیف مولانا محمود الحسن صاحب ٹونکی طبع بیروت ۱۳۴۴ھ تا ۱۳۴۵ھ شائع کردہ مجلس اشاعت العلوم حیدرآباد صفحات جلد اول ۳۸۶ جلد دوم ۲۳۶ جلد سوم ۲۰۳ جلد چہارم ۲۲۴ قیمت تین روپیہ فی جلد

مصنفین اسلام کے تراجم احوال کا مبسوط انسائیکلوپیڈیا ہے سلطنت آصفیہ کی سرپرستی میں اسکی اشاعت ہو رہی ہے اس وقت تک چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں پہلی جلد بطور مقدمہ کے لکھی گئی ہے جسمیں علوم و فنون کی تقسیم اور ان کے حدود و عوارض مذکور ہیں اس میں سب سے پہلے مذاہب و معارف کے لحاظ سے اقوام کی تقسیم کی ہے اس کے بعد امم قدیمہ سے ہندی، ایرانی، کلدانی یونانی عبرانی رومی مصری اور عربی قوموں کے علمی کوائف اختصار کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ پھر اسلام میں علوم و فنون کے مدون ہونے کی تاریخ لکھی ہے اسی ضمن میں تصنیف و تالیف کی ابتدا، مصنفین اور ان کے تصنیفات کی کثرت، نوعیت و اہمیت کے لحاظ سے ان کے مختلف مدارج و مراتب بیان کئے ہیں یہ مباحث تقریباً ۹ صفحات پر ختم ہو گئے ہیں ان کے بعد ان علوم و فنون کا ذکر ہے جو عربی زبان میں مدون ہوئے اور مسلمانوں میں مروج و متداول رہے ہیں فاضل مدون نے ان کو چار عنوانوں کے تحت میں تقسیم کیا ہے۔ لسانیات دینیات۔ نقلیات۔ عقلیات اور ان کے ضمن میں باہم تعلق رکھنے والے علوم و فنون کو ایک جا جمع کر دیا ہے اس طرح پر اس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ علوم و فنون کے تعریفات و موضوعات اور ان کے متعلق علمی فوائد اور بعض تاریخی کوائف تفصیل کے ساتھ آگئے ہیں۔ دوسری جلد میں فقہ کے ائمہ اربعہ کا مفصل تذکرہ ہے اور اسمیں خصوصیت کے ساتھ ہر امام کے اساتذہ و تلامذہ اور شیوخ و ردودات حدیث کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ تیسری جلد سے مصنفین کے تراجم کی ابتدا ہوئی ہے جنکی ترتیب حروف ہجا پر ہے اور چوتھی جلد کے اختتام تک ان دونوں جلدوں میں آدم سے ابراہیم العدنی تک

(۳۸۱) مصنفین کے تذکرے درج ہیں۔

فاضل مرتب نے ہر تذکرہ میں ضروری معلومات جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ عرب، ایران، ترکستان، ہندوستان مصر و شام اور دیگر بلاد اسلام میں سنی و شیعہ مذاہب کے جس قدر علما فضلا فقہا، حکما شعرا، ادبا، محدثین مفسرین مورخین اور دیگر ارباب کمال گزرے ہیں ان سب کے حالات اس میں جمع ہیں اور انکی تمام چھوٹی بڑی تصنیفات کا خواہ وہ عربی میں ہوں یا ترکی فارسی اردو میں تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اگر یہ کتاب تکمیل پا کر شائع ہو جائے تو تمام دنیا میں اپنی آپ نظیر ہوگی۔

اس کتاب میں کتب رجال کی طرح اصلی ناموں کے لحاظ سے تراجم جمع کئے گئے ہیں حالانکہ اکثر مشاہیر کے اصلی ناموں کو دنیا نے اس وقت فراموش کر دیا ہے صرف انکی کنیتیں یا نسبتیں یا القاب عام طور پر شہرت رکھتے ہیں مثلاً ابو اسحق شیرازی، خاقانی شیروانی، فخر الدین عراقی، قطب الدین مصری کے تراجم کو انکے اصلی نام ابراہیم کے تحت میں تلاش کرنا خالی از مشکل نہیں ہے ایسی حالت میں مشہور ناموں کی ایک فہرست حرف ہجا کی ترتیب پر ہر جلد کے ساتھ شامل کر دی جائے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ طلاب علم کو اس کی وجہ سے استفادہ حاصل کرنے میں بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی۔ کتابوں کے تذکرے میں مطبوعات کے ساتھ مقامات و سنین طبع اور مخطوطات کے ساتھ ان کتب خانوں کے نام جہاں وہ موجود ہیں بتائے جائیں تو یہ اضافہ بھی نفع سے خالی نہیں ہے۔ لندن فرانس۔ برلن۔ مصر۔ استنبول وغیرہ وغیرہ کے بڑے بڑے کتب خانوں کی جو فہرستیں طبع ہوی ہیں ان سے اس نوعیت کے معلومات بہ آسانی مہیا ہو سکتے ہیں۔

اردو کہانیاں مصنفہ قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم۔ مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۲۳ء صفحات ۲۲ قیمت دو آنہ چھپائی۔ مصنف سے مولوی فیض الدین صاحب وکیل محلہ عابد شاپ حیدر آباد کے ذریعہ ملتی ہے۔

سید انشاء اللہ خاں انشا نے رانی کیتکی کی ایک کہانی لکھی تھی جس میں عربی فارسی زبان کا کوئی لفظ نہیں آنے دیا تھا اسی کی اتباع میں یہ کہانیاں بھی لکھی گئی ہیں اور اس میں بھی عربی یا فارسی کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ باوجود اسکے زبان انکی بہت صاف و سادہ ہے اور اس اسلوب سے لکھی گئی ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔

نیرنگ رام پور خاص نمبر بابت مارچ ۱۹۲۹ء صفحات ۵۰ قیمت ایک روپیہ چار آنہ مستقل خریداروں کو بلا قیمت سالانہ ہے۔ کچھ عرصہ سے اردو کے بعض رسایل بطور عادت مستمرہ کے سال میں ایک یا دو بار اپنی معمولی اشاعتوں کے علاوہ خاص خاص نمبر بھی نکالتے ہیں۔ اس بارے میں نیرنگ خیال۔ عالمگیر اور نیرنگ کو خاص امتیاز حاصل ہے اور ہر ایک دوسرے پر تفوق حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ گذشتہ مہینے میں نیرنگ کا خاص نمبر نکلا ہے جو ادبی اور علمی تحفے کی شان رکھتا ہے۔ اسکے اکثر مضامین قابل مطالعہ ہیں۔ اور اس میں ایک نئی بات یہ ہے کہ مضامین کی ترتیب و تبویب کی گئی ہے جو دوسرے رسالوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اقتباسات

عالمگیر اورنگ زیب کی مذہبی رواداری کے متعلق "وقائع عالمگیر" کے ریویو میں ہم نے جس فرمان شاہی کا ذکر کیا ہے اسے ناظرین کی دلچسپی کیلئے ذیل میں بجنسہ نقل کرتے ہیں۔



منشور لامع النور محمد اورنگ زیب بہادر بادشاہ غازی

لایق العنایة والرحمة ابوالحسن بالتفات شاهانه امیدوار بوده بداند که چون مقتضاے مراحم ذاتی و مکارم جبلی همگی همت والانهمت و تمامی نیت حق طویت بر رفاهیت جمهور انام و انتظام احوال طبقات خواص و عوام مصروف است و از روے شرع شریف و ملت منیف مقرر چنین است که دیرها برانداخت نشود و بتکده تازه بنا نیابد و درین ایام معدلت انتظام بعرض اشرف اقدس ارفع اعلی رسید که بعض مردم از راه عنف تعدی به هنود سکنه قصبه بنارس و برخی امکنه دیگر که بنواحی آن واقع است و جماعت برهمنان سدنه آن محال که سدانت بتخانه‌ها قدیم آن جا بانها تعلق دارد مزاحم و معترض می‌شوند و می‌خواهند که ایشان را از سدانت که از مدت مدید بآنها متعلق است باز دارند و این معنی باعث پریشانی و تفرقه حال این گروه می‌گرد لهذا حکم والا صادر می‌شود که بعد از ورود این منشور لامع النور مقرر کنند که من بعد احدی بوجوه تعرض و تشویش باحوال برهمنان و دیگر هنود متوطنه آن محال نرساند تا آنها بدستور ایام پیشین بجا و مقام خود بوده بجمعیت خاطر به دعائے بقائے دولت خداداد ابد مدت ازل بنیاد قیام نمایند درین باب تاکید دانند۔

بتاریخ ۱۵ ام شهر جمادی الثانیه سنه ۱۰۶۹ هجری نوشته شده

سائنس

انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو دانوں میں مقبول کیا جائے دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہو رہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہونگے انکو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کیجائیگی اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے سائنس دانوں کے علاوہ یورپ کے فضلا نے بھی اس رسالہ میں مضامین لکھنا منظور فرمایا ہے اس رسالہ میں متعدد بلاک بھی شایع ہوا کرینگے سالانہ چندہ [illegible] سکہ انگریزی [illegible] سکہ عثمانیہ منیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے طلب فرمائے۔

مقنن

قانونی معلومات کا بہترین اور مفصل ترین رسالہ جو ملک کے متعدد قانون دان حضرات کی نگرانی اور ادارت میں ہفتہ وار شایع ہوا کرتا ہے اسکے پہلے حصہ میں قانونی مباحث پر محققانہ مضامین دوسرے حصہ میں ممالک محروسہ سرکار عالی اور تیسرے حصہ میں برٹش انڈیا کے نظائر ہوا کرتے ہیں اسکے علاوہ ضمیمہ میں احکام و قوانین گشتیات رزولیوشن اور سررشتہ جات مال و عدالت کے نظائر شامل کئے جاتے ہیں تقطیع کلاں حجم تقریباً [illegible] صفحہ کاغذ اور کتابت و طباعت نفیس قیمت [illegible] سالانہ مولوی عبدالرحمن رئیس مدیر و مہتمم مقنن اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن سے طلب فرمایئے

زمانہ

اردو زبان کا قدیم ترین باتصویر ماہوار رسالہ

جو ملک کے نامور ادیب منشی دیا نارائن صاحب نگم بی اے کی ادارت میں ۲۵ سال سے نکل رہا ہے اس میں علم و ادب کے متعلق بہترین مقالے سبق آموز افسانے۔ دلکش نظمیں حقیقی تنقیدیں علمی خبریں ہوا کرتے ہیں اور ملک کے مشاہیر اہل قلم اسکے لئے ہمیشہ مضامین لکھا کرتے ہیں قیمت سالانہ ([illegible]) ششماہی ([illegible]) منیجر رسالہ زمانہ کانپور سے طلب فرمائے۔

مجلہ عثمانیہ

عثمانیہ یونیورسٹی کا سہ ماہی رسالہ

مولوی محمد عبد الرحمن خان صاحب اے۔ آر۔ سی۔ ایس۔ بی۔ ایس۔ سی۔ پرنسپل عثمانیہ یونیورسٹی کالج۔ مولوی محمد نظام الدین صاحب مولوی فاضل پی ایچ ڈی پروفیسر فارسی عثمانیہ یونیورسٹی۔ مسٹر ای۔ ای۔ اسپیٹ بی اے۔ پروفیسر انگریزی عثمانیہ یونیورسٹی کی نگرانی اور منتخب طلبا یونیورسٹی کی ادارت میں دو سال سے اردو اور انگریزی دو زبانوں میں اعلیٰ پیمانہ پر شائع ہو رہا ہے اور اعلیٰ علمی و ادبی حلقوں میں نمایاں امتیاز حاصل کر چکا ہے یونیورسٹی کے پروفیسر مشاہیر اہل قلم اور اعلیٰ جماعتوں کے ممتاز طلبا اسمیں بلند پایہ تحقیقی اور طبعزاد مضامین لکھا کرتے ہیں اسکے ہر نمبر کا حجم کم از کم دو سو صفحات ہوا کرتا ہے قیمت عام خریداروں سے چھ روپے۔ خرچ رجسٹریشن ایک روپیہ دس آنے۔ پتہ آنریری منیجر مجلہ عثمانیہ۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن سے طلب فرمائیں

سفینہ

گورنمنٹ محمڈن کالج اردو سوسائٹی کا سہ ماہی رسالہ

افضل العلما مولوی محمد عبد الحق ایم اے پروفیسر عربی مدراس یونیورسٹی کی ادارت میں جنوری اپریل جولائی اور اکتوبر کو شائع ہوتا ہے مدراس یونیورسٹی کے فاضل پروفیسر اور ہندوستان کے ممتاز اہل قلم اسمیں مضامین لکھا کرتے ہیں

کتابت و طباعت نفیس حجم سو صفحات قیمت معہ چار روپیہ۔ منیجر سفینہ گورنمنٹ محمڈن کالج ماؤنٹ روڈ مدراس

مخزن

ادب اردو کا پہلا باتصویر ماہوار رسالہ قیمتی معلومات کے مقالات اور بلند جذبات کے منظومات کا مجموعہ جو اس صدی کے آغاز سے اردو زبان کی سچی خدمت کر رہا ہے اور بغیر کسی امتیاز کے ہر مذہب و ملت کے بچے بوڑھے جوان مرد عورت سب بلا تامل اسکو پڑھ سکتے ہیں اسمیں مخرب اخلاق مضامین اور حیا سوز تصاویر نہیں ہوتی ہیں۔

پنجاب کے مایۂ ناز شاعر حضرت ابو الاثر حفیظ جالندھری تین سال سے اسکی ادارت کر رہے ہیں قیمت سالانہ للعہ منیجر مخزن بھاٹی گیٹ لاہور سے طلب فرمائیے۔

تمدن ہند

ہندوستان کے قدیم و جدید تمدن کی بہترین تاریخ
فرانس کے مشہور محقق ڈاکٹر گستاولی بان کی تصنیف
جس کو ڈاکٹر سید علی بلگرامی ایم اے ڈی لٹ نے
اردو میں ترجمہ کیا ہے نہایت دبیز اور نفیس
کاغذ پر عمدہ ترین خط و کتابت کے ساتھ چھپی ہے
(۱۰۶) رنگین (۸۹) سادہ تصاویر (۲) نقشے جلد
ولایتی طرز کی قیمت عہ روپیہ بہت کم جلدیں
المشتہر باقی ہیں
سید عبدالقادر گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر و پبلشر و مالک
اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدر آباد دکن سے طلب فرمائے

عالمگیر

زبان اردو کا بہترین باتصویر رسالہ

جو پنجاب کے دارالسلطنت لاہور سے ماہوار نکلتا ہے اسکے
ہر نمبر میں بلند پایہ مضامین اور نفیس ترین تصاویر ہوا
کرتے ہیں اہل ذوق نے ہندوستان کا ممتاز ترین رسالہ
تصور کرلیا ہے سال میں دو مرتبہ اسکے دو خاص نمبر نہایت
ضخیم شایع ہوا کرتے ہیں جنمیں متعدد رنگین اور سادہ تصاویر بھی
ہوتی ہیں خریداروں سے انکی کوئی قیمت علیحدہ نہیں لیجاتی ہے
قیمت سالانہ للعہ منیجر رسالہ عالمگیر لاہور سے طلب فرمائیے

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

دیوان غالب

طبع ثانی

مطبوعہ برلن (جرمنی)

ہندوستان کے مایہ ناز شاعر و ادیب مرزا غالب کا کلام جو
شان کا لکھا ہوا ہے جس قدر و منزلت کا وہ مستحق ہے ہم نے اسی حسن
ذوق اور لطافت و نفاست کے ساتھ مرزا کے کلام کا مجموعہ ارباب ذوق کے
سامنے پیش کیا ہے یہ دیوان نہایت اہتمام کے ساتھ جرمنی میں
طبع کرایا گیا ہے خوبصورت ملائم جلد اس پر سنہرے دلفریب
نقش و نگار طلائی اوراق اور سب سے زیادہ مرزا غالب کی
نادر عکسی تصویر جرمن ہنرمندی اور کمال کا اعلیٰ نمونہ ہیں
بار اس دیوان کی مقبولیت کا اندازہ صرف اس امر سے کیا جا سکتا
ہے کہ چند ماہ کے قلیل عرصہ میں اس کا ایک ایڈیشن ختم ہوگیا اور دوسری
بار طبع کرایا گیا دیوان مکمل ہے جسمیں مرزا مرحوم کا خود نوشتہ مقدمہ قطعات
و رباعیات اور آخر میں بیاض کیلئے نفیس حاشیہ دار سادہ اوراق
شامل ہیں جلد کا رنگ سبز نیلا نمبر ۲ عہ صرف چار روپئے

خورشید پریس

اردو، فارسی، عربی، ہر قسم کی رنگین اور سادہ
خوشنما اور پاک و صاف چھپائی حسب دلخواہ ہوا کرتی ہے
نمونہ کیلئے رسالہ تاریخ کا یہ نمبر ملاحظہ فرمائیے۔

منیجر خورشید پریس

محلہ عثمان پورہ بیرون چادرگھاٹ حیدر آباد دکن

MAKHZAN-I-NIKAT, The Biographies of Urdu Poets. Edited by Abdul- Haq, B. A. Secretary Anjuman-i-Taraqqi Urdu.

MUIN-UL-ATHAR, Vol I. a detailed history of the Taj, by M. Muin-ud-din M. R A. S and its English Translation entcteld 'The Taj and its Environments'

WAQAI ALAMGIR, an character study of Alamgir based on his letters with short Biographical notes on his Father, Brother, Sucessors, grate Ministers and list of Hindu Nobls.

TARIKH-UL-UMMAT, The History of Islam, by Maulana Aslam Jairajpuri. Vol. VI. dealing with Egypt. from the earlist tims to the end of the XVI th Century A. D.

THE HISTORY OF PHILOSOPHY IN ISLAM, by Dr. de Boer Urdu Translation by Sayyid Abid Hosain M. A. Ph. D.

THE DICTIONARY OF ISLAM, by Sayyid Hamid Hosain Razawi

ASAF-JAH THE SECOND, History of Nawab Nizam Ali Khan of Haiderabad, By Mir Mahomud Ali M. A.

THE SOCIAL AND ECONOMIC CONDITIONS OF INDIA DURING THE MADDL AGES. A Collections of Lecturs by Abdullah Yusuf Ali under the auspices of Hindustani Academy.

MUJAM-UL-MUSANNIFIN. Biograshical Encyclopaedia of Islamic Authers. By Maulana Mahmud-ul-Hasan Taunki.

STORIES OF URDU. without Arabic and Persian words by Zahur-ul-Hasan Nazim.

SPECIAL ISSUE. of Nairang Rampure.

TARIKH.

Vol. 1. Aprial - June 1929 Part 2.

REVIEWS.

تاریخ

جلد اول ۔ حصہ سوم و چہارم

اطلاع

تاریخ کی جلد اول - اس اشاعت پر ختم ہو گئی ہے - اسکے
ساتھ چونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ کا ایک
نایاب رسالہ تذکرہ مصنفین دہلی شایع ہو رہا ہے - اس لئے دو حصے
متحد شایع کئے گئے ہیں -

آیندہ اشاعت سے جلد دوم کا آغاز ہوگا اور اس میں قاضی
ناصر الدین ابو سعید عبداللہ البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ کی نادر الوجود
تاریخ سرزمین ایران المسمی نظام التواریخ مکمل شایع ہو گی -
اس لئے اس کے ابتدائی حصے بھی متحد شایع ہوں گے -

جلد اول کے خریداروں کا چندہ اس اشاعت پر ختم ہو گیا ہے
جلد دوم کیلئے خریداری کی اطلاع اور زر چندہ ایک ماہ کے اندر
وصول ہونا چاہیئے -

منیجر تاریخ

ایران قبل شیوع اسلام

خسرو انوشیروان شہنشاہ ایران ۵۳۱ء سے ۵۷۹ء

از پروفیسر محمد ہارون خاں شیروانی ۔ ایم ۔ اے ۔ بیرسٹر ایٹ لا عثمانیہ یونیورسٹی

(فرانس کے مشہور مستشرق بیران کرادے وو کی کتاب مفکرین اسلام کا ایک جز)

حضرت رسول اکرم صلعم کی ولادت باسعادت خسرو انوشیروان شہنشاہ ایران کے
جلوس کے ۳۹ ویں یا ۴۲ ویں سال ہوئی جو مشہور و معروف خاندان ساسانیان
کا ایک ممتاز رکن تھا ہم اس بادشاہ کا ذکر اس سے قبل بھی کر چکے ہیں چنانچہ اس
موقع پر ہم ساسانیوں کے آخری عہد کا بیان کرنے پر اکتفا کریں گے اگر کوئی شخص
مسلمانوں کی فتح ایران اور اس کے بعد کے واقعات کو سمجھنا چاہے تو اس کے لئے
اس عہد کا مطالعہ نہایت ضروری ہے ایران وہ ایران جس کی تابناکی، قدامت،
اور تمدنی امتیاز ضرب المثل تھا، جس کے باشندوں میں فہم و ادراک کی کمی نہ تھی، جسکے
سپاہیوں میں ہمت و جرات بھری ہوئی تھی، چشم زدن میں سرنگوں ہو جاتا ہے، اور
ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے زوال کے اسباب پر غور کریں۔ پھر لطف یہ ہے کہ حالت

مغلوبی میں بھی وہ خود غالب قوم کا معلم بن جاتا ہے، انھیں طرز حکومت کے اصول سے آگاہ کرتا ہے، درباری آداب و روایات کا درس دیتا ہے اور ادبیات علوم و فنون سے مالامال کرتا ہے۔ اور اگر ہم غور کریں تو ہم معلوم کرینگے کہ یہ در اصل ایرانیوں کے گزرے ہوئے درخشاں زمانے کی یاد اور ان کے مستقل اور باطنی اثرات ہی تھے۔ جن کی وجہ سے تاریخ اسلام میں وقتاً فوقتاً بغاوتیں رونما ہوتی رہیں اور اسلام میں طرح طرح کے فرقے بن گئے۔

ہم جن واقعات کا اعادہ کریں گے اس میں ترکوں کی بھی کہیں کہیں جھلک نظر آئیگی ترک ان سب قوموں کا مجموعی نام ہے جس کی ابتدائی تاریخ کے متعلق ہمیں بہت ہی کم معلومات حاصل ہیں۔ یہ سلطنت ایران کی سرحد پر بحیرۂ خزر نامہ علاقہ ماوراء جیحون میں پھیلے ہوئے تھے اور یہاں سے انھوں نے اس سلطنت پر شمال اور مشرق کی جانب سے عین اس وقت تاختین کرنا شروع کیں جب اس کے اور بیزنطہ کے مابین مخالفت و معاندت کی صورت پیدا ہو رہی تھی جو آخر کار جنگ کی شکل میں رونما ہوئی یہ سب کچھ ہو رہا تھا کہ مسلمان عربوں نے اپنے پورے زور کے ساتھ جنوب سے یورش کی اور اس قدیم و نامور سلطنت کا گویا ایک لمحہ میں خاتمہ کر دیا۔ اگر ہم تاریخ اسلام کی ابتدائی کیفیات کا غائر مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ سب امور پیش نظر رکھنا پڑیں گے۔

کیا اپنے جنگی جہات کے اعتبار سے اور کیا اپنے انتظامی و قانونی کارناموں کی رو سے نوشیروان ہر آئین ایک عظیم الشان فرماں روا کہلائے جانے کا مستحق ہے[1]۔

---

[1] یہ باب نولدکے کی مشہور آفاق تصنیف تاریخ ایران و عرب بعہد ساسانیان کا ملخص ہے۔ یہ کتاب جو تاریخ طبری سے اخذ کی گئی ہے، جگہ جگہ نہایت ہی قیمتی یادداشتوں سے مملو ہے۔ علاوہ ازیں طالب علم کو فردوسی (مترجمہ مول) جلد ۵ تا ۷، طبری (مترجمہ نوٹن برگ جلد ۲) مسعودی (مترجمہ باربیئے دومنیارڈ و پاوِلے دوکورتئی، جلد ۲)۔

اپنی فتوحات کے دوران میں اس نے اپنا علَم بیز نطہ، عربستان، قفقاز اور ترکستان
میں اڑایا اگر ہم غور کریں تو اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اس بادشاہ اور بیز نطینی فرماں روا
یوستی نیان کے مابین جو جنگ ہوی اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں عرب جوق
جوق ایک طرف تو ملک شام میں اور دوسری جانب دجلہ و فرات کی وادی زیریں میں
داخل ہو رہے تھے۔ انھی کی وجہ سے ان دونوں سلطنتوں کے درمیان کشمکش کا سلسلہ
شروع ہوا۔ بعض عرب قبایل بیز نطہ کی سلطنت میں شامل تھے اور بعض ایران کے
باجگزار۔ آغاز یوں ہوا کہ شامی عربوں نے جو سلطنت یونان کے ماتحت تھے ایرانی عربوں
کو طرح طرح سے ستانا شروع کیا، چنانچہ جب یہ معاملہ نوشیروان کے گوش گزار ہوا تو
اس نے یوستی نیان سے معاوضہ طلب کیا اور چونکہ موخر الذکر فرماں روا نے خاطر خواہ جواب
نہیں دیا اس لیے فریقین کے مابین لڑائی ٹھن گئی۔ الغرض ایرانی شام میں گھس گئے۔
اور انھوں نے بہت سے قصبات پر قبضہ کر لیا جن میں انطاکیہ خاص طور پر قابل ذکر ہے
جب نوشیروان واپس آرہا تھا تو وہ اپنے ساتھ انطاکیہ کا نقشہ لیتا گیا اور اپنے پایہ تخت
مدائن کے قریب ہی اسی خاکہ کے نمونے پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام اس نے رومیہ
(یعنی یونانی شہر) رکھا۔ وہ انطاکیہ کے بہت سے باشندوں کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا تھا
اور انھیں اس نے رومیہ میں ہو بہو ویسے ہی مکانات میں آباد کیا جیسے وہ پیچھے چھوڑ آئے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) ابن مسکویہ (جو گب کے سلسلہ میں طبع ہوی ہے جلد، حصہ ۱) کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے
اس کے ساتھ یعقوبی (جس کی ہوتسما نے ادارت کی ہے جلد ۱، اور ثعلبی کا بھی مطالعہ سود مند ہوگا۔ ثعلبی
نے ایران کے بادشاہوں کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا ترجمہ زوٹن برگ نے پیرس میں سنہ ۱۹ع میں اپنے اہتمام سے
چھپوایا ہے۔ ساتھ ہی فارس نامہ بھی اچھی کتاب ہے جو حال ہی میں گب کے سلسلہ میں شایع ہوی ہے
تاریخ ساسانیان کے عربی ماخذ پر دو نفیس کتابیں پڑھنے کے لایق ہیں جن میں سے ایک الوسترانزیف کی کتاب ہے
جس میں نریان نے روسی زبان سے ترجمہ کرکے اضافے کئے ہیں اور دوسری کرشاسپ کی کتاب ہے نریان کی کتاب کا
نام اسلامی ادبیات پر ایرانی اثر اور کرشاسپ کی کتاب کا نام مطالعات تاریخ ایران قدیم ہے۔

تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے ان کے ساتھ نہایت ہی عمدہ سلوک کیا اور ایک عیسائی کو اُن کا حاکم مقرر کردیا۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ یونان شہنشاہ ایران کا باج گزار بن گیا۔

ادھر عربستان میں بھی نوشیروان نے اپنا دائرہ اثر وسیع کیا اس نے اپنے باجگذار علاقہ حیرہ کے عربوں کو جو ایران کے جنوبی علاقے میں آباد تھے، خود اپنا بادشاہ مقرر کرنے کی اجازت دی۔ اس کا پرچم جزیرہ بحرین پر بھی لہراتا تھا اور ایک مورخ کے بیان کے بموجب عمان بھی اس کی سلطنت میں شامل تھا۔ اسی طرح ہم دیکھیں گے کہ اپنے عہد حکومت کے اختتام پر اسے یمن میں طلب کیا گیا اور اس نے اس ملک کو بھی اپنی عظیم الشان سلطنت میں شامل کرلیا۔ الغرض ملک عرب کا ایک بڑا حصہ جو اپنی دولت و مرفہ الحالی میں کسی دوسرے حصہ سے کم نہیں تھا ایران کے اثر میں آگیا۔ اس نے حبشہ پر بھی تاختیں کیں اور بڑے بڑے جہاز لیکر عدن کے مقابل آفریقہ کے ایک بندرگاہ کی ناکہ بندی کرنے میں کامیاب ہوا۔

علاقہ قفقاز میں بحیرہ خزر اور پہاڑوں کے درمیان دربند کی قلعہ بندی اسی بادشاہ کی طرف منسوب کیجاتی ہے اور اس کے ذریعہ سے شاہ ایران ان اقوام کی مدافعت کرسکتا تھا جو اس نواح میں رہتی تھیں اور جن کے صحیح نسلی سلسلہ کا ہنوز تعین نہیں کیا جاسکا۔ ہم نے اس کا ذکر اسلامی سیاحوں کے ضمن میں کیا ہے۔

بحیرہ خزر کے مشرق اور دریائے جیحون کے علاقے یعنے جرجان و ترکستان میں بھی نوشیروان بہت سے قلعوں پر متسلط ہوا اور جن قلعوں کو اس کے پیشروؤں نے چھوڑ رکھا تھا اُن کی مرمت وغیرہ کرائی۔ اس عہد میں ترکوں پر ایک خاقان حاکم تھا۔ جو ہمیشہ طرح طرح کی بے چینیاں اور اختلال پیدا کرتا تھا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس نے علاقہ ماوراء جیحوں پر قبضہ کرلیا اور ایک معرکے میں ایک لاکھ سپاہ کا قلع وقمع کرکے

برابر آگے بڑھتا گیا، تا آنکہ ایرانی قلعہ جات تک پہنچ گیا لیکن یہاں آ کر اُسے نوشیروان
سے مخالفہ کرنا پڑا جس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کا شہنشاہ ایران سے نکاح
کر دیگا۔ اسی ترکی شاہزادی کے بطن سے ولیعہد ایران ہرمز پیدا ہوا۔

اپنی اس وسیع سلطنت میں نوشیروان نے طرح طرح کی اصلاحات کیں
مزارعین کی مدد کی، راستے صاف کیے۔ نہریں کھدوائیں۔ اس نے اس جمعبندی
کی بھی تکمیل کی جس کی اس کے جد کیقباد نے ابتدا کی تھی۔ مسعودی کا بیان ہے کہ وہی
پہلا شخص تھا جس نے محصول عائد کرنے کے معین قواعد بنائے اور لگان کا تقرر کیا
اس کے عمال نے کھجور اور زیتون کے درخت شمار کر لیے اور ان سب لوگوں کی فہرست
بنائی جن پر لگان عاید کیا جا سکتا تھا اس سے پہلے محاصل کی مقدار محض رسم و رواج پر
منحصر تھی یعنی حکومت ہر ضلع کی پیداوار کا تیسرا یا چھٹا حصہ لیتی تھی چنانچہ کاشت کی
حالت و کیفیت کے ساتھ ساتھ لگان کا تعین ہوا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں ہر شخص کو ذاتی
محصول بھی ادا کرنا ہوتا تھا نوشیروان نے اس طریقہ میں یہ اصلاح کی کہ اول تو اس نے
ہر قسم کی کاشت (مثلاً گیہوں، چاول، گھاس، انگور، کھجور، اور زیتون) پر اور انسانوں
اور جانوروں پر محصول لگایا، مثلاً جہاں گیہوں پیدا ہوتا تھا وہاں کی زمین پر تقریباً
عا۸ فی ایکڑ گھاس کے زمین پر عہ فی ایکڑ، انگور کے لئے عہ فی ایکڑ لگان لیا جاتا تھا
پھر چھ معمولی یا چار ایرانی کھجور کے درختوں یا چھ زیتون کے درختوں پر ایک درہم تقریباً
۸ محصول ہوتا تھا۔ اس طرح ادا کنندگان کی مالی حالت کے اعتبار سے ذاتی محصول
کی چار قسمیں تھیں یعنی چار درہم چھ درہم ۸ درہم اور ۱۲ درہم لیکن یہ صرف اُن
لوگوں پر عاید کیا جاتا تھا جن کی عمر بیس اور پچاس سال کے درمیان ہو۔ سالانہ محصول
تین قسطوں میں چار چار ماہ بعد ادا کیا جاتا تھا۔

نوشیروان نے ایک بڑی مجلس منعقد کر کے یہ سب اصلاحات اس کے سامنے

پیش کیں اور دریافت کیا کہ آیا کسی کو ان کی بابت کچھ اعتراض ہے۔ اس پر ایک شخص نے اٹھ کر بآواز بلند کہا کہ "اے بادشاہ کیا تو چاہتا ہے کہ ان چیزوں پر بھی محصول عائد کرے جو خراب و برباد ہو گئی ہیں جیسے انگور کے خشک درخت کی شاخ جلا ہوا ایج، سوکھی نہر اور بیکار چشمہ؟ اس پر بادشاہ کو اس کی گستاخی پر سخت غصہ آیا او فی الفور اس کی کھال کھینچنے کا حکم دیدیا۔ اس کے بعد پھر کسی کو ایک لفظ زبان سے نکالنے کی جراُت نہیں ہوی۔

واضح ہو کہ جب مسلمانوں نے حضرت عمر رض کے زمانہ میں ایران فتح کیا ہے تو خلیفہ اسلام رض کے حکم سے یہ سب قوانین برابر نافذ رہے؛

نوشیروان ادبیات علوم و فنون کا بھی سرپرست تھا چنانچہ اس نے بہت سی قدیم کتابوں کے ترجمے بھی کرائے۔ اس نے جندساپور میں ایک جامعہ کا افتتاح کیا جہاں کے طلبہ یونانی علوم و فنون میں مہارت پیدا کرتے تھے یہ جامعہ زیادہ تر عیسائیوں کے قبضہ میں تھا اور اس سے پہلے بھی یونانی علوم و فنون کا درس اڈیسہ کے مدرسہ میں دیا جاتا تھا جسے جامعہ کا رتبہ حاصل تھا۔ رنیان کہتا ہے کہ اڈیسہ کے کھنڈروں سے نصیبین و جندساپور کے مدارس برآمد ہوئے جن کی وجہ سے نسطوری عیسائیوں کا علاقہ علوم و فنون کے شعاعوں سے منور ہو گیا۔

جندساپور کا مدرسہ اپنے آپ کو مسلک بقراط کا پیرو کہتا تھا اور یہ طب مشرقی کا گویا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ ایران اپنے بادشاہ کیخسرو اعظم کے زمانے سے یونانی علماء و فضلا کا مامن تھا، اور کون ایسا ہے جو اس بات سے واقف نہیں کہ جب یوستی نیان نے علماء و فضلا پر طرح طرح کی سختیاں کرنی شروع کی ہیں تو اس بربری فرمانروا کا دربار ان کا جائے پناہ بن گیا تھا اُن کی تعلیم و تدریس کو خود شاہ ایران نہایت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ لوگ اسے حکیم افلاطون کا پیرو

سمجھنے لگیں۔ اگاتھیوس یہ بھی کہتا ہے کہ اس نے یونانی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ جس قدر دیموس تھینس طوسی ویدش کے تحریرات سے واقف تھا اس سے زیادہ شہنشاہ ایران نے ارسطاطالیس کے اصول پر عبور حاصل کر لیا تھا اور وہ افلاطون کے فلسفے سے اس قدر واقف تھا کہ "تمائیوس" کا کوئی بھی مشکل سے مشکل مسئلہ ایسا ہوگا جسے وہ حل نہ کر سکتا ہو، اور یہی کیفیت "فائیدو" "گورگیاس" اور "پارمینی دیس" جیسے دقیق مکالموں کی تھی۔[1]

یہ امر متیقن نہیں کہ مداین میں جو ایوان کسریٰ ہے اسے خسرو پرویز نے بنایا تھا یا نوشیرواں نے۔ چنانچہ بعض تو اسے ایک کی طرف اور بعض دوسرے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن خاص ایران میں اس کا بانی نوشیروان ہی قرار دیا جاتا ہے۔ ایک مسلمان مورخ کہتا ہے کہ یہ محل اینٹ چونے کا تھا اور اس کی بلندی ستر ہاتھ تھی۔ یاقوت کہتا ہے کہ "اس کے صدر دروازے پر جو شبیہ تھی۔ اس میں خسرو نوشیروان انطاکیہ کے باشندوں سے بات چیت کرتا ہوا نظر آتا تھا" ایک روایت کے مطابق جو مسلمانوں میں زبان زد خواص و عام ہے، اس محل کا ایک حصہ عین اس روز گرا جس دن رسول اکرم صلعم اس دنیا میں تشریف لائے۔

مذہب کے اعتبار سے نوشیروان مزدائی تھا۔ اور اپنے عہد حکومت کے اوایل ہی میں اس نے مزدکیوں کا جو اشتراکیت پسندوں کا ایک خطرناک فرقہ تھا خاتمہ کر دیا۔ مزدک ایک طرح کا مانوی تھا جس نے کیقباد کے عہد میں اپنے اصول کی تبلیغ و ترویج سے بہت سے ایرانیوں کو اپنا پیرو بنا لیا تھا۔ وہ اوستا کی کچھ اس طرح

---

[1] ارنسٹ رینان "فلسفہ مشائین" پیرس ۱۸۵۲ء ص ۱۷ و شیلتز:۔ مباحث جندیشاپور جریدہ انجمن علمیہ جلد (۲) [2] مزدک کے قصے کی بابت دیکھو "فارس نامہ" ص ۸۶ و ۸۹)

سے تاویل کرتا تھا کہ اس کا بیان کردہ مطلب ظاہری مطلب سے بالکل مغائر ہوتا تھا
غرض نوشیروان نے ایسے میں اس کے اسّی ہزار پیروؤں کے جازر و نہروان کے درمیان
موت کے گھاٹ اتروا کر ازسرنو آتش پرستی کو رواج دیا اور مذہبی مباحث و مناظر کو
قطعاً ممنوع کر دیا۔ بعض مورخوں کے نزدیک یہ عیسوی مذہب کا دشمن تھا۔ لیکن جناب
گرشاسپ نے ایران قدیم پر جو کتاب لکھی ہے اس میں اس بادشاہ کو اس الزام سے
بالکل بری کر دیا ہے۔[1]

المختصر یہ کہ نوشیروان کا عہد حکومت نہایت تابناک تھا اور گو رسول اکرم صلعم
کو ایرانیوں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا تاہم روایت ہے کہ آپ نے اپنی زبان
مبارک سے اس بادشاہ کو عادل کا لقب دیا جس کا وہ ہر آن مستحق تھا۔

---

[1] گرشاسپ مطالبات تاریخ قدیم۔ جو تنقید فلسفہ تاریخ ایک نہایت لطیف مجموعہ ہے؛ لندن، سنہ ۱۸۹۰ء
ص (۱۶۰) اس کتاب کا ایک پورا باب ۶ ص (۲۰/۱۲۵) نوشیروان کے لئے وقف ہے۔

مورخین ہند

عام تاریخیں

۱

طبقات اکبری

تصنیف مُلّا نظام الدین احمد بن محمد مقیم ہروی

ہندوستان کے حکومت اسلامیہ کی عام تاریخ ہے۔ جس میں امیر ناصر الدین سبکتگین کے آغاز حکومت (۳۶۷ھ ۹۷۷ء) سے جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے اڑتیسویں سال جلوس (۱۰۰۲ھ ۱۵۹۳ء) تک واقعات ہیں۔

اس کا مصنف ملا نظام الدین احمد بن محمد مقیم ہروی شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری (تولد ۲۹۶ھ ۱۰۰۵ء وفات ۴۸۱ھ ۱۰۹۳ء) کی اولاد سے ہے جو ہرات کے مشہور بزرگ اور پیر ہرات کے لقب سے مشہور تھے۔ محمد مقیم ابتداً بابر بادشاہ کے زمانہ میں

دفتر دیوانی میں ملازم ہوا۔ بابر کی وفات کے بعد جب ہمایوں نے گجرات فتح کیا اور مرزا عسکری کو وہاں کا گورنر بنایا تو مرزا محمد مقیم کو اُس کا وزیر مقرر کر دیا۔ ہمایوں جب شیر شاہ سے شکست کھا کر ایران کو چلا گیا تو یہ بھی اُس کے ہمراہ موجود تھا۔

نظام الدین اکبر کی تخت نشینی (۹۶۳ھ) سے چار یا پانچ سال پہلے ۹۵۸ھ یا ۹۵۹ھ میں پیدا ہوا اور سن رشد کو پہونچ کر شاہی لشکر میں ملازم ہو گیا۔ اکبر نے اپنے جلوس کے اونتیسویں سال (۹۹۱ھ) اعتماد خاں کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا تو نظام الدین کو صوبہ کا بخشی بنا دیا۔ اور اس نے کئی سال اس خدمت کو نیک نامی کے ساتھ انجام دیا۔ جلوس کے سینتیسویں سال (۱۰۰۰ھ) مرزا جعفر آصف خاں روشنائیوں کی مہم پر روانہ ہوا تو نظام الدین لشکر کا میر بخشی قرار پایا۔ جلوس کے اونتالیسویں سال ۲۳ صفر ۱۰۰۳ھ کو پینتالیس سال کی عمر میں تپ محترقہ سے اس نے انتقال کیا۔ اور لاہور میں مدفون ہوا۔ ملا عبدالقادر بدایونی کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ملا صاحب نے اس کی وفات کا حال افسوس ناک الفاظ میں لکھا ہے۔ اور ذیل کا قطعہ تاریخ منظوم کیا ہے منتخب التواریخ طبع لکھنو صفحہ ۲۷۴۔

رفت میرزا نظام دیں احمد	سوے عقبیٰ وجست و زیبا رفت
گوہر او زبسکہ عالی بود	در جوار ملک تعالیٰ رفت
قادری یافت سال تاریخش	گوہرے بےبہا ز دنیا رفت

نظام الدین نے ۱۰۰۱ھ میں جلوس اکبری کے سینتیسویں سال اس کتاب کی تالیف شروع کی اور ۱۰۰۲ھ کے اخیر ایام میں اپنی وفات سے چند ماہ پہلے اختتام کو پہونچایا اور اٹھائیس کتابوں سے جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے اس کی ترتیب و تدوین میں مدد لی ہے

(۱) تاریخ یمینی (۲) زین الاخبار (۳) روضۃ الصفا (۴) تاج الماثر

(۵) خزاین الفتوح (۶) تغلق نامہ (۷) طبقات ناصری (۸) تاریخ فیروز شاہی

(۹) فتوحات فیروز شاہی	(۱۰) تاریخ مبارک شاہی	(۱۱) تاریخ فتوح السلاطین	(۱۲) تاریخ محمود شاہی مندوی کلاں
(۱۳) تاریخ محمود شاہی مندوی خورد	(۱۴) تاریخ محمود شاہی گجراتی	(۱۵) ماثر محمود شاہی گجراتی	(۱۶) تاریخ محمدی
(۱۷) تاریخ بہادر شاہی	(۱۸) تاریخ بہمنی	(۱۹) تاریخ ناصری	(۲۰) تاریخ مظفر شاہی
(۲۱) تاریخ میرزا حیدر دوغلات	(۲۲) تاریخ کشمیر	(۲۳) تاریخ سندھ	(۲۴) تاریخ بابری
(۲۵) واقعات بابری	(۲۶) تاریخ ابراہیم شاہی	(۲۷) واقعات مشتاقی	(۲۸) واقعات ہمایونی

طبقات اکبری ایک مقدمہ نو طبقات اور ایک خاتمہ پر منقسم ہے۔

مقدمہ در ذکر سلاطین آل سبکتگین سنہ ۳۶۷ھ ۔ سنہ ۵۸۲ھ سنہ ۹۷۷ء سنہ ۱۱۸۶ء

طبقہ اول ۔ ذکر سلاطین دہلی ۔ سلطان معز الدین محمد بن سام کے زمانہ سے اکبر کے اڑتیسویں سال جلوس تک ۔ سنہ ۵۷۴ھ سنہ ۱۰۰۲ھ سنہ ۱۱۷۸ء سنہ ۱۵۹۳ء

طبقہ دوم	۔ ذکر سلاطین دکن	سنہ ۷۴۸ھ	سنہ ۹۸۰ھ ۔	سنہ ۱۳۴۷ء	سنہ ۱۵۹۳ء
طبقہ سوم	۔ ذکر سلاطین گجرات	سنہ ۷۹۳ھ	سنہ ۹۸۰ھ	سنہ ۱۳۰۰ء	سنہ ۱۵۷۲ء
طبقہ چہارم	۔ ذکر سلاطین بنگالہ	سنہ ۷۴۱ھ	سنہ ۹۸۴ھ	سنہ ۱۳۴۰ء	سنہ ۱۵۷۶ء
طبقہ پنجم	۔ ذکر سلاطین مالوہ	سنہ ۸۰۹ھ	سنہ ۹۷۷ھ	سنہ ۱۴۰۶ء	سنہ ۱۵۶۹ء
طبقہ ششم	۔ ذکر سلاطین جون پور	سنہ ۷۸۴ھ	سنہ ۸۸۱ھ	سنہ ۱۳۸۲ء	سنہ ۱۴۷۶ء
طبقہ ہفتم	۔ ذکر سلاطین سندھ	سنہ ۸۶ھ	سنہ ۱۰۰۱ھ	سنہ ۷۰۵ء	سنہ ۱۵۹۲ء
طبقہ ہشتم	۔ ذکر سلاطین کشمیر	سنہ ۷۴۷ھ	سنہ ۹۹۵ھ	سنہ ۱۳۴۶ء	سنہ ۱۵۸۶ء
طبقہ نہم	۔ ذکر سلاطین ملتان	سنہ ۸۴۷ھ	سنہ ۹۲۳ھ	سنہ ۱۴۴۳ء	سنہ ۱۵۱۷ء

خاتمہ ۔ ذکر بعضے خصوصیات ہندوستان

طبقات اکبری اگرچہ تاریخی اغلاط سے خالی نہیں ہے اور بالخصوص اس میں سنین کی غلطیاں کثرت سے موجود ہیں لیکن باوجود اس کے ہندوستان کی عام تاریخوں میں ایک خاص وقعت اور اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو اس موضوع پر

تصنیف ہوی ہے اور اس کا طرز ترتیب اس درجہ پسندیدہ ہے کہ مورخین مابعد نے اسی کا اتباع کیا ہے۔ فرشتہ نے اپنی مشہور تاریخ بالکل اسی کے نمونہ پر لکھی ہے۔ یہ ہی کتاب بدایونی کی منتخب التواریخ کا ماخذ ہے۔ مصنف ماثر رحیمی نے اس کے تاریخی اقتباسات کثرت سے اپنی تاریخ میں لکھی ہیں۔ قریب قریب یہ ہی حال خلاصۃ التواریخ۔ لب التواریخ اور بہت سی دوسری تاریخوں کا ہے۔

طبقات اکبری ۱۸۷۵ء میں مطبع نول کشور میں چھپی ہے۔ مسٹر ڈے نے اس کا ابتدائی حصہ جس میں فیروز شاہ کے عہد حکومت تک حالات ہیں ۱۹۱۳ء میں سلسلہ کتب ہندیہ میں چھپوایا ہے اور اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے جو ۱۹۱۴ء میں اسی سلسلہ میں چھپ کر شایع ہوا ہے۔

بلاک مین کا ترجمہ آئین اکبری جلد اول ص ۴۲۰۔ الیٹ کا انڈکس ص ۱۸۰ تا ص ۱۸۴۔ ایلیٹ کی تاریخ جلد پنجم ص ۱۷۶ تا ص ۱۷۷۔ ریوج ۱ ص ۲۲۰ ناسولیس کا مضمون ہندوستان کی تاریخوں پر مندرجہ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سلسلہ جدید جلد سوم ص ۱۵۴۔

(۲)

منتخب التواریخ

تصنیف مُلّا عبدالقادر بدایونی

ہندوستان کی عام تاریخ ہے اس میں سلاطین غزنویہ کے آغاز حکومت سے اکبر کے چالیسویں سال جلوس ۱۰۰۴ھ تک دہلی کی سلطنت اسلامیہ کے حالات تحریر ہیں۔

ملا صاحب ۹۴۷ھ یا ۹۴۹ھ میں بدایون کے قصبہ تونده میں پیدا ہوئے۔ شیخ مبارک ناگوری کے شاگرد تھے۔ ۹۸۱ھ میں جمال خاں قورچی اور عین الملک شیرازی کی سفارش سے اکبر کے دربار میں پہونچے۔ چہارشنبہ کے روز نماز میں بادشاہ کی امامت کیا

کرتے تھے۔ اس لئے ان کا لقب امام اکبر بادشاہ ہو گیا تھا۔ ۲۳ رجادی الثانی ۱۰۰۴ھ کو بدایون میں ان کا انتقال ہوا ہے (خزانہ عامرہ صفحہ ۲۲۳) ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے بلاک مین کا ترجمہ آئین اکبری جلد اول ص ۱۰۴۔ اور مولانا آزاد دہلوی کی دربار اکبری۔ ص ۴۱۹

ملا صاحب نے اس تاریخ میں ابواب و فصول قائم نہیں کئے ہیں لیکن اُن کے مضامین اپنی نوعیت کے لحاظ سے از خود تین مختلف حصوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔

(۱) سلاطین دہلی کے واقعات۔ امیر ناصر الدین سبکتگین کے زمانہ (۳۶۷ھ/۹۷۷ء) سے ہمایون کی وفات (۹۶۳ھ) تک

(۲) جلال الدین اکبر کے حالات تخت نشینی سے چالیسویں سال جلوس تک

(۳) مشاہیر عہد کا تذکرہ۔ اس میں ان امرا و فقرا، علما حکما اور شعرا کا احوال مذکور ہے جو اکبر کے معاصر اور ہندوستان میں گذرے ہیں۔

یہ کتاب (۱۰۰۴ھ/۱۵۹۶ء) میں تصنیف ہوی ہے۔ اور اس میں ملا صاحب نے سلاطین کے حالات تاریخ مبارک شاہی اور طبقات اکبری سے اخذ کیے ہیں۔ شعرا کا تذکرہ علاء الدولہ قزوینی کی نفائس المآثر سے منتخب کیا ہے۔ اس کا کار آمد حصہ وہ ہے جس میں عہد اکبری کے واقعات ہیں اور اس کو ملا صاحب نے اپنے عینی مشاہدات کی بنا پر تحریر کیا ہے۔

منتخب التواریخ ۱۸۶۸ء میں بہ مقام لکھنو ایک جلد میں چھپی ہے۔ قریب قریب اسی زمانہ میں ڈاکٹر ناسولیس نے تین جلدوں میں سلسلہ کتب ہندیہ میں بہ مقام کلکتہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۹ء عرصہ چھ سال میں چھپوایا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۱۴ء تک تین جلدوں میں سلسلہ کتب ہندیہ میں شایع ہوا ہے۔ پہلی جلد کو رانکنگ نے دوسری کو لوئی نے اور تیسری کو ہیگ نے ترجمہ کیا ہے۔ اس سے پہلے ڈاکٹر ولسن نے صرف اس حصہ کا ترجمہ کیا تھا جس میں اکبر کے حالات ہیں اور یہ ڈاکٹر موصوف کے مجموعۂ

تصنیفات کی دوسری جلد میں ص ۲۷۹ سے ص ۴۰۰ تک موجود ہے۔ اردو میں مولوی احتشام الدین مرادآبادی نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۹۷ء میں مطبع نول کشور لکھنو میں چھپا ہے۔

ناسولیس کا مضمون ص ۴۵۵۔ ایلیٹ کا انڈکس ص ۲۱۹ تا ص ۲۵۰۔ ایلیٹ کی تاریخ جلد پنجم ص ۴۷۷ تا ص ۵۴۹

(۳)

ذکر الملوک

تصنیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی

ہندوستان کی عام تاریخ ہے۔ سلطان معزالدین محمد بن سام کے زمانہ سے شہنشاہ اکبر کے جلوس تک واقعات ہیں۔

شیخ عبدالحق ہندوستان کے علمائے عظام سے ہیں۔ علوم دینیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ عنفوان شباب میں حج بیت اللہ کے لیے حجاز کا سفر کیا اور وہاں شیخ عبدالوہاب متقی کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر علم حدیث کی تکمیل کی۔ ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۲ھ میں جہانگیر کے عہد میں انتقال کیا۔ علوم دینیہ اور بالخصوص حدیث۔ سیر اور تصوف میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جن کی مجموعی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔

سبحۃ المرجان ص (۵۲) ماثرالکرام صنا۲۰ تذکرۂ علمائے ہند ص۱۰۹

آپ نے مشائخین اور فقرائے ہندوستان کا ایک مبسوط و مفصل تذکرہ لکھا ہے۔ جو اخبار الاخیار کے نام سے موسوم ہے اس میں مشائخین کے حالات ہیں اور ۱۲۸۳ھ اور ۱۳۰۶ھ میں دوبارہ دہلی میں طبع ہوا ہے

دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد بن سام کے فتح ہندوستان سے سلطان ناصرالدین

محمود بن شمس الدین التمش کے جلوس تک جو زمانہ گزرا ہے اس کے حالات طبقات ناصری سے ماخوذ ہیں۔ غیاث الدین بلبن سے فیروز شاہ تک آٹھ بادشاہوں کا تذکرہ تاریخ فیروز شاہی سے منقول ہے۔ اس کے بعد اکبر کے جلوس تک جن بادشاہوں نے حکومت کی ہے اُن کے واقعات معتبر روایات اور عینی مشاہدات کی بنا پر تحریر کئے ہیں۔

یہ کتاب جلوس اکبر کے چالیسویں سال ۱۰۰۵ھ میں تصنیف ہوی ہے اور شیخ نے جس بیت سے اُس کی تاریخ نکالی ہے وہ ذیل میں درج ہے:۔

ناقص چو قناد سال تاریخش را   از ذکر ملوک یازدہ ناقص کُن

ذکر ملوک کے اعداد (۱۰۱۶) ہیں۔ ان سے (۱۱) عدد ناقص کریں تو ۱۰۰۵ھ ہجری حاصل ہوتا ہے۔

مضامین کی تفصیل ذیل میں درج ہے:۔

(۱) تذکرہ سلاطین دہلی
(۲) ذکر سلاطین بنگالہ
(۳) ذکر سلاطین جون پور
(۴) ذکر سلاطین مالوہ
(۵) ذکر سلاطین گجرات
(۶) ذکر سلاطین دکن
(۷) ذکر سلاطین ملتان
(۸) ذکر سلاطین کشمیر

شیخ نے اس کتاب کا نام ذکر الملوک رکھا ہے۔ لیکن عام طور پر تاریخ حقی کے نام سے مشہور ہے۔

ایلیٹ کا انڈکس ص (۲۷۳) تا ص (۲۸۰) ایلیٹ کی تاریخ جلد ششم ص (۱۷۵) تا ص (۱۸۱) ریو جلد اول ص ۲۲۴ مارلے ص (۶۲)

شیخ فرید بخاری (وفات ۱۰۲۵ھ) جہانگیر کے دربار میں ایک جلیل القدر امیر گذرا ہے اس کی فرمایش سے شیخ کے فرزند نور الحق مشرقی نے ہندوستان کی ایک مختصر تاریخ لکھی اس کا نام زبدۃ التواریخ ہے اور ۱۰۱۴ھ میں تمام ہوی ہے۔ یہ تاریخ حقیقت میں ذکر الملوک

کا ترمیم شدہ نسخہ ہے۔ اس میں نور الحق نے زمانہ تصنیف تک سلاطین دہلی اور اُن کے ہم عصر بادشاہوں کا تذکرہ اضافہ کر دیا ہے۔ ایلیٹ کی تاریخ جلد ششم ص (۱۸۲)۔ ریو جلد اول ص ۲۲۳)

(۴)

تاریخ فرشتہ

تصنیف حکیم محمد قاسم فرشتہ ابن غلام علی ہندو شاہ استرآبادی

ہندوستان کی عام تاریخ ہے۔ جس میں قدیم زمانہ سے ۱۰۱۵ھ تک واقعات ہیں۔ فرشتہ ۹۶۰ھ کے قریب استرآباد میں پیدا ہوا۔ ابتدائے عمر میں اپنے والد کے ساتھ ہندوستان میں آکر احمد نگر میں مقیم ہوا۔ اس وقت احمد نگر میں مرتضیٰ نظام شاہ (۹۷۲ھ ۹۹۶ھ) کی حکومت تھی باپ اور بیٹا دونوں نے دربار میں رسائی حاصل کر لی۔ مرتضیٰ شاہ نے ہندو شاہ کو اپنے فرزند میراں حسین کا اتالیق مقرر کر دیا۔ مرتضیٰ کے بعد میراں حسین برسر حکومت ہوا اور کم و بیش ایک سال حکومت کرنے کے بعد ۹۹۷ھ میں معزول کر دیا گیا۔ میراں حسین کے عہد میں فرشتہ احمد نگر میں مقیم رہا۔ اس کے بعد وہاں سے نکل کر ۹۹۸ھ میں بیجاپور میں آیا اور عادل شاہی دربار میں باریاب ہو گیا۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ (۹۸۸ھ ۱۰۳۷ھ) کے حکم سے اس نے اپنی تاریخ لکھنی شروع کی جو ۱۰۱۵ھ) میں اختتام کو پہونچی اور اسے گلشن ابراہیمی کے نام سے موسوم کیا۔ لیکن یہ نام عام طور پر مشہور نہیں ہوا۔ فرشتہ کا سال وفات معلوم نہیں۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس نے بہت بڑی عمر پائی ہے۔ کیونکہ اُس نے خاندیس کی سلطنت فاروقیہ کے انقراض کا تذکرہ کرتے ہوے بہادر خاں فاروقی کی وفات کا ذکر کیا ہے جو جہانگیر کے عہد میں ۱۰۳۳ھ میں واقع ہوی ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ فرشتہ ۱۰۳۳ھ میں بقید حیات

موجود تھا۔

فرشتہ نے تاریخ کے علاوہ ایک کتاب علم طب میں لکھی ہے جس کا نام دستور الاطبا ہے اس میں ہندوؤں کے طریق علاج اور ہندی ادویہ کے افعال و خواص بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب امرتسر میں سنہ ۱۹۰۱ء میں چھپی ہے۔

فرشتہ نے اپنی تاریخ (۳۳) کتابوں سے اخذ کی ہے ان میں سے (۲۰) کتابیں وہی ہیں جو طبقات اکبری کا ماخذ ہیں انکے علاوہ دس کتابوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) ملحقات طبقات ناصری شیخ عین الدین بیجاپوری (۲) تاریخ بناکتی (مطبوعہ نسخہ میں غلطی سے تاریخ تبائے گیتی لکھا گیا ہے) (۳) سراج التواریخ ملا محمد لاری (۴) تاریخ ملا احمد تھتوی (۵) حبیب السیر (۶) تاریخ حاجی محمد قندھاری (۷) فوائد الفواد (۸) خیر المجالس (۹) خیر العارفین (۱۰) طبقات اکبرشاہی

فرشتہ نے اپنی تاریخ کو ایک مقدمہ بارہ مقالے اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔

مقدمہ ۔ ذکر راجگان ہنود۔ وکیفیت ظہور اسلام در بلاد ہندوستان

مقالہ اول ۔ ذکر سلاطین لاہور

مقالہ دوم ۔ ذکر سلاطین دہلی۔ سلطان معز الدین محمد بن سام کے زمانہ سے اکبر کی وفات تک۔

مقالہ سوم ۔ ذکر سلاطین دکن۔

روضہ اول ۔ ذکر سلاطین بہمنیہ

روضہ دوم ۔ ذکر سلاطین بیجاپور ملقب بہ عادل شاہ

روضہ سوم ۔ ذکر سلاطین احمد نگر ملقب بہ نظام شاہ

روضہ چہارم ۔ ذکر سلاطین تلنگانہ ملقب بقطب شاہ

روضہ پنجم ۔ ذکر شاہان برار ملقب بعماد شاہ

روضہ ششم ۔ ذکر شاہان بیدر ملقب بہ برید شاہ

مقالہ چہارم ۔ ذکر شاہان گجرات

مقالہ پنجم ۔ ذکر شاہان مالوہ

مقالہ ششم ۔ ذکر سلاطین خاندیس

مقالہ ہفتم (۱) ذکر سلاطین بنگالہ

(۲) ذکر سلاطین جون پور

مقالہ ہشتم ۔ ذکر سلاطین ملتان

مقالہ نہم ۔ ذکر سلاطین سندھ

مقالہ دہم ۔ ذکر سلاطین کشمیر

مقالہ یازدہم ۔ ذکر حکام ملیبار و کیفیت پرتگیزان ہندوستان

مقالہ دوازدہم ۔ ذکر مشائخین ہندوستان

خاتمہ ۔ کیفیت ہندوستان

الیٹ کا انڈکس ص ۳۱ تا ص ۳۴۹ الیٹ کی تاریخ جلد ششم

جلد ششم ص ۲۰۷ تا ص ۲۳۶ ۔ ریو ج اول ص ۲۲۵ ۔ مارلے ص ۵۶ تا ص ۶۸

بمبئی کے گورنر اور مشہور مورخ لارڈ الفنسٹن نے تاریخ فرشتہ کو نہایت اہتمام کے ساتھ بڑی تقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں ۱۸۳۲ء میں بمبئی میں چھپوایا ہے ۔ اس کے بعد لکھنو کے مطبع منشی نولکشور نے اس کے متعدد ایڈیشن شایع کئے ہیں ۔ (۱۸۶۴ء، ۱۸۶۵ء، ۱۸۸۴ء)

انگریزی میں اس کے متعدد ترجمے ہوئے ہیں ۔ اسکندر ڈیو نے مقالہ اول و دوم کا ترجمہ کیا ہے جس میں سلاطین لاہور و دہلی کا تذکرہ ہے ۔ اور تاریخ ہندوستان کے نام سے ۱۷۶۸ء میں بہ مقام لندن دو جلدوں میں چھپا ہے ۔ میجر اسکاٹ نے مقالہ سوم کا ترجمہ کیا ہے جس میں سلاطین دکن کے حالات ہیں اور ۱۷۹۴ء میں تاریخ دکن کے نام سے دو جلدوں میں چھپا ہے ۔ اینڈرسن نے گیارھویں مقالہ کا ترجمہ کیا ہے جس میں ملیبار کے

حالات ہیں اور اکاونٹ آف ملیبار کے عنوان سے کلکتہ کے رسالہ ایشیاٹک مسلینی میں ۱۸۸۶ء
میں شایع ہوا ہے۔ کامل کتاب کا ترجمہ جیمس برگس نے چار جلدوں میں کیا ہے جو ۱۸۲۹ء
میں بہ مقام لندن اور ۱۹۰۸ء میں بہ مقام کلکتہ چھپا ہے۔

اردو میں بھی اس کے متعدد ترجمے ہوے ہیں۔ کامل کتاب کا ترجمہ دو ضخیم جلدوں میں
۱۳۰۹ء میں مطبع منشی نول کشور میں طبع ہوا ہے۔ مولوی حیدر علی بجنوری نے سررشتہ تعلیم
پنجاب کی فرمایش سے ابتدائی تین مقالوں کا ترجمہ کیا ہے جو دو جلدوں میں بہ مقام بجنور طبع ہوا ہے
پہلی جلد میں سلاطین لاہور و دہلی کے حالات ہیں اور اس کا نام تحفۃ الملوک ہے۔ دوسری
جلد میں سلاطین بہمنیہ کا تذکرہ ہے اور اسے سلطان التواریخ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ حال
میں ایک ترجمہ حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی کے سررشتہ تالیف و ترجمہ نے شایع کیا ہے۔ اسکے
مترجم کا نام فدا علی طالب ہے۔ اس کی دو جلدیں شائع ہوئی ہیں جن میں ابتدا سے
سلطان جلال الدین اکبر کی وفات تک واقعات ہیں۔ کتاب کے آخر میں ایک حصہ
تعلیقات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس میں تاریخی حواشی مترجم نے اور جغرافیائی حواشی
مولوی سید ہاشمی فرید آبادی نے لکھے ہیں۔

۵

خلاصۃ التواریخ

تصنیف منشی سوجان رائے ساکن بٹالہ

ہندوستان کی عام تاریخ۔ جس میں قدیم زمانہ سے اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی
تک واقعات ہیں۔

مصنف کے نام میں اختلاف ہے الیٹ نے سبحان رائے اور گارسن دی ٹاسی نے
سوجان رائے لکھا ہے۔ بعض قلمی نسخوں میں کاتبوں نے جو خاتمے لکھے ہیں ان سے آخر الذکر

بیان کی صحت ظاہر ہوتی ہے۔ سوجان رائے نے اس تاریخ کے علاوہ اور بھی کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً شاہ نامہ فردوسی کا نثر خلاصہ جو ۱۱۰۳ھ میں تمام ہوا ہے خلاصۃ الانشا جس میں فن انشاء کی چوبیس کتابوں سے اخذ کرکے نامور انشا پردازوں کے مختلف تحریرات جمع کئے ہیں۔ خلاصۃ المکاتیب جس میں خطوط نویسی کے آداب و قواعد مذکور ہیں۔

مصنف نے خلاصۃ التواریخ کی تالیف میں چھبیس کتابوں سے مدد لی ہے اور دو سال کے عرصہ میں جلوس عالمگیری کے چالیسویں سال ۱۱۰۷ھ کے اخیر ایام میں اس کو تمام کیا ہے۔

مضامین کی ترتیب و تقسیم اس طرح پر ہے۔

۱۔ ہندوستان کا جغرافیہ

۲۔ تاریخ راجگان ہندوستان۔ راجہ جدھشتر کے زمانہ سے فتوحات اسلام تک

۳۔ تاریخ سلاطین ہندوستان۔ امیر ناصر الدین سبکتگین کے زمانہ سے ابراہیم لودھی کے انقراض تک۔

۴۔ تاریخ سلاطین تیموریہ۔ بابر بادشاہ کے فتح ہندوستان سے اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی تک۔

مصنف نے سلاطین ہندوستان کے حالات بیان کرتے ہوئے ضمناً اُن کے معاصر سلاطین کا تذکرہ بھی لکھ دیا ہے مثلاً بابر کے حالات میں سلاطین ملتان کا ذکر آیا ہے۔ اکبر کے حالات میں سلاطین مالوہ، گجرات، بنگال، کشمیر، سندھ، اور دکن کے واقعات مرقوم ہیں۔

ڈاکٹر جان گل گرسٹ کی فرمایش سے اس کے ابتدائی حصہ کو جس میں ہندوستان کا جغرافیہ اور راجگان ہندوستان کا تذکرہ مذکور ہے۔ میر شیر علی افسوس نے ۱۸۰۵ء میں زبان اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام آرایش محفل رکھا ہے۔

خلاصۃ التواریخ کو مولوی ظفر حسن نے ۱۹۱۸ء میں دہلی میں چھپوایا ہے۔ آرایش محفل

۱۸۱۰ء میں کلکتہ میں اور ۱۸۶۹ء میں لکھنو میں چھپی ہے۔ اس کا جغرافیائی حصہ بطور انتخاب کے جان شکسپیر نے اپنے مجموعہ منتخبات ہندی میں شامل کیا ہے جو ۱۸۱۸ء میں بہ مقام لندن طبع ہوا ہے۔

مارلے ص ۶۹ - ایلیٹ کی تاریخ جلد ہشتم ص ۵ تا ص ۱۲ - ناسولیس کا مضمون ص ۲۲۴۔ گارسن دی تاسی کی تاریخ ادب ہندی و ہندوستانی جلد اول ص ۳۱ - ایتھی ۳۶۲ تا ۳۶۴

ہندوستان کی غیر مشہور تاریخوں میں ایک مختصر التواریخ بھی ہے۔ جو شاہ جہان کے عہد میں تصنیف ہوی ہے۔ اس میں راجہ جدہشتر کے زمانہ سے شاہ جہاں کے جلوس تک سلاطین دہلی کے حالات مذکور ہیں (ایلیٹ کی تاریخ جلد ہشتم ص ۱) ایلیٹ کا بیان ہے کہ سوجان رائے نے اسی کتاب پر اپنی تاریخ کا سنگ بنیاد رکھا ہے اور اس کے اغلب اجزا کو لفظ بہ لفظ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ یہاں تک کہ اصل عبارتوں کے ساتھ وہ اشعار بھی خلاصتہ التواریخ میں بجنسہ موجود ہیں جنھیں مختصر التواریخ کے مصنف نے کتاب میں موقع بہ موقع درج کئے ہیں۔ یہ ہی کیفیت سیر المتاخرین کی ہے اس کی پہلی جلد میں جو مقدمہ سیر المتاخرین کے نام سے موسوم ہے مصنف نے بعض عبارتوں کو ترمیم کرکے خلاصتہ التواریخ کو حرف بحرف نقل کر لیا ہے۔

جغرافیائی تاریخیں

۶

چہار گلشن

تصنیف رائے چترمن

ہندوستان کی جغرافیانہ تاریخ۔ جس میں قدیم زمانہ سے ۱۱۷۳ھ تک واقعات ہیں۔ مصنف نے اس کو وزیر غازی الدین خاں بہادر کی فرایش سے ۱۱۷۳ھ میں جبکہ احمد شاہ ابدالی نے دہلی پر دوسری بار حملہ کیا تھا) تصنیف کیا اور اخبار النوادر اس کا نام رکھا لیکن اس کا مسودہ پریشان و پراگندہ حالت میں تھا۔ جس کو مصنف کے پوتے منشی چندربھان نے ۱۲۰۴ھ میں ازسرنو مرتب کیا اور مصرعہ ذیل سے اس کی تاریخ نکالی۔

دایما سیراب باد اچار گلشن درجہاں

یہ کتاب چار فصلوں میں منقسم ہے۔ ہر فصل گلشن کے نام سے موسوم ہے اور اسی مناسبت سے چہار گلشن کہلاتی ہے۔

گلشن اول۔ ہندوستان کے پندرہ صوبوں کا بیان (۱) دہلی (۲) اکبرآباد (۳) لاہور (۴) ملتان (۵) تتہ (۶) کشمیر (۷) ادریسہ (۸) بنگالہ (۹) بہار (۱۰) الہ آباد (۱۱) اودہ (۱۲) اجمیر (۱۳) گجرات۔

(۱۴) مالوہ (۱۵) کابل

گلشن دوم دکن کے چھ صوبوں کا بیان (۱) برار (۲) خاندیس (۳) اورنگ آباد (۴) بیجاپور (۵) گولکنڈہ (۶) بیدر

گلشن سوم - ہندوستان کے راستوں کا بیان - جو دہلی سے مختلف صوبوں تک گزرتے ہیں -

گلشن چہارم - مسلمان اور ہندو فقراء کے مختلف فرقوں کا تذکرہ -

گلشن اول میں سلاطین ہندوستان کی تاریخ راجہ جدہشٹر کے زمانہ سے شاہجہاں ثانی کے جلوس تک تحریر ہے - گلشن دوم میں دکن کے حسب ذیل شاہی خاندانوں کا تذکرہ مرقوم ہے -

(۱) سلاطین بہمنیہ (۲) سلاطین عادل شاہیہ (۳) سلاطین نظام شاہیہ
(۴) سلاطین قطب شاہیہ (۵) سلاطین عماد شاہیہ (۶) سلاطین برید شاہیہ
(۷) سیواجی اور سمبھاجی کا احوال

ہر صوبہ میں جس قدر زیارت گاہیں، شاہی قلعے - دریا - پہاڑ - مشہور مقام - ضلعے پرگنے واقع ہیں اُن کی تفصیل بھی درج ہے - اور اس کے ساتھ ساتھ شہروں کے تحت میں ان مشاہیر صوفیہ کا تذکرہ بھی لکھا ہے جو یہاں مدفون ہیں -

ایلیٹ کی تاریخ جلد ہشتم ص ۲۵۵ ریو جلد اول صفحہ ۲۳۰

پروفیسر جادوناتھ سرکار نے اپنی کتاب ہندوستان بعہد اورنگ زیب میں اس کتاب کے بہت سے جغرافیانہ اقتباس نقل کیے ہیں -

حقیقت ہائے ہندوستان

تصنیف لالہ لچھمی نارائن شفیق

یہ کتاب بھی مثل چہار گلشن کے ہندوستان کی جغرافیانہ تاریخ ہے اور ۱۲۰۴ھ ۱۷۸۹ء میں حیدرآباد میں تصنیف ہوئی ہے۔

مصنف اس کا نواب نظام الملک آصف جاہ اول کے دیوان لالہ منسا رام کا فرزند اور میر غلام علی آزاد بلگرامی کا شاگرد ہے۔ ۲ صفر ۱۱۵۸ھ کو اورنگ آباد میں اس کی ولادت ہوئی تھی۔ تاریخ و تراجم میں اس نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً (۱) تمنیق شگرف۔ دکن کی تاریخ ہے (۲) ماثر آصفی۔ شاہان آصفیہ کی تاریخ ہے۔ (۳) بساط الغنائم۔ مرہٹوں کی تاریخ ہے (۴) ماثر حیدری۔ حیدر علی اور اس کے نامور فرزند ٹیپو سلطان کی تاریخ ہے (۵ و ۶) گل رعنا اور شام غریباں۔ فارسی شعرا کے تذکرے ہیں (۷) چمنستان شعرا، اردو شعرا کا تذکرہ ہے۔

لالہ منسا رام اپنے زمانۂ دیوانی میں ممالک اور جمعیت کے محاصل و مداخل کا ایک گوشوارہ مرتب کیا تھا۔ مصنف نے ولیم پاٹرک کی فرمایش سے اس گوشوارہ کو از سرنو ترتیب دیا۔ اور اس کی توضیح کے لئے یہ کتاب تصنیف کی۔

یہ کتاب چار مقالوں میں منقسم ہے۔

مقالہ اول ۔ اس میں محاصل و مداخل کا گوشوارہ درج ہے۔

مقالہ دوم ۔ اس میں ہندوستان کے حسب ذیل صوبوں کا بیان ہے۔

(۱) شاہجہاں آباد (۲) اکبرآباد آگرہ (۳) الہ آباد (۴) اودہ (۵) بہار (۶) بنگالہ (۷) اڑیسہ (۸) مالوہ (۹) اجمیر (۱۰) گجرات

(۱۱) تتہ (۱۲) ملتان (۱۳) لاہور (۱۴) کشمیر (۱۵) کابل

مقالہ سوم - اس میں دکن کے حسب ذیل صوبوں کا بیان ہے

(۱) خاندیس (۲) برار (۳) اورنگ آباد (۴) بیدر

(۵) بیجاپور (۶) حیدر آباد

مقالہ چہارم - ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی مختصر تاریخ سلطان معزالدین محمد بن سام کے زمانہ سے ۱۲۰۲ ہجری تک جبکہ شاہ عالم بادشاہ ثانی ہندوستان میں برسر حکومت تھا - ولسن جلد دوم ص ۱۲۷

ریو جلد اول ۲۳۸

اس کا ایک نفیس نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے فن تاریخ ص ۷۵۰ اور فہرست میں اس کا نام غلطی سے خلاصۃ الہند درج ہوگیا ہے -

سلاطین دہلی کی تاریخیں

۱

تاج المآثر

تصنیف نظام الدین حسن نظامی نیشاپوری

سلطنت دہلی کی سب سے قدیم اور پہلی تاریخ ہے۔ اس میں دہلی کے پہلے مسلمان سلطان امیر قطب الدین ایبک اور اس کے جانشین سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت کے چھبیس (٢٦) سالہ واقعات مذکور ہیں جو ۵۸۷ھ سے ۶۱۴ھ تک گزرے ہیں۔

روضۃ الصفا اور کشف الظنون میں اس کے مصنف کا نام صدر الدین محمد بن حسن نظامی لکھا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ نام اصل نسخہ کے کاتب کا ہے اور اس کاتب نے کتاب پر جو خاتمہ لکھا ہے اس میں مصنف کا نام نظام الدین حسن نظامی نیشاپوری درج ہے۔ حمد اللہ مستوفی کی تاریخ گزیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حسن نظامی مشہور ادیب اور شاعر نظامی عروضی سمرقندی مصنف چہار مقالہ کا فرزند تھا۔

کتاب کی ابتدا فتح اجمیر سے ہوئی ہے (۵۸۷ھ) اخیر واقعہ جس پر کتاب کا خاتمہ ہوا ہے۔ ۶۱۴ھ میں شاہزادہ ناصر الدین محمود کا صوبہ دار لاہور مقرر ہونا ہے۔

تاج الماثر نایاب کتاب ہے۔ اس کے قلمی نسخے شاذ و نادر میسر آتے ہیں۔ کتاب خانہ آصفیہ میں اس کا ایک بہترین نسخہ موجود (فن تاریخ ص ۲۸۳) اور ایلیٹ کی دوسری جلد میں اس کا مختصر ترجمہ شامل ہے۔

ایلیٹ کی تاریخ جلد دوم ص ۲۰۴۔ ڈاکٹر ناموکیس کا مضمون جلد دوم ص ۲۰۴ ریو جلد اول ص ۳۲۰

۹

تاریخ فیروز شاہی

تصنیف مولانا ضیاء الدین برنی

سلطنت دہلی کے آٹھ بادشاہوں کی تاریخ جس میں سلطان غیاث الدین بلبن کے جلوس (۶۶۴ھ) سے سلطان فیروز شاہ کے چھٹے سال جلوس (۷۵۸ھ) تک واقعات ہیں۔

مولانا ضیاء الدین سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا (وفات ۷۲۵ھ) کے مرید مشہور شاعر خواجہ امیر خسرو کے دوست اور سلطان محمد بن تغلق کے ندیم تھے۔ سلطان کی وفات کے بعد فیروز شاہ کے دربار میں تقرب حاصل کیا۔ اسی زمانہ میں اپنی تاریخ لکھی۔ یہ تاریخ ۷۵۸ھ میں تمام ہوئی ہے اس وقت مولانا کی عمر چوہتر سال کی تھی۔ اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۸۴ھ میں یا اس کے قریب زمانہ میں ان کی ولادت ہوئی ہے۔ سال وفات معلوم نہیں (۷۵۸ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا ہے اور شیخ نظام الدین اولیا کے جوار میں مدفون ہوئے۔

اخبار الاخیار ص ۱۰۰ تذکرہ علمائے ہند ص ۹۷۔

تاریخ فیروز شاہی طبقات ناصری کا تکملہ ہے۔ قاضی منہاج الدین نے طبقات کو ۶۵۸ھ میں ختم کیا ہے۔ فیروز شاہی کی ابتدا غیاث الدین بلبن کے جلوس سے ہوئی ہے جو ۶۶۴ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ۷۵۸ھ تک جبکہ فیروز شاہی تصنیف ہوئی ہے،

پچانوے سال کا زمانہ گزرا ہے اور اس عرصہ میں حسب ذیل آٹھ بادشاہ برسرِ حکومت ہوئے ہیں جن کا مفصل تذکرہ تحریر ہے۔

۱۔ سلطان غیاث الدین بلبن	سنہ ۶۶۴ھ	سنہ ۶۸۶ھ
۲۔ سلطان معز الدین کیقباد	سنہ ۶۸۶ھ	سنہ ۶۸۹ھ
۳۔ سلطان جلال الدین فیروز	سنہ ۶۸۹ھ	سنہ ۶۹۵ھ
۴۔ سلطان علاء الدین محمد شاہ	سنہ ۶۹۵ھ	سنہ ۷۱۶ھ
۵۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ	سنہ ۷۱۶ھ	سنہ ۷۲۰ھ
۶۔ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ	سنہ ۷۲۰ھ	سنہ ۷۲۵ھ
۷۔ سلطان محمد بن تغلق شاہ	سنہ ۷۲۵ھ	سنہ ۷۵۲ھ
۸۔ سلطان فیروز شاہ	سنہ ۷۵۲ھ	سنہ ۷۹۰ھ

مرحوم سر سید احمد خاں نے فیروز شاہی کی تصحیح کی ہے۔ اور ڈاکٹر ناسولیس کے اہتمام سے سنہ ۱۸۶۲ء میں بہ مقام کلکتہ طبع ہو کر سلسلہ کتب ہندیہ میں شائع ہوئی ہے۔ انگریزی میں کامل کتاب کا ترجمہ کسی قدر اختصار کے ساتھ پروفیسر ڈوسن نے کیا ہے۔ جو الیٹ ہسٹری کی جلد سوم میں شامل ہے۔

الیٹ کی تاریخ جلد سوم ص۹۳۔ جلد ششم ص ۴۸۴۔ ریو جلد اول ص ۳۳۳ جلد سوم ص ۹۱۹ و ص ۹۲۰

سر سید نے فیروز شاہی پر ایک مبسوط دیباچہ بھی لکھا ہے۔ جس میں ان تمام تاریخوں کا حال ہے جو شاہان ہند کے متعلق اس سے پہلے اور فیروز شاہ کے حال میں اس کے بعد لکھی گئی ہیں اور اس کے بعد ضیاء الدین برنی کی سوانح عمری لکھی ہے۔ یہ دیباچہ سائنٹفک سوسائٹی کے اخبار کی پہلی جلد میں شائع ہوا ہے (حیات جاوید حصہ اول ص۷۲)

طبقات ناصری دنیا کی عام تاریخ ہے اور اسے قاضی منہاج الدین بن سراج الدین

جوزجانی نے ۶۵۸ھ میں تصنیف کیا ہے۔ اس میں ابتدا آفرینش عالم و آدم سے زمانہ تصنیف تک انبیا علیہم السلام قدیم شاہان ایران خلفائے اسلام اور ان کے ہمعصر سلاطین عالم کے واقعات مذکور ہیں۔

منہاج الدین کے آبا و اجداد جوزجان کے رہنے والے تھے۔ اور انھیں آل شنسب (سلاطین غور) کے دربار میں تقرب خاص حاصل تھا۔ اس کی ماں شاہزادی ماہ ملک بنت سلطان غیاث الدین محمد بن سام کی رضائی بہن تھی۔ اسی تقریب سے شاہی محل سرا میں منہاج الدین کی پرورش ہوئی تھی۔ سلطان شمس الدین التمش اور اس کے جانشینوں نے منہاج الدین کو عساکر شاہی کا قاضی بنا دیا تھا۔ اخیر زمانہ میں جبکہ سلطان ناصر الدین محمود حکمران اور غیاث الدین بلبن صاحب اقتدار تھا اس کو خوب عروج حاصل ہو گیا تھا۔ اور بلبن نے جو اس کا سرپرست تھا صدر جہاں کا خطاب دیکر قاضی القضات بنا دیا تھا۔

طبقات ناصری تیئیس ۲۳ طبقات میں منقسم ہے۔ ان میں آٹھ طبقے ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں اور ۱۸۶۳ء میں سلسلہ کتب ہندیہ میں طبع ہوئے ہیں۔

طبقہ یازدہم۔ ذکر سلاطین آل سبکتگین۔ امیر ناصر الدین سبکتگین کے آغاز حکومت سے خسرو ملک تک جس کے زمانہ میں اس خاندان کا انقراض ہوا ہے۔

طبقہ ہفدہم۔ ذکر سلاطین شنسبانیہ۔ پہلی شاخ کا تذکرہ جس کی حکومت علاقہ غور میں تھی۔

طبقہ ہشتدہم۔ ذکر سلاطین شنسبانیہ۔ دوسری شاخ کا تذکرہ جس کی حکومت علاقہ طخارستان میں تھی۔

طبقہ نوزدہم۔ ذکر سلاطین شنسبانیہ۔ تیسری شاخ کا تذکرہ جس کی حکومت علاقۂ غزنین و بامیان میں تھی۔

طبقہ بستم۔ ذکر سلاطین ہندوستان۔ قطب الدین ایبک اور اس کے ہمعصر

حکامان اقطاع ہندوستان مثلاً ناصر الدین قباچہ والی سندھ وملتان بہاء الدین طغرل والی بیانہ۔ بختیار خلجی والی بنگالہ اور اُن کے جانشینوں کے حالات۔

طبقہ بست ویکم ۔ ذکر سلاطین دہلی۔ سلطان شمس الدین التمش کے آغاز حکومت سے سلطان ناصر الدین محمود کے پندرہویں سال جلوس تک

طبقہ بست ودوم ۔ ذکر ملوک شمسیہ۔ ان حکام کا تذکرہ جو سلطان شمس الدین التمش اور اُس کے جانشینوں کے طرف سے وقتاً فوقتاً ہندوستان کے مختلف اقطاع میں مقرر ہوئے ہیں۔

طبقہ بست وسوم ۔ چنگیز خاں کا خروج اور مغلیہ حملوں کا تذکرہ۔

بائیسویں طبقہ کے اختتام سے تاریخ فیروز شاہی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

۱۰

تاریخ فیروز شاہی

تصنیف شمس سراج عفیف

ضیاء الدین برنی کی تاریخ کا تکملہ ہے۔۔ اس میں سلطان فیروز شاہ کے واقعات جلوس ۱۳۵۱ء سے وفات (۱۳۸۸ء) تک تحریر ہیں۔ ابتدا میں مختصر سا بیان بادشاہ کی ابتدائی زندگی کا درج ہے۔ اس کے علاوہ کتاب میں مختلف مقامات پر وہ حالات بھی تحریر کئے ہیں جو فیروز شاہ نے اپنے زمانہ میں انتظام سلطنت اور امور رفاہ خلایق کے متعلق انجام دئے تھے۔

یہ کتاب ۱۴۰۰ء میں یا اس کے بعد قریب تر زمانہ میں تصنیف ہوی اور ۱۸۹۱ء میں سلسلہ کتب ہندیہ میں شائع ہوی ہے۔ پروفیسر ڈوسن نے اس کا ترجمہ کیا ہے جو ایلیٹ کی تاریخ کی جلد سوم میں صفحہ ۲۶۹ سے صفحہ ۳۷۳ تک چھپا ہے۔

ناسولیس کا مضمون ص ۵۴۴۔ ریو جلد اول ص ۲۴۱ ایتھے ۲۱۲

لودھی اور سوری خاندان کی تاریخیں

۱۱

مخزن افغانی

تصنیف خواجہ نعمت اللہ بن حبیب اللہ ہروی

اقوام افاغنہ کی تاریخ ہے اور ۱۰۲۰ھ میں خان جہاں خاں لودہی کی فرمایش سے تصنیف ہوئی ہے۔

جہانگیر کے واقعات بیان کرنے سے پہلے مصنف نے جو تمہید لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا والد حبیب اللہ پینتیس سال تک اکبر کے دربار میں ملازم اور دفتر خالصہ میں کارگزار تھا۔ خود مصنف نے جہانگیر کے عہد میں ۱۰۱۷ھ تک وقائع نویسی اور دیگر سرکاری خدمات انجام دئے تھے۔ ۱۰۱۸ھ میں کسی وجہ سے شاہی ملازمت چھوڑ کر خان جہاں خان لودھی کا توسل پیدا کیا اور اس کی فرمایش سے ۲۰ ذی الحجہ ۱۰۲۰ھ کو علاقہ برار کے قصبہ ملکاپور میں اس کی تصنیف شروع کی اور اس میں کتب ذیل سے مضامین اخذ کئے۔

(۱) تاریخ طبری (۲) تاریخ گزیدہ (۳) تاریخ جہانگشای (۴) تاریخ شاہ شجاع

(۵) تاریخ نظام شاہی (۶) مطلع الانوار (۷) معدن الاخبار (۸) طبقات اکبری

(۹) تاریخ ابراہیم شاہی تصنیف مولانا محمد بن ابراہیم کالوانی (۱۰) تاریخ مولانا مشتاقی دہلوی
(۱۱) تاریخ شیر شاہی تصنیف شیخ عباس شروانی وغیرہ

یہ کتاب ایک مقدمہ سات ابواب اور ایک خاتمہ پر منقسم ہے۔

مقدمہ - اس میں بنی اسرائیل اور اُن کے جداعلیٰ حضرت یعقوب بن ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔

باب اول - اس میں حسب ذیل مضامین ہیں۔

ملک طالوت اور حضرت سلیمان کا تذکرہ

بیت المقدس پر بخت نصر کا تسلط اور وہاں سے بنی اسرائیل کا جلاوطن ہوکر علاقہ غور میں آنا اور یہاں سے منتقل ہوکر کوہ سلیمان اور دیار روہ میں آباد ہونا۔

باب دوم - اس میں حضرت خالد بن ولید کا تذکرہ اور اُن مختلف روایات کا بیان ہے جو اُن کی نسبت کتب تواریخ میں مذکور ہیں۔

باب سوم - اس میں لودہی خاندان کی تاریخ ہے۔

(۱) احوال سلطان بہلول دہلوی

(۲) احوال سلطان سکندر ابن بہلول لودہی

(۳) احوال سلطان ابراہیم بن سکندر لودہی

باب چہارم - اس میں سوری خاندان سوری کی تاریخ ہے۔

(۱) احوال شیر شاہ سوری

(۲) احوال اسلام شاہ بن شیر شاہ سوری

(۳) احوال فیروز شاہ بن سلیم شاہ بن شیر شاہ سوری

(۴) احوال محمد عادل شاہ

(۵) سلیمان کرانی اور اُس کے جانشینوں کے حالات

باب پنجم۔ اس میں خان جہان خاں لودہی اور اُس کے اجداد کا تذکرہ ہے۔

باب ششم۔ اس میں اقوام افاغنہ کے انساب ہیں۔

(۱) سلسلہ ترہنی کا بیان

(۲) سلسلہ تینی کا بیان

(۳) سلسلہ غرغشی کا بیان

(۴) سلسلہ کرانی کا بیان

باب ہفتم۔ اس میں سلطان نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کا تذکرہ ہے۔

خاتمہ۔ اس میں اون مشایخین اور حضرات صوفیہ کا تذکرہ ہے جو طائفہ افاغنہ سے تھے

پروفیسر ڈوران نے اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۲۹ء میں لندن میں چھپا ہے۔ ایلیٹ ہسٹری جلد ۵ ص ۲ تا ص ۶

(۱۲)

تاریخ داودی

دہلی کے سلاطین سے صرف لودہی اور سوری بادشاہوں کی تاریخ ہے۔ سلطان بہلول لودہی کے حالات سے اس کا آغاز اور سلطان داود شاہ کی وفات پر خاتمہ ہوا ہے۔

کتاب میں اس کے مصنف کا نام مذکور نہیں ہے لیکن ایلیٹ کی تحریر کے موجب ایک شخص غیر مشہور نے جس کا نام عبداللہ ہے اسے تصنیف کیا ہے۔

اس کتاب میں جہانگیر کا تذکرہ بادشاہ وقت کی حیثیت سے آیا ہے اور کئی جگہ مصنف نے طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ کا حوالہ دیا ہے اس سے یقین ہوتا ہے کہ یہ کتاب جہانگیر کے عہد میں تصنیف ہوی ہے۔

کتاب میں حسب ذیل سلاطین کا تذکرہ ہے۔

لودہی خاندان (۱) سلطان بہلول لودہی

(۲) سلطان سکندر لودہی

(۳) سلطان ابراہیم لودہی

سوری خاندان (۱) شیر شاہ بن فرید بن حسن سور

(۲) اسلام شاہ بن شیر شاہ

(۳) محمد عادل شاہ

(۴) داؤد شاہ

عادل شاہ پر سوری خاندان کی تاریخ ختم اور کرانی خاندان کی تاریخ شروع ہوتی ہے آٹھ سال کی حکومت کے بعد ۹۶۱ھ میں عادل شاہ کا انتقال ہوتا ہے اور حکومت اُس کے فرزند شیر خاں کے قبضہ میں آتی ہے۔ اس کے عہد میں سلیمان کرانی ترقی پاکر سلطنت پر تسلط حاصل کرتا ہے اور یہ خود اور اس کا فرزند دس سال تک برسر حکومت رہتے ہیں۔ پھر حکومت داؤد شاہ کے تصرف میں آتی ہے اس کے بعد داؤد شاہ کا حال مصنف نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اس کا خاتمہ اوس لڑائی پر ہوا ہے جو ۹۸۳ھ میں مغلوں اور داؤد شاہ کے مابین ہوی ہے اور جس میں داؤد شاہ مارا جاتا ہے۔ خان جہاں خاں کے حکم سے اس کا سر اکبر کے دربار میں بھیجا جاتا ہے اور کرانی خاندان کی حکومت ختم ہو جاتی ہے۔ مصنف نے اس واقعہ کی تاریخ مصرعۂ ذیل سے نکالی ہے:۔

ملک سلیمان ز داؤد رفت

ناسولیس کا مضمون ص ۲۴۷ - ایلیٹ جلد ۴ ص ۴۳۴ تا ص ۵۱۳ ریو جلد اول ص ۲۴۳

سلاطین تیموریہ کی تاریخیں

بابر (سنہ ۸۹۹ھ تا سنہ ۹۳۷ھ)

(۱۳)

تزک بابری

مترجمہ مرزا عبدالرحیم خانخاناں فرزند بہرام خاں

شہنشاہ ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ کی خود نوشتہ سوانح عمری جس کو مرزا عبدالرحیم خان خاناں نے شہنشاہ اکبر کے حکم سے سنہ ۹۹۰ھ میں ترکی زبان سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے

مرزا عبدالرحیم خان خاناں اکبر کا مشہور سپہ سالار ہے۔ ۱۴ صفر سنہ ۹۶۴ھ کو لاہور میں پیدا ہوا اور جلوس جہانگیری کے اکیسویں سال سنہ ۱۰۳۶ھ کو بہتر سال کی عمر میں انتقال کیا ذی علم آدمی تھا۔ عربی فارسی ترکی اور ہندی زبانیں خوب جانتا تھا۔ ملا عبدالباقی نہاوندی نے ماثر رحیمی کے نام سے ایک ضخیم کتاب اس کے حالات میں لکھی ہے۔ تزک جہانگیری صفحہ ۱۲۹ بلاک مین ترجمہ آئین اکبری جلد اول ص ۲۳۴ تا صفحہ ۲۳۹۔ ماثر الامرا جلد اول ص ۶۹۳ تا صفحہ ۷۱۳۔

بابر ۶ محرم ۸۸۸ھ کو پیدا ہوا اور ۵ یا ۶ جمادی الاول ۹۳۷ھ کو آگرہ میں انتقال کیا۔ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۹۱ و صفحہ ۲۱۱۔ اقبال نامہ جہانگیری جلد اول صفحہ، و صفحہ ۲۰۔

اس کی حکومت ۸۹۹ھ سے شروع ہو کر ۹۳۷ھ میں ختم ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں اس نے تین مختلف علاقوں میں حکومت کی ہے۔

بحیثیت بادشاہ فرغانہ	۸۹۹ھ	تا	۹۰۸ھ
بہ حیثیت بادشاہ کابل	۹۱۰ھ	تا	۹۳۲ھ
بہ حیثیت شہنشاہ ہندوستان	۹۳۲ھ	تا	۹۳۷ھ

تزک بابری کا آغاز ۵ رمضان ۸۹۹ھ سے ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے باپ کے مرنے پر فرغانہ میں حکمراں ہوا ہے۔ اس کے بعد ۹۱۵ھ کے خاتمہ تک مسلسل واقعات ملتے ہیں۔ ۹۱۶ھ سے ۹۳۱ھ تک وقفہ ہے یہ پندرہ سال کا وہ زمانہ ہے جو کابل میں بسر ہوا ہے اس دوران میں صرف ۹۲۵ھ کے وقائع مختصر الفاظ میں ملتے ہیں۔ ۹۳۲ھ سے کتاب کے ختم ہونے تک واقعات کا سلسلہ برابر قائم رہتا ہے۔ ہندوستان کی فتح ملک کے حالات اور قیام سلطنت کے بعد جو حوادثات پیش آئے ہیں وہ سب تفصیل سے مذکور ہیں۔

ترکی نسخہ کو المنسکی نے ۱۸۵۷ء میں قازان میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔ بیورج کی سعی و کوشش سے ایک قدیم قلمی نسخہ جو نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ میں موجود ہے عکس کے ذریعہ ۱۹۰۵ء میں سلسلہ یادگار مسٹر گب میں شائع ہوا ہے۔ فارسی ترجمہ ۱۳۰۸ھ میں بمبئی میں طبع ہوا ہے۔

اصل ترکی سے فرانسیسی میں پاویٹ دی کورٹیل نے ترجمہ کیا جو بہ مقام پیرس ۱۸۷۱ء میں شائع ہوا ہے۔ انگریزی میں بیورج نے ترجمہ کیا جو چار جلدوں میں بمقام لندن ۱۹۲۱ء میں چھپا ہے۔

فارسی ترجمہ سے انگریزی میں جان لیڈن نے ترجمہ کیا۔ ولیم ارسکن نے

اس کی اصلاح کی اور ایک مقدمہ اور بہت سے مفید حواشی کے ساتھ ۱۸۳۲ء میں چھپوایا۔ اس کے بعد سرلیوی کنگ نے اسے از سرنو ترتیب دیکر ۱۹۲۱ء میں لندن میں طبع کیا۔

ایک تیموری شاہزادے مرزا نصیر الدین حیدر نے فارسی ترجمہ سے اردو زبان میں ترجمہ کیا اور جان لیڈن کے انگریزی ترجمہ سے اس کی مطابقت کرنے کے بعد ۱۹۱۴ء میں دہلی میں طبع کرایا۔

ایلیٹ جلد چہارم ص ۲۳۲ تا ص ۳۰۷ - ریو جلد اول ص ۲۴۴ - ایتھے ۲۰۶

ہمایون (۹۳۷ھ ۹۶۳ھ)

۱۴

تذکرۃ الواقعات

تصنیف جوہر آفتاب چی

ہمایون بادشاہ کا تذکرہ جو اس کی وفات کے تیس سال بعد ۹۹۵ھ میں مرتب ہوا ہے اس کا مصنف جوہر ہمایوں کا آفتاب چی تھا۔ اور اس خدمت کو اس نے بادشاہ کی حضور میں سالہا سال انجام دیا ہے۔ ہمایوں نے اپنی حکومت کے آخر ایام میں ۹۶۲ھ کے قریب اسے ہیبت پور کا فوجدار بنا دیا تھا۔ پھر اکبر کے ابتدائی زمانہ میں ترقی کرکے پنجاب اور ملتان کا خزانہ دار ہو گیا۔ ایلیٹ جلد پنجم ص ۱۳۶ تا ص ۴۹ ا ریو جلد اول ص ۲۴۶

مولانا اللہ داد سرہندی نے جوہر کے اس تذکرہ کو اصلاح و ترمیم کے بعد از سرنو ترتیب دیکر "تاریخ ہمایونی" نام رکھا اور اس کے مضامین چار ابواب پر منقسم کئے۔

باب اول - ہمایون بادشاہ کے جلوس سے اکبر کی ولادت تک جو ۹۴۹ھ میں

میں واقع ہوی ہے۔

باب دوم - ہمایون کا شیرشاہ سے شکست پانے کے بعد شاہ طہماسپ صفوی کی ملاقات کے لئے جانب خراسان روانہ ہونا۔

باب سوم - ہمایون کا ایران سے جانب قندھار واپس ہونا۔

باب چہارم - ہمایون کا ہندوستان پر حملہ کی تیاری کرنا۔

فرشتہ نے جوہر کے تذکرہ کا نام واقعات ہمایونی لکھا ہے۔ مولانا اللہداد کا اصلاح کیا ہوا نسخہ تاریخ ہمایونی کہلاتا ہے

اسٹکس نے جوہر کے اصل نسخہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا جس کو میجر اسٹوارٹ نے اصلاح دیکر سنہ ۱۸۳۲ء میں بمقام لندن چھپوایا۔

۱۵

ہمایون نامہ

تصنیف گلبدن بیگم دختر ظہیر الدین محمد بابر شاہ

بابر اور ہمایون کا تذکرہ ہے۔ اکبر بادشاہ کی فرمایش سے گلبدن بیگم نے اسے مرتب کیا ہے ہمایون نے سنہ ۹۶۲ھ میں اپنے بھائی مرزا کامران کو بار بار کی خون ریزی اور بد عہدی سے تنگ آکر اندھا کرا دیا تھا اس واقعہ پر اس کتاب کا خاتمہ ہوا ہے۔

گلبدن بیگم جیسا کہ دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے بابر کی وفات کے وقت آٹھ سال کی تھی اس اعتبار سے سنہ ۹۲۹ھ میں اس کی ولادت ہوی اور اکبر کی تخت نشینی سنہ ۹۶۳ھ کے وقت چونتیس سال کی عمر تھی۔

سنہ ۹۴۲ھ میں اس کا عقد خواجہ خضر خان سے ہوا سنہ ۹۸۲ھ میں اپنی پھوپھی سلیمہ سلطان بیگم کے ہمراہ زیارت بیت اللہ کے لئے عازم حجاز ہوی۔ [illegible] ذی حجہ سنہ ۱۰۱۱ھ کو آگرہ

میں اس کا انتقال ہوا۔

ہمایوں نامہ چھوٹی سی کتاب ہے اسے مسز بیوریج نے سنہ ۱۹۰۲ء میں بہ مقام لندن چھپوایا ہے جس کے ساتھ انگریزی ترجمہ اور بہت سے مفید و کارآمد تاریخی اور سوانحی حواشی بھی اضافہ کئے ہیں۔

اکبر (سنہ ۹۶۳ھ – سنہ ۱۰۱۴ھ)

(۱۶)

اکبر نامہ

تصنیف شیخ ابوالفضل علامی ابن شیخ مبارک ناگوری

اکبر کے عہد حکومت کی مبسوط و مفصل تاریخ ہے۔ ابوالفضل ۶ محرم سنہ ۹۵۸ھ کو آگرہ میں پیدا ہوا۔ اور سنہ ۹۸۱ھ میں دربار میں باریاب ہوا۔ بادشاہ نے ابتدا میں دفتر انشا، اس کو تفویض کیا۔ رفتہ رفتہ ترقی کر کے عہدہ وزارت پر فائز ہوگیا۔ ۴ ربیع الاول سنہ ۱۰۱۱ھ کو شہزادہ سلیم کے ایما سے راجہ راج سنگھ نے نواح اجین میں مار ڈالا۔

ابوالفضل نے اکبر نامہ کو جلوس اکبری کے اکتالیسویں سال سنہ ۱۰۰۴ھ میں تمام کیا اس کے بعد سنہ ۱۰۱۰ھ تک اس میں واقعات اضافہ کئے اور مضامین کے لحاظ سے دو جلدوں پر منقسم کیا۔

جلد اول دفتر اول۔ اس میں امیر تیمور کے زمانہ سے ہمایوں کی وفات تک اکبر کے آبا و اجداد کا تذکرہ ہے۔

دفتر دوم اس میں اکبر کی تخت نشینی سے سترھویں سال جلوس تک واقعات ہیں

جلد دوم۔ دفتر اول۔ اس میں جلوس کے اٹھارویں سال سے چھیالیسویں

سال تک واقعات ہیں۔

منشی محمد صالح نے شاہ جہاں کے عہد میں بطور تکملہ جلد دوم کا دفتر دوم مرتب کیا ہے جس میں چھیالیسویں سال جلوس سے وفات تک واقعات ہیں لیکن یہ تکملہ مشہور و مقبول نہیں ہوا۔

اکبرنامہ سلسلہ کتب ہندیہ میں ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۷ء تک کلکتہ میں اور ۱۸۶۶ء میں لکھنؤ میں چھپا ہے۔ انگریزی میں بیورج نے ترجمہ کیا ہے۔ جو ۱۸۹۷ء سے ۱۹۲۱ء تک کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔

ایلیٹ جلد پنجم ص ۱۰۲ مارلے ص ۱۰۸ دی ساسی جلد دہم ص ۱۹۹

۱۷

آئین اکبری

تصنیف شیخ ابوالفضل علامی

اکبرنامہ کا ضمیمہ ہے۔ اس میں اکبر کے چھیالیس سالہ نظم و نسق کی تاریخ اور سلطنت کا صوبہ وار جغرافیہ تحریر ہے۔ خاتمہ میں مصنف نے اپنے حالات لکھے ہیں۔ ۱۸۵۵ء میں یہ کتاب تمام ہوی ہے۔

سرسید احمد خاں نے اس کو صحیح کر کے ۱۸۵۵ء میں غدر سے پہلے تین جلدوں میں چھپوایا تھا اور اس میں کثرت سے تاریخی اور توضیحی حواشی اضافہ کئے تھے۔ دوسری جلد غدر میں تلف ہو گئی۔ پہلی اور تیسری جلدیں کمیاب اور شاذ و نادر مل جاتی ہیں۔ بلاک مین نے سلسلہ کتب ہندیہ میں ۱۸۶۷ء سے ۱۸۷۷ء تک کلکتہ میں کامل کتاب کو چھپوایا ہے اس کے ساتھ حواشی وغیرہ نہیں ہے۔ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ سے اس کے دو اڈیشن شائع ہوے ہیں۔ پہلا اڈیشن راجہ مہندر سنگھ والی پٹیالہ کی فرمائش سے

۱۸۶۹ء میں طبع ہوا ہے۔ مرحوم سرسید کے تصحیح کردہ نسخہ کی نقل ہے۔ دوسرا ایڈیشن جو ۱۸۸۲ء میں چھپا ہے بلاک مین والے نسخہ کے مطابق ہے۔

انگریزی میں پہلے پہل فرانسس گلاڈوین نے ترجمہ کیا جو ۱۸۰۰ء میں لندن میں چھپا ہے اس کے بعد دوسرا ترجمہ تاریخی اور تنقیدی حواشی کے ساتھ سلسلہ کتب ہندیہ میں تین جلدوں میں ۱۸۶۸ء سے ۱۸۹۴ء تک بہ مقام کلکتہ طبع ہوا ہے۔ پہلی جلد کا بلاک مین نے دوسری اور تیسری جلد کا جیرٹ نے ترجمہ کیا اور ولیم اروین نے ان کا انڈکس بنایا ہے۔

۱۸

سوانح اکبری

تصنیف امیر حیدر حسینی بلگرامی

اکبر کی بہترین سوانح عمری ہے جس میں پیدائش سے جلوس کے چوبیویں سال تک (۱۵۸۰ء) واقعات مرقوم ہیں۔

اس کا مصنف مولانا غلام علی آزاد کا نبیرہ ہے اس نے شعر و سخن اور صرف و نحو کے متعلق کئی مفید و کارآمد رسالے تصنیف کئے ہیں مثلاً تحقیق الاصطلاحات منتخب الصرف منتخب النحو۔ مفتاح العروض وغیرہ

جیسا کہ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ابوالفضل علامی کے اکبرنامہ پر اس کی بنیاد قائم کی ہے اور اس کی مقفع و مسجع عبارت کو آسان زبان میں ادا کرکے اس کا اختصار کیا ہے لیکن کتب ذیل سے بھی اس کی ترتیب میں امداد لی ہے منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی۔ طبقات اکبری۔ تاریخ فرشتہ۔ اکبرنامہ شیخ الہداد فیضی مصنف مدار الافاضل یا تذکرۃ الامرا اور اس کا تکملہ۔ انشائے ابوالفضل کے چار دفتر۔

مصنف کا بیان ہے کہ ابوالفضل کے انشات میں ایسی تاریخی معلومات کثرت کے ساتھ

موجود ہیں جن کا ذکر عام تاریخی تصنیفات میں نہیں ہے اور اُن سے اکبر کے عہد حکومت پر غیر معمولی روشنی پڑتی ہے مصنف کو تعجب ہے کہ ان نشانات سے اس وقت تک کسی مصنف نے کیوں استفادہ نہیں کیا۔

یہ کتاب ولیم کرک پاٹرک کی فرمائش سے تصنیف ہوی ہے اور مصنف نے اس کا نام اس طرح لکھا "عزیز الملک مفخر الدولہ بہادر شوکت جنگ ولیم کرک پاترک" بس ولیم کرک پاٹرک بہت سی مشرقی اور ہندوستانی زبانوں کا ماہر تھا۔ لارڈ کارنوا جب میسور کی جنگ (۹۱، ۹۲ ۱۷ء) میں مصروف تھا تو کرک پاٹرک اُس کے یہاں فارسی زبان کی خدمت مترجمی پر مامور تھا اور اس نے ٹیپو سلطان کے روزنامے اور مراسلات کا فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ ۱۸۰۱ء میں ہندوستان سے ولایت چلا گیا اور ۱۸۱۲ء میں اس کا انتقال ہوا۔

بلاک مین نے آئین اکبری کے ترجمہ (جلد اول ص ۳۱۶) میں لکھا ہے کہ اہل ہندوستان نے اکبر کے متعلق جو تاریخیں لکھی ہیں ان میں ایک بہترین اور بلند پایہ کتاب ہے۔ مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے دیکھئے۔ ایلیٹ جلد ہشتم ص ۱۹۳۔ ریو جلد سوم ص ۹۳۰۔

اس کا ایک بہترین نسخہ ۱۲۰۳ھ کا لکھا ہوا بانکی پور کے کتب خانہ مشرقیہ میں موجود ہے

جہانگیر ۱۰۱۴ھ ۱۰۳۷ھ

۱۹

تورک جہانگیری

جہانگیر کا مبسوط و مفصل تذکرہ جس کو خود بادشاہ نے تحریر کیا ہے۔ تورک کے دو نسخے مروج ہیں۔ اور دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن ان کو عام طور پر بادشاہ

سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک کو سب نے بالاتفاق خود بادشاہ کی تصنیف تسلیم کیا ہے۔ اس نسخے کے واقعات تخت نشینی سے سترھویں سال جلوس تک خود بادشاہ نے قلم بند کئے ہیں۔ اس کے بعد بادشاہ کے حکم سے معتمد خاں نے سلسلہ تصنیف کو جاری رکھا اور انیسویں سال کے اوایل تک واقعات لکھے اور انھیں بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرنے کے بعد شامل کتاب کیا۔ بعد ازاں محمد شاہ بادشاہ (۱۱۳۱ھ - ۱۱۶۱ھ) کے زمانے میں مرزا محمد ہادی نے اس میں بادشاہ کی وفات تک واقعات معتبر کتابوں سے اخذ کر کے اضافہ کئے اور ابتدا میں ایک مقدمہ تحریر کیا اور اس میں ولادت سے تخت نشینی تک مختصر حالات درج کئے اس طرح یہ ایک طویل مدت میں توزک کا یہ نسخہ تکمیل پا کر اختتام کو پہنچا۔

یہ نسخہ دو جلدوں میں منقسم ہے۔ جلوس کے تیرھویں سال بادشاہ کے حکم سے بارہ سالہ واقعات ایک جلد میں ترتیب دئے گئے۔ اور اسے جلد اول قرار دیا اس کے بعد جو واقعات ضبط تحریر میں آئے وہ جلد دوم قرار پائے۔

اس مکمل نسخے کو ڈاکٹر سر سید احمد خاں نے ۱۸۶۴ء میں بہ مقام علیگڈھ چھپوایا اس کے بعد ۱۹۲۵ء میں مطبع منشی نول کشور سے اس کا دوسرا اڈیشن شایع ہوا۔ نواب ابراہیم خاں والی ٹونک کی فرمایش سے مولوی احمد علی رام پوری نے اردو میں ترجمہ کیا جو ۱۲۹۱ھ میں نظامی پریس کانپور میں چھپا ہے۔

انگریزی میں سب سے پہلے جیمس انڈرسن نے جلد اول کے بعض اقتباسات کا ترجمہ کیا جو ایشیاٹک میلینی کلکتہ بابتہ ۱۷۸۶ء جلد دوم ص ۷۱ تا ۹۷ میں شائع کئے اس کے بعد فرانسس گلائیڈ وین نے اس کے متعدد حصوں کا ترجمہ اپنی تاریخ ہندوستان جلد اول ص ۹۶ میں شامل کیا لوئی نے کامل کتاب کا ترجمہ شروع کیا جس کا کچھ حصہ ۱۸۸۹ء میں سلسلہ کتب ہندیہ میں طبع ہوا لیکن ناتمام رہ گیا۔ راجرس نے ابتداء کے دوازدہ سالہ واقعات ترجمہ کئے جس کو

بیورج نے مرتب کر کے ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۴ء تک دو جلدوں میں بمقام لندن چھپوایا۔

توزک کا دوسرا نسخہ ۱۰۲۹ھ پر تمام ہوا ہے۔ اس میں جہانگیر کی پندرہ سالہ عہد حکومت کے واقعات مذکور ہیں۔ میجر ڈیوڈ پرائس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو ۱۸۲۹ء میں اورینٹل ٹرانسلیشن فنڈ کی طرف سے لندن میں طبع ہوا ہے۔

ان دونوں کے اصلی اور غیر اصلی ہونے کی نسبت ارباب تحقیق نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ نسخہ ثانی میں چونکہ کثرت سے بعید از قیاس اور دور از کار واقعات ہیں اس لئے غلبہ آرا اس کے غیر اصلی ہونے کی تائید و توثیق کرتا ہے۔

توزک کے متعدد نام مشہور ہیں۔ مثلاً تاریخ سلیم شاہی۔ تاریخ جہانگیری۔ واقعات جہانگیری۔ کارنامہ جہانگیری۔ مقالات جہانگیری وغیرہ لیکن اس کا اصلی نام جیسا کہ خود جہانگیر نے تجویز کیا ہے۔ جہانگیر نامہ ہے۔ الیٹ جلد ششم صہ ۲۵۱ تا صہ ۳۹۱ مارلے صہ ۱۱۲

(۳۰)

اقبال نامہ جہانگیری

تصنیف محمد شریف معتمد خاں تکملہ نویس تزک جہانگیری

جہانگیر اور اس کے آباؤ اجداد کی مبسوط و مفصل تاریخ ہے۔ امیر تیمور کے عہد سے جہانگیر کی وفات تک کے واقعات ہیں۔

محمد شریف معتمد خاں جہانگیر کے مشہور امرا سے ہے۔ بادشاہ نے اپنے جلوس کے تیسرے سال معتمد خاں کے خطاب سے سرفراز کیا۔ سترہویں سال شہزادہ خرم جب دکن کی مہم پر روانہ ہوئے تو بادشاہ نے معتمد خاں کو منصب بخشی گری عطا فرما کر شاہزادے کے ساتھ روانہ کیا اور جب اس مہم سے واپس آیا تو بادشاہ تزک کا تکملہ لکھنے کے لئے مامور کیا۔ شاہجہاں نے تخت نشین ہونے کے بعد میر بخشی کا عہدہ عطا کیا۔ جلوس شاہ جہاں کے سترھویں سال ۲۶ رجب ۱۰۴۹ھ

کو اس کا انتقال ہوا۔ (عمل صالح جلد ۲ ص ۳۱۱)

معتمد خاں نے اقبال نامہ کو جلوس جہانگیری کے پندرھویں سال ۱۰۲۹ھ میں بہ مقام کشمیر مرتب و مدون کیا اس کے بعد جہانگیر کی وفات تک واقعات کو مسلسل اضافہ کرتا رہا۔

اقبال نامہ تین جلدوں میں منقسم ہے۔

جلد اول میں تیمور سے ہمایوں کی وفات تک واقعات ہیں بالخصوص ہمایون کے حالات کو خوب شرح و بسط کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

جلد دوم میں اکبر کے حالات ابتدا سے وفات تک ہیں۔

جلد سوم میں جہانگیر کی ۲۱ سالہ عہد حکومت کے واقعات ہیں۔

معتمد خاں جلد اول و دوم کو ابوالفضل علامی کے اکبر نامہ نظام الدین احمد کی طبقات اکبری اور عطا بیگ کی تاریخ اکبری سے اخذ کیا ہے جلد سوم میں اپنے مشاہدات اور چشم دید واقعات قلمبند کئے ہیں۔

اقبال نامہ کا کامل نسخہ ۱۸۷۰ء میں مطبع منشی نول کشور لکھنو میں چھپا ہے صرف جلد سوم جس میں جہانگیر کے حالات ہیں ۱۸۶۵ء میں بہ مقام کلکتہ سلسلہ کتب ہندیہ میں اور ۱۸۹۰ء میں بہ مقام لکھنو مطبع نولکشور میں چھپی ہے۔

راجہ راجیشور راو اصغر نے جلد سوم کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو کارنامہ جہانگیری کے نام سے کارخانہ پیسہ اخبار لاہور میں ۱۹۰۶ء میں چھپا ہے۔

ایلیٹ جلد ششم ص ۴۰۰۔ مارلے ص ۱۲۰ اناسولیس ص ۵۹۴ ریو جلد اول ص ۲۵۵

جلد سوم ص ۹۲۲

(۲۱)

مآثر جہانگیری

تصنیف مرزا کامگار حسینی المخاطب بہ عزت خاں

جہانگیر کی تاریخ ہے۔ جس میں یوم ولادت سے تاریخ وفات تک واقعات ہیں اس کا مصنف مرزا کامگار جہانگیر کے اہل دربار سے تھا۔ شاہجہاں نے اپنے عہد حکومت میں اس کو عزت خاں کا خطاب دیکر دہلی کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ٹھٹھہ کا صوبہ دار مقرر ہوا اور اسی جگہ ۱۰۸۰ھ میں انتقال کیا۔ مآثر الامرا میں اس کے حالات تحریر ہیں۔

مصنف نے دیباچہ میں اس کی وجہ تصنیف یہ بیان کی ہے کہ جہانگیر نے اپنے حالات میں خود ایک کتاب جہانگیر نامہ لکھی ہے۔ جس کی ابتدا تخت نشینی سے ہوی ہے اور آخری چند سال کے حالات وفات تک اس میں نہیں ہیں اس لئے مصنف نے اس کتاب کو تصنیف کیا اور اس میں جہانگیر کا مفصل تذکرہ تحریر کیا۔ دیباچہ کے بعد نسب نامہ مذکور ہے جس کی ابتداء امیر تیمور سے کی ہے۔ اس کے بعد ولادت سے تخت نشینی تک حالات ہیں۔ پھر عہد حکومت کے بائیس سالہ واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ خاتمہ میں جہانگیر کی وفات اور شاہ جہاں کی تخت نشینی کا تذکرہ ہے۔

الفاظ "نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ" سے جہانگیر کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

شاہ جہاں کے تیسرے سال جلوس میں ۱۰۴۰ھ کو یہ کتاب تمام ہوی ہے اور مآثر جہانگیری اس کا تاریخی نام ہے۔

ایلیٹ جلد ششم صہ ۴۳۹ تا صہ ۴۴۵ ناسولیس جلد سوم صہ ۴۶۱ ریو جلد اول صہ ۲۵۶

شاہجہاں سنہ ۱۰۳۷ھ سنہ ۱۰۶۹ھ

(۲۲)

بادشاہ نامہ

تصنیف مرزا محمد امین بن ابوالحسن قزوینی

شاہ جہاں کی مفصل تاریخ ہے جس میں دور اول کے دہ سالہ واقعات مذکور ہیں
اس کا مصنف جو مرزا امینائی قزوینی کے نام سے مشہور ہے ایران سے
ہندوستان میں آکر جلوس کے پانچویں سال شاہجہاں کے دربار میں ملازم ہوگیا۔ جلوس
کے آٹھویں سال جب بادشاہ نے اپنے عہد حکومت کی تاریخ لکھوانا چاہا تو اس کو درباری
مورخ قرار دیا۔

اس کتاب کی ابتدا ایک مقدمہ سے ہوی ہے جس میں شاہجہاں کی ولادت کا
بیان اور اس کا نسب نامہ جہانگیر سے امیر تیمور تک مذکور ہے۔ اس کے بعد اصل تاریخ کا
آغاز ہوتا ہے جس میں دور اول کے دہ سالہ واقعات مذکور ہیں۔ خاتمہ میں مشاہیر عہد
کا تذکرہ ہے۔

ایلیٹ جلد ہفتم ص ۱ ریو جلد اول ص ۲۵۸ مارلے ص ۱۲۱

(۲۳)

بادشاہ نامہ

شاہجہاں کے سی سالہ عہد حکومت کی مفصل تاریخ جو خود بادشاہ کے حکم سے لکھی گئی ہے
جلد اول میں پہلے دور کے دہ سالہ واقعات تخت نشینی سنہ ۱۰۳۷ھ سے سنہ ۱۰۴۷ھ

تک مذکور ہیں۔

جلد دوم میں دوسرے دور کے دہ سالہ واقعات ۱۰۴۷ھ سے ۱۰۵۷ھ تک ہیں۔

جلد سوم میں تیسرے دور کے دہ سالہ واقعات ۱۰۵۷ھ سے ۱۰۶۷ھ تک ہیں۔

پہلی دو جلدیں ملّا عبدالحمید نے لکھی ہیں یہ شخص لاہور کا باشندہ اور شیخ ابوالفضل علامی کا شاگرد تھا ۱۰۶۵ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے بادشاہ نے اکبر نامہ کی طرز پر جب اپنے عہد کی تاریخ لکھوانا چاہا تو عبدالحمید کو پٹنہ سے بلا کر اس خدمت پر مامور کیا تھا۔ ضعف و پیری کی وجہ سے عبدالحمید آخر کے دہ سالہ واقعات لکھنے سے مجبور ہو گیا تو بادشاہ نے محمد وارث کو سلسلہ جاری رکھنے کا حکم دیا۔ اس نے دور سوم کے واقعات ۱۰۵۷ھ سے ۱۰۶۷ھ تک تحریر کئے اور اُسے بادشاہ نامہ کی جلد سوم قرار دیا۔

محمد وارث ملا عبدالحمید کا شاگرد تھا اور بادشاہ نے اُسے وارث خاں کا خطاب دیا تھا اورنگ زیب عالمگیر کے تیئیسویں سال جلوس میں ۱۰ ربیع الاول ۱۰۹۱ھ کو ایک طالب علم نے قلم تراش سے زخمی کر کے اس کو مار ڈالا (مآثر عالمگیری ص ۱۹۲)

بادشاہ نامہ کا جس قدر حصہ معرض تحریر میں آتا اس پر نواب سعد اللہ خاں علامی کی اصلاح ہوا کرتی تھی۔ ۱۰۶۶ھ میں جب سعد اللہ خاں کا انتقال ہو گیا تو یہ خدمت ملا علاء الملک تونی المخاطب بہ فاضل خاں کے تفویض ہوئی۔ ایلیٹ جلد ہفتم ص ۳ تا ۷، و ص ۱۲۱ مارلے ص ۱۲۲ تا سولیس کا مضمون جلد ۳ ص ۴۶۲ ریو جلد اول ص ۲۶۰۔

بادشاہ نامہ کی پہلی دو جلدیں سلسلہ کتب ہندیہ میں بہ مقام کلکتہ ۱۸۶۶ء و ۱۸۶۸ء میں چھپ گئی ہیں۔ تیسری جلد نایاب ہے اور شاذ و نادر مل جاتی ہے اس کے دو نسخے جو خوشخط لکھے ہوئے ہیں۔ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔ فن تاریخ ص ۲۳۵

۲۴

عمل صالح

تصنیف محمد صالح کنبوہ

شاہجہاں کے عہد حکومت کی مبسوط و مفصل تاریخ ہے اور ۱۰۷۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے محمد صالح منشی عنایت اللہ مصنف بہار دانش کا چھوٹا بھائی اور عہد شاہجہاں کا مشہور مصنف ہے اس نے ایک بہترین کتاب فارسی شعر و سخن کے متعلق لکھی ہے جس کا نام بہار سخن ہے۔ پروفیسر ڈوسن نے میر صالح کشفی کو عمل صالح کا مصنف سمجھا ہے جو فارسی کا مشہور شاعر اور خطاط ہے لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ کشفی نے ۱۰۶۱ھ میں انتقال کیا اور اس کے نو سال بعد ۱۰۷۰ھ میں یہ کتاب تصنیف ہوی ہے اور اس کا مادہ تاریخ ہے "لطیفہ فیض الٰہی"

عمل صالح کا دوسرا نام شاہ جہاں نامہ ہے۔ اس کی ابتدا میں بطور مقدمہ آباؤ اجداد کے حالات بابر کے زمانہ سے شروع کئے ہیں۔ جس میں اکبر و جہانگیر کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج ہیں اس کے بعد اصل تاریخ کا آغاز ہوا ہے جس میں عہد شاہجہاں کے واقعات تخت نشینی سے اورنگ زیب عالمگیر کے آغاز حکومت تک کمال شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ خاتمہ میں اُن امرا و حکما علما اور شعرا کا تذکرہ لکھا ہے جنھیں شاہجہاں کے دربار سے تعلق رہا ہے۔

یہ کتاب سلسلہ کتب ہندیہ میں ۱۹۱۲ء سے طبع ہو رہی ہے اور اس وقت تک اس کی دو جلدیں شائع ہوی ہیں۔

ایلیٹ جلد ہفتم صد ۱۲۳ تا صد ۱۳۲ مارلے ص ۱۲۴ ناسولیس کا مضمون ص ۴۶۳

ریو جلد اول ص ۴۶۳

۲۵

شاہجہاں نامہ

تصنیف مرزا محمد طاہر آشنا المخاطب بہ عنایت خاں

شاہجہاں کے عہد حکومت کی تیس سالہ تاریخ جس میں ابتدائے جلوس سے ۱۰۶۸ھ تک واقعات ہیں۔

مصنف اس کا ظفر خاں کا فرزند اور خواجہ ابوالحسن (وفات ۱۰۴۲ھ) کا پوتا تھا۔ ابوالحسن اکبر کے زمانے میں ولائیت سے ہندوستان میں آیا اور شاہزادہ دانیال کا وزیر اور صوبہ جات دکن کا دیوان مقرر ہوا۔ جہانگیر نے اپنے زمانہ میں عہدہ وزارت اور منصب پنجہزاری سرفراز فرمایا۔

ظفر خاں جہانگیر اور شاہجہاں کے امراء عظام میں شامل تھا اور بادشاہ نے اسے کشمیر کا صوبہ دار مقرر کیا تھا۔ ۱۰۷۳ھ میں بہ مقام لاہور اس کا انتقال ہوا ہے۔ فارسی کا مشہور شاعر مرزا صائب اس کی ملاقات کے لئے ولائت سے آیا اور مدت تک اس کے دربار میں متوسل رہا۔

محمد طاہر شاہجہاں کے دوہزاری منصب داروں میں شامل تھا۔ جب اورنگ زیب برسر حکومت ہوا تو اس نے کشمیر میں گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ اور ۱۰۸۱ھ میں انتقال کیا۔ شعر وسخن سے اس کو خوب دلچسپی تھی۔ تذکرہ نویسوں نے اس کے دیوان کا ذکر کیا ہے جس میں غزلیات کے علاوہ متعدد قصائد ومثنویات بھی شامل ہیں (ماثر الامرا جلد اول ص ۳۷، جلد دوم ص ۷۶۳۔ سرو آزاد ص ۹۵ تاریخ الاذکار ص ۳۳ و ۳۴۔

محمد طاہر کا شاہجہاں نامہ اُن تاریخوں کا ملخص ہے جو شاہجہاں کے حکم سے مختلف مصنفوں نے مختلف اوقات میں تصنیف کئے ہیں اور اسی وجہ سے اس کو

تذکرہ نویسوں نے ملخص احوال سی سالہ شاہجہاں کے نام سے موسوم کیا ہے اس کا ابتدائی ماخذ محمد امین قزوینی کا بادشاہ نامہ ہے جسمیں اس نے جلوس کے چوتھے سال سے دسویں سال تک ضروری واقعات انتخاب کئے تھے پھر اس کو عبدالحمید کی تصنیف سے تطبیق دیکر بقیہ حالات کو تیس سال کے اختتام تک اس سے اور اس کے تکملہ سے نقل کیا ہے اور اس کی ابتدا میں بادشاہ کے اجداد کا مختصر تذکرہ اور پیدائش سے جلوس تک حالات اضافہ کئے ہیں۔ خاتمہ میں ہندوستان کے صوبوں کی تفصیل اور ان شہزادوں اور منصبداروں کے حالات تحریر کئے ہیں۔ جو شاہجہاں کے عہد میں گزرے ہیں۔

اس کتاب کے دیباچہ کا انگریزی ترجمہ اور بہت سے اقتباس الیٹ کی تاریخ میں شامل ہیں۔

ایلیٹ جلد ہفتم ص ۷۳ تا ۱۲۰ مارلے ص ۱۲۳ ریو جلد ا ص ۲۶۱ جلد ۳ ص ۱۰۸۳

(۲۶)

لطائف الاخبار

تصنیف محمد بدیع المخاطب بہ رشید خاں

شاہزادہ دارا شکوہ کے مہم قندھار کی مفصل تاریخ۔

دیباچہ میں یا کتاب میں کسی اور مقام پر مصنف نے اپنا نام نہیں لکھا ہے لیکن خافی خاں مورخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب محمد بدیع کی تصنیف ہے جس کا خطاب رشید خاں تھا اور وہ دیوان تھا۔ نواب مہابت خاں کا۔

(منتخب اللباب جلد اول ص ۷۲۲)

مصنف نے اس کا نام اگرچہ لطائف الاخبار رکھا ہے۔ لیکن زیادہ تر

تاریخ قندھار کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ اس کا مصنف اس مہم میں شاہزادہ کے ہمرا
رکاب تھا۔ اس لئے اس میں اس نے اپنے چشم دید واقعات تحریر کئے ہیں۔
اس کے مضامین تین مختلف عنوانوں کے تحت میں مذکور ہیں۔

اولاً وہ واقعات جو داراشکوہ کی مہم سے پہلے گزرے ہیں مثلاً ازبکوں کا
حملہ قندھار پر۔ نذر محمد خاں والی توران کے زیر کمان۔ شاہزادہ مراد اور
اورنگ زیب کا حملہ قندھار پر۔ داراشکوہ کا جانب قندھار روانہ ہونا

ثانیاً۔ داراشکوہ کی مہم کا روزنامچہ۔ ا رجمادی الثانی ۱۰۶۳ھ سے ۱۵ ذی قعدہ
۱۰۶۳ھ تک۔

ثالثاً۔ داراشکوہ کا مہم قندھار سے واپس ہونا اور ۹ ذی القعدہ ۱۰۶۳ھ کو کچھ
عرصہ کے لئے ملتان میں قیام کرنا۔

خافی خاں جلد اول ص ۷۲۲، ریو جلد اول ص ۲۰۴۔ ایتھے ۳۳۸، ۳۳۹

اورنگ زیب عالمگیر ۱۰۶۷ھ ۱۱۱۸ھ

۲۷

عالمگیر نامہ

تصنیف مرزا محمد کاظم بن محمد امین قزوینی

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سلطنت کی دہ سالہ تاریخ جس میں ۱۰۶۷ھ سے ۱۰۷۷ھ
تک واقعات مذکور ہیں۔

مرزا کاظم کا باپ محمد امین جو زیادہ تر امینائی قزوینی کی نام سے مشہور ہے۔ شاہجہاں
کے اہل دربار سے تھا اور اس نے شاہجہاں کے پہلے دہ سالہ عہد حکومت کی تاریخ بھی لکھی ہے

جو بادشاہ نامہ کے نام سے مشہور ہے (دیکھو نمبر ۲۲)
مرزا کاظم کو شاہجہاں نے اورنگ زیب کا اتالیق مقرر کیا تھا اورنگ زیب
جب برسر حکومت ہوا تو دفتر انشا اس کے تفویض کیا اور اپنے عہد کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا
مرزا کاظم نے آغاز حکومت سے ۱۰۷۸ھ تک دس سال کے حالات قلم بند کئے اور انھیں
جلوس کے بیسویں سال بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا لیکن بادشاہ کے نزدیک آثار ظاہر
پر بنائے باطن کی تاسیس مقدم تھی اس لئے مرزا کو منع کر دیا کہ آئندہ تحریر تاریخ کا سلسلہ
جاری نہ رکھے (مآثر عالمگیری ص ۶۸) اور اس خدمت سے ہٹا کر ۲۱ جلوس ۱۰۸۹ھ میں
اسے اجتماع خانہ کا داروغہ مقرر کر دیا (مآثر ص ۱۶۳) اس واقعہ کے دو سال بعد ۲۳ جلوس
(۱۰۹۱ھ) میں اس کا انتقال ہوگیا۔

عالمگیر نامہ ۱۸۷۳ء میں سلسلہ کتب ہندیہ میں بمقام کلکتہ چھپ گیا ہے۔
ریو جلد اول ص ۲۶۶۔ ایلیٹ جلد ہفتم ص ۱۷۴ تا ص ۱۸۰ ناسولیس جلد دوم ص ۲۱
ریو جلد سوم ص ۱۰۸۳ نے تاریخ محمدی کے حوالہ سے مرزا کاظم کا ۱۰۹۲ھ / ۱۶۸۱ء وفات
لکھا ہے لیکن یہ غلطی ہے۔

۲۸

تاریخ آشام

تصنیف شہاب الدین طالش

میر جملہ میر محمد سعید اردستانی المخاطب بہ خان خاناں معظم خاں والی بنگالہ کے
فتوحات وسوانحات آشام و کوچ و بہار کی تاریخ ہے جو اورنگ زیب عالمگیر کے چوتھے
اور پانچویں سال جلوس میں ۱۰۷۲ھ اور ۱۰۷۳ھ کے مابین واقع ہوئے ہیں۔
اس کا مصنف شہاب الدین طالش شاہی منصبداروں سے تھا بادشاہ نے

اسے بنگالہ میں تعینات کیا تھا اور میر جملہ کی مہمات میں یہ بھی بذات خود شریک تھا اس نے
اپنے ذاتی مشاہدات کی بنا پر یہ کتاب تصنیف کی اور اس کا نام فتحیہ عبریہ رکھا اس کے واقعات
میر جملہ کی وفات پر ختم ہوئے ہیں جو ۲ رمضان سنہ ۱۰۷۳ھ کو خضر پور میں واقع ہوئی ہے
اور اس کے اڑتالیس ایام بعد ۲۰ شوال سنہ ۱۰۷۳ھ کو مصنف نے اس کی تصنیف سے فراغت
حاصل کیا ہے۔

تاریخ آشام سنہ ۱۲۶۲ھ میں بہ مقام کلکتہ مطبع آفتاب عالم تاب میں چھپی ہے۔ ڈاکٹر
جان گل کرسٹ کی فرمائش سے فورٹ ولیم کالج کے لئے میر بہادر علی حسینی نے اس کا اردو
میں ترجمہ کیا ہے جو سنہ ۱۸۰۵ء میں بہ مقام کلکتہ طبع ہوا ہے اور اس اردو کا فرینچ ترجمہ سنہ ۱۸۴۵ء
میں پیرس میں چھپا ہے۔

ایلیٹ جلد ہفتم ص ۱۹۹ و ۲۶۵ تا ص ۲۶۹۔ دی ٹاسی جلد اول ص ۲۳۳۔ ریو
جلد اول ص ۲۶۶

(۲۹)

وقائع گولکنڈہ

تصنیف نورالدین مرزا محمد شیرازی المخاطب بہ نعمت خان عالی

اورنگ زیب عالمگیر نے سنہ ۱۰۹۷ھ میں قلعہ گولکنڈہ کا جو محاصرہ کیا تھا اس کے
بعض حالات و واقعات اس میں مذکور ہیں۔

مصنف کا نام نورالدین محمد ہے اس کے اجداد شیراز کے رہنے والے تھے اور خود
اس کی ولادت ہندوستان میں ہوئی تھی۔ اورنگ زیب کا درباری ملازم تھا سنہ ۱۰۹۲ھ
میں بادشاہ نے اسے باورچی خانہ کا داروغہ بنا کر نعمت خاں کا خطاب دیا اس کے چند
سال بعد اپنی حکومت کے اخیر ایام میں مقرب خاں کا خطاب سرفراز کر کے داروغہ جواہر خانہ

بنا دیا۔ عالمگیر کی وفات کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ نے اعظم شاہ پر فتح حاصل کر کے سلطنت پر تسلط حاصل کیا تو اسے دانشمند خاں کا خطاب دیکر مقرب خاص مقرر کیا اور اپنے عہد سلطنت کی تاریخ نویسی اس کے تفویض کی۔ ۱۱۲۱ھ میں اس نے انتقال کیا اور بہ مقام حیدر آباد دائرہ میر محمد مومن استر آبادی میں مدفون ہوا۔ سرو آزاد ص ۱۳۶ نتائج الافکار ص ۲۹۹۔ گلزار آصفیہ ص ۶۱۲

وقائع گولکنڈہ بمبئی لکھنو، کانپور میں کئی بار چھپا ہے اور وقائع نعمت خان عالی کے نام سے مشہور ہے۔ خافی خاں نے اپنی تاریخ میں فتح گولکنڈہ کے واقعات بیان کرتے ہوے اس کا اقتباس بھی نقل کیا ہے۔ دیکھو منتخب اللباب جلد دوم ص ۳۳۱ تا ص ۳۶

۳۰

واقعات عالمگیری

تصنیف میر محمد عسکری عاقل خاں رازی

اورنگ زیب کے عہد حکومت کے ابتدائی پنج سالہ واقعات۔ داراشکوہ، شجاع۔ مراد اور اورنگ زیب کی باہمی خانہ جنگیاں۔ ابتدا میں ولادت کا حال۔ آخر میں شاہ جہاں کے انتقال کی کیفیت بھی درج ہے۔

عاقل خاں اورنگ زیب کا مشہور امیر ہے اس کے اجداد خواف علاقہ خراسان کے رہنے والے تھے خود اس کی ولادت اورنگ آباد میں ہوئی ہے۔ شیخ برہان الدین راز الٰہی کا مرید تھا اسی لئے رازی تخلص کیا کرتا تھا۔ ۱۱۰۸ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے فارسی نظم ونثر میں اس نے متعدد تصنیفات چھوڑی ہیں۔ پدماوت اور مدمالتی کے عاشقانہ حکایات کو شمع وپروانہ اور مہر وماہ کے نام سے منظوم کیا ہے۔ اپنے مرشد کے ملفوظات ثمرات الحیات کے نام سے جمع کئے ہیں۔ مفصل حالات کے لئے دیکھئے۔ ماثر عالمگیری ص ۳۸۳۔ ماثر الامراء

جلد ۲ ص ۸۲۱ ۔ مراۃ الخیال ص ۲۳۸ ۔ نتائج الافکار ص ۱۸۱

یہ کتاب مختلف ناموں سے مشہور ہے۔ ظفر نامہ عالمگیری ۔ وقائع عالمگیری ۔ واقعات عالمگیری وغیرہ لیکن اس کا صحیح نام جیسا کہ مورخ خافی خاں نے لکھا ہے ۔ واقعات عالمگیری ہے

منتخب اللباب جلد دوم ص ۲۳ ۔ ریو جلد اول ص ۲۶

مآثر عالمگیری

تصنیف محمد ساقی مستعد خاں

اورنگ زیب کے عہد سلطنت کی چہل سالہ تاریخ ۔ گیارہویں سال جلوس (۱۰۷۸ھ) سے وفات (۱۱۱۸ھ) تک

مستعد خاں ۔ نواب عنایت اللہ خاں کا منشی تھا۔ اپنے آقا کی فرمائش سے شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد حکومت میں ۱۱۲۲ھ کے قریب اسے مرتب و مدون کیا۔ اور تخت نشینی سے دسویں سال جلوس تک جو واقعات گزرے ہیں انھیں ملا محمد کاظم کے عالمگیر نامہ سے انتخاب کر کے مقدمہ کے طور پر ابتدا میں شامل کیا ہے ۔

عنایت اللہ خاں اورنگ زیب کا امیر اور معتمد خاص تھا۔ بادشاہ نے اس کی وساطت سے جو احکام اعیان و امرا کے نام صادر کئے تھے ان کو اس نے احکام عالمگیری کے نام سے جمع کئے ہیں اور جو شقے خود بادشاہ نے اپنے قلم خاص سے لکھے تھے ان کا ایک مجموعہ مرتب کر کے اسے کلمات طیبات کے نام سے موسوم کیا ہے ۔ ۱۱۳۹ھ میں بعہد حکومت محمد شاہ بادشاہ اس نے وفات پائی ہے ۔ مآثر الامرا جلد ۲ ص ۸۲۸

مآثر عالمگیری سلسلہ کتب ہندیہ میں ۱۸۷۱ء میں بہ مقام کلکتہ چھپ گئی ہے ۔

ایلیٹ جلد ۷ ص ۱۸۱ تا ص ۱۹۷ ۔ مارلے ص ۱۲۷ ریو جلد ۱ ص ۲۷۰

دکن میں مسلمان

آٹھویں صدی ہجری تک

نمبر ۲

از مولوی سید حسن صاحب برنی بی اے ال ال بی (علیگ) ایڈوکیٹ

مسلمانوں سے پہلے ہندوستان کی کوئی تاریخ موجود نہیں ہے اور یہ دقت ہر ملک کے ہر حصے کی قدیم تاریخ مرتب کرنے میں پیش آتی ہے لیکن دکن کے ہندو عہد کی تاریخ کی حالت اور بھی ناگفتہ بہ ہے۔ بقول فرگسن، "دکن کے شمال و جنوب کو چھوڑ کر جب ہم جنوب کے حصوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اگر شمالی ہندوستان کی تاریخ کے واقعات ناقابل اطمینان و ناقابل اعتماد ہیں تو اس جزیرہ نما کے جنوبی حصے کے حالات اس سے بھی زیادہ غیر معلوم اور غیر معتبر ہیں۔ کرشنا اور تنگبھدرا کے جنوب میں تامل دیس ہے۔ اس ملک کے قدیم ترین باشندے تامل کہلاتے ہیں جنھیں سنسکرت میں دراوڑی کہتے ہیں ان کے یہاں وید کی طرح کوئی قدیم ادبی یادگار نہیں ہے نہ ایسی روایات ہی متداول ہیں جن سے معلوم ہوسکے کہ اس نسل کا اصلی مرز بوم کہاں تھا یا دنیا کی کس قوم سے ان کا پیوند ملتا ہے۔"

ڈاکٹر کالڈول کا جو دراوڑی قوم کے ادب اور تاریخ سے نہایت عمدہ طور پر

واقف ہیں بیان ہے کہ تامل بلکہ تمام جنوبی زبانوں میں سب سے پورانی کتاب آٹھویں نویں صدی عیسوی سے پہلے کی نہیں ہے۔ یہ کتاب بھی جینیوں کی لکھی ہوی ہے جو شمالی ہند سے آئے تھے۔ قدیم زمانہ میں یہاں سکہ کا رواج نہ تھا اور اگرچہ کیتبے بکثرت ہیں لیکن کوئی پانچویں چھٹی صدی سے پہلے کا نہیں ہے۔ یہ قوم اپنے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی کہ وہ اس ملک کے اصلی باشندے ہیں اور اُن کی نسل کا بھی یہی گھوارہ ہے۔ البتہ یہ روایت ان لوگوں میں زبان زد ہے کہ اُن کے سب سے مشہور سلاطین یعنی پانڈیوں کا مورث اعلیٰ جنگ مہابھارت کا نامی گرامی بہادر ارجن تھا جس نے دوران سیاحت میں ایک دراوڑی شاہزادی سے شادی کرلی تھی جس کے بطن سے پانڈی نامی شاہزادہ ہوا جو پانڈیوں کے خاندان کا بانی تھا (دیکھو کالڈول کی کتاب تینولی ص ۱۲-۱۳۔

شمالی ہند کے آثار عتیقہ میں سب سے قدیم ذکر پانڈیوں کا اشوک کے ایک کتبہ میں پایا جاتا ہے جو تقریباً ۲۵۰ء قبل مسیح کا ہے۔ یونانی سفیر میگستانیز نے جو سلیوقس کی طرف سے چندرگپت کے دربار میں بمقام پاٹلی پتر ۳۰۲ء قبل مسیح مقیم تھا۔ پانڈیا ملک کا ذکر کیا ہے اور بطلیموس اور بعض دیگر یونانی مصنفوں نے بھی پانڈیوں کے ملک کا جس کا دارالحکومت مودورا (مدرا) اور جہاں کے راجا کا لقب بھی پانڈیون تھا ذکر کیا ہے۔ مصر فتح کے بعد رُومی اس ملک میں تجارت کے لئے آئے تھے اور سب سے قدیم رومی سکے جو اُس ملک میں پائے جاتے ہیں قیصر اعظم اور قیصر نیرو کے عہد کے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بحری تجارت کی بدولت رومیوں سے پانڈیوں کے نہایت دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے تھے چنانچہ اسٹرابو (۲۰ء) نے لکھا ہے کہ قیصر اعظم کے دربار میں پانڈیوں کی جانب سے ایک سفارت پہونچی تھی (دیکھو کالڈول کی تنولی ص ۱۲-۲۳)

خود یہاں کے ملکی باشندوں تامل کا جنھیں سنسکرت میں دراوڑی کہا جاتا ہے

بیان ہے کہ قدیم الایام میں وہ تین حصوں پر منقسم ہو گئے تھے جن کے نام چیران، چولان اور پانڈی تھے۔ ان کا قول ہے کہ چیران چولان پانڈیان تین بھائی تھے جو کرکئی ہیں نام ایرنی ندی کے دہانے پر ایک ساتھ راج کرتے تھے۔ آخر کار تینوں بھائی جدا ہو گئے اور انھوں نے جدا جدا حکومتیں قایم کرلیں۔ چیران اور چولان نے تو جنوب اقصیٰ سے بڑھ کر شمال و مغرب میں اپنی اپنی حکومتوں کی بنا ڈالی۔ اور پانڈیوں کے قبضے میں قدیم موروثی ملک رہا

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل ملک کے نزدیک تامل (دراوڑی) یا پانڈی راجا سب سے زیادہ سربرآوردہ اور موقر سمجھے جاتے تھے۔ تاریخی تحقیقات سے بھی اس بیان کی کافی طور پر تائید ہوتی ہے۔ اگرچہ ایک زمانہ میں چولان کو جن کا مرکز حکومت کاویری ندی کے کنارے پر تھا اور دوسرے عہد میں چیران کو جس کی حکومت میسور کے جنوب میں واقع تھی تمام دکن میں تسلط اور غلبہ حاصل ہوا اور دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے زمانہ میں اناولاغیری کا ڈنکہ بجایا لیکن باوجود اس کے کہ پانڈیوں کی حکومت چیران و چولان کے زمانہ تسلط میں جنوب اقصیٰ میں محدود و ضعیف ہو کر رہ گئی تھی کبھی معدوم نہیں ہوی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں حکومتوں میں شروع سے بالا دستی کے لیے نبرد آزمائی رہتی تھی۔

تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ چولادیس (چولہ منڈلم) کی وسعت شمال میں پنار ندی، جنوب میں ولار ندی اور مغرب میں کورگ تھی یعنی وہ مشرقی ساحل کارومنڈل پر نیلور سے لیکر پڈوکوٹہ تک پھیلا ہوا تھا اور اُس کا دار السلطنت اُریُر یا قدیم ترچناپلی تھا۔ چیرا کے ملک میں جنوبی ساحل ملابار تھا جس میں ضلع ملابار کے علاوہ ٹراونکور و کوچین کے موجودہ علاقے بھی شامل تھے۔ دسویں صدی عیسوی کے اخیر میں چولا راجہ راجراجا نے تمام جنوبی دکن پر تسلط حاصل کر لیا اور پانڈی راجہ محض باجگذار رہ گئے تھے۔ یہ تسلط

دو سو برس سے زیادہ تک باقی رہا لیکن بارھویں صدی کے نصف اول میں پانڈیوں کا ستارۂ اقبال پھر چمکا اور جنوبی دکن کا غالب حصہ اُس وقت تک اُن کے قبضہ میں رہا جب تک کہ علائی افواج نے حدب شمالی کو پامال کرکے انھیں بے دخل نہیں کردیا معلوم ہوتا ہے کہ پانڈی خاندان کے باقیماندہ دعویدار ٹراونکور کے گوشے میں پناہ گزیں ہوگئے اور اُس وقت تک از دست رفتہ اراضی پر منظر عمل پر نمودار نہیں ہوئے جب تک کہ بیجانگر کی باعظمت ہندو سلطنت قائم نہیں ہوئی۔ بیجانگر کی مدد سے انھوں نے مسلمانوں پر فتح پائی اور چودھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں کھویا ہوا راج برائے نام دوبارہ ہاتھ آیا۔ کم وبیش دو سو برس تک اُن کی حکومت بیجانگر کے ماتحت اُن کے آبائی دارالسلطنت مدورا میں برقرار رہی لیکن سولھویں صدی عیسوی کے وسط میں خاندانی نزاع کے باعث بیجانگر کے ایک عامل نے اخیر پانڈی راجہ کو بے دخل کرکے اس قدیم خاندان کا خاتمہ کردیا۔

ولادت مسیح سے کم از کم چار سو برس پہلے سے پانڈیوں کے راج کا سُراغ لگتا ہے اور سولھویں صدی عیسوی کے اخیر تک اُن کے گھرانے میں حکومت پائی جاتی ہے۔ اسطرح دو ہزار برس سے زیادہ اس خاندان کے وُرثا تخت وتاج کے مالک رہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں اس قدر مدت مدید تک کسی خاندان نے حکومت نہیں کی، بلکہ دنیا کی تاریخ میں شاید ہی کسی ایک خاندان کی ایسی طویل ومدید اقتدار کی مثال دستیاب ہوسکے۔

جس وقت علائی لشکر مشرقی گھاٹ کے دروں سے جنوب اقصیٰ کے میدانوں میں اُترا اُن کے سامنے اسی قدیم خاندان کے وارثوں کا ملک تھا جسے مسلمان "معبر" کہتے تھے اور جس کا رقبۂ حکومت جنوبی ٹراونکور کی حدود سے لے کر نیلور کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا اور بارھویں صدی عیسوی کے نصف اول میں جو تسلط پانڈیوں کو حاصل ہوا تھا ہنوز برقرار تھا لیکن معبر کی سلطنت کے زوال کا وقت آچکا تھا۔ جس حریف کے لیے تمام سلطنت کی مجتمعہ قوت بھی بمشکل کافی ہوسکتی تھی اُسی میدان میں وراثت کے

مدعی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے باہم شمشیر آزما دکھائی دیے جو بالآخر فتحمند وکامیاب دشمن کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر اپنی جانیں بچانے کے لئے قلعوں کی بجائے گنجان اور تیرہ و تار جنگلوں میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہو گئے۔

علاءالدین کی افواج کے معبر پر حملہ آور ہونے سے پندرہ بیس سال پہلے تک کے مستند سیاسی حالات وصّاف کی تاریخ اور مارکوپولو کے سفرنامہ سے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان حالات سے محققین حال نے ایک سے زیادہ تاریخی مُعمّے پیدا کر لیئے ہیں جن کی عقدہ کشائی میں بہت کچھ سرگردانی کے بعد انھوں نے اپنی معذوری ظاہر کی ہے۔ آگے چل کر ہم اُن تاریخی عقدوں اور پھر اُن کے وجوہات کی طرف جن کے باعث اُن کے حل کرنے میں اتنی تاخیر ہوی اشارہ کرینگے۔

مارکوپولو (۱۲۵۴ء تا ۱۳۲۴ء) معبر کے ملک میں ۱۲۹۲ء کے قریبی زمانہ میں پہونچا تھا اُس نے معبر کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس زمانہ میں معبر میں چار راجہ تھے جس میں سندرپنڈی سب سے بڑا راجہ تھا۔

وصّاف معبر کے حالات اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"ایشاں بادشاہ خود را دیور گویند و معبر است این لفظ بمعنی خداوند دولت و دریں چند سال دیور سندر پنڈی بود و سہ برادر داشت۔ ہر یک بر طرفے استیلا یافتہ و ملک معظم بزبان الہندی تقی الدین عبدالرحمٰن بن محمد الطیبی مُدتہا دراں طرف بر طرف ..... نائب وزیر و مشیر و صاحب تدبیر بودٗ و فتن وملی فتن و قایل کہ ہنوز بذکر خطۂ او قایل است و با وجود او قابل فتن نہ بروزی ارزانی داشتہ و نوبت سہ گانہ دریں مواضع بر تب و مزیت کامگاری روز بروز موفر و مقرر گردانیدہ کہ ہر سال ہزار و چہار صد سر عتاق

جیاد . . . . . از خاصه ملک اسلام جمال الدین و تجار در جزیره قیس نول کرده
به معبر رسانند و چندانکه دست دهد از سائر جزایر فارس و قطیف و لحا و بحرین
و هرموز و قلهات و غیره معهود باشد که نول کنند و هر اک سر اسپ بارویت
و بیست و نیاز رسم نرخ قیمت معین شده از قدیم باز به شرائط آنکه اگر منایف
تجار آفتے شد یا چند سر سقط شود عوض آن بر خزاین پادشاه واجب
باشد و از معتبران روایت است که در عهد اتابک ابوبکر هر سال ده هزار سر از ین موضع
به معبر و کنبایت و آن حدود فرستادند و بہاے آن که دو هزار هزار و دو
بست هزار دینار باشد اکثر آن از فاضلات حاصلات موقوفات بتخانه
و تمغائے جوار که وقف اند بر کنایس و معابد آن . . . . . حوالت
رفتے که بوصول اموال خزانه هیچ تعلق نداشتے
. . . . . و در شهور (۶۹۲ھ) سنه اثنی و تسعین و ستمایه دیور از مملکت
معبر به معبر فنا گذر کرد و خزاین عالم باقی گذاشت ـ از ملک اسلام جمال الدین
روایت است هفت هزار سر گاو محمول جواهر آبدار و زر ساده و سیم ناب
به برادر شش رسید و قایم مقام گشت و بر قاعده مالوف ملک اعظم تقی الدین
نائب و مستشار و حاکم آن دیار شد و الحبت و رفعت و اهبت و حشمت
یکے هزار باد چه بود ایں مکانت تجارت در امارت که مثل عارت گفته اند
تا حدیے که بضاعات اقصی چین و بلاد سند بعد از انتهاز فرض چوں
بفرض معبر آوردند تا وکلا و گماشتگان او نخواهند هیچ خریدار خواستگار
بیع و شراء نتوانند بود و چون نفایس و بضایع حاصل شد بحمها زات
خاصه و تجار اطراف و تواخذ یا به دولت خانه قیس فرستند ـ آنجا
نیز هیچ آفریں را رخصت نباشد که معامله کنند تا نواب ملک اسلام انتخاب

اجناس کنند و برحسب اختیار قماس بدیع آورند۔ پس ازاں ہرچہ
لائق معاملہ فرضہ دانند طوائف تجّار را اجازۂ خریدن دہند وبواقی را
بر شکم دپشت سفائن و دواب بجزائر بحر وبلاد شرق وغرب فرستند
وباثمان آں ازاں مواضع بضاعت واصناف قماشات کہ ملائم ایں
دیار باشد محمول سازند۔ و مہاجرت ومعاملت بدیں وجہ کہ بازارگانی
بضاعات از اقصائے چین بیاورد در منتہائے مغرب صرف کند
درجہاں نشاں نداوہ اند۔
وچوں علو قدر ونباہت ذکر ونفاذ امر وبسطت احتشام ملک
اسلام جمال الدین و ملک اعظم تقی الدین در اکثر بلاد ہند باصنعات
ایں دیار است، ہمیشہ ملوک آں طرف بہ موالات ایشاں متعاضد ومتظاہر
بودہ اند" (وصاف جلد سوم صفحہ ۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳)

اس اقتباس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معبر میں ۶۹۲ھ سے پہلے چار بھائی
راج کرتے تھے جن میں سندر پنڈی سب سے مشہور تھا۔ سندر پنڈی کا ۶۹۲ھ میں انتقال ہوا
اور اُس کا جانشین اس کا بھائی ہوا۔ سندر پنڈی اور اُس کے جانشین کا وزیر ایک مسلمان
تھا جس کا پورا نام ملک اعظم مرزبان الہندی تقی الدین عبدالرحمٰن بن محمد الطیبی کے تھا۔
اُس کی جائداد میں معبر کے بہترین بندرگاہ قایل فتن اور ملی فتن بنے ہوئے تھے۔
سلطنت کے لیئے گھوڑوں کی خریداری اور ملک کی تمام تجارت درآمد وبرآمد کا انتظام اسکے
سپرد تھا۔ ملک معبر میں ملک اعظم تقی الدین اور خلیج فارس میں جزیرۂ قیس میں ملک
اسلام جمال الدین کی نگرانی میں اس عہد کی بحری تجارت تھی جس کی دائرہ میں اس زمانہ کی
مہذب دنیا کے مشرق ومغرب داخل تھے اور (بقول وصاف) اپنی وسعت کے لحاظ سے
اپنی آپ ہی نظیر تھی۔ جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت تھی، لیکن جس ملک

(یعنی معبر) کو دنیا ہندوستان کی کنجی سمجھتی تھی اس کی ساری تجارت کے مسلمان مالک تھے اور اسی وجہ سے وہ اسے ہندوستان کی کنجی سمجھتے تھے۔ ساڑھے پانسو برس بعد ہندوستان کی اس کنجی کے لیے فرانسیسی اور انگریزی تاجروں میں نبرد آزمائی ہوی اور ہندوستان میں انگریزی راج کی پہلی اینٹ اسی کرناٹک دیس میں رکھی گئی۔ جسے مسلمان تاجر معبر کہتے تھے۔

آگے چل کر وصاف لکھتا

در آخر شہور سنہ ۔۔۔ شیخ الاسلام جلال الدین ...... متوجہ حضرت جہان پناہ شد .... چنداں کہ ارکان حضرت برتقلد حکومت ممالک فارس .... واعتناق امور مدینۃ الاسلام .... ترغیب وتبشیط کردند آستین استعفا بر چہرہ عقیلہ ملکت زد .... وعازم دولت خانہ کیش شدند

ودر اوایل ایں سال ملک اعظم مرزبان الہند تقی الدین عبدالرحمن الطیبی ...... بازاے آنکہ سالہا در پناہ نباہت ذکر و وجاہت قدر و اتساع عرصۂ ثروت واستمتاع بمتاع غرور گذرانیدہ بود۔ از مملکت ہند بر معبر فنا گذر کردہ بہ ارائک فردوس خرامید وذلک فی شہور سنہ اثنین وسبعمائۃ ....

پادشاہ معبر برمآل بعادت رعوایت معہود و طریق ضلالت مشہود خواست کہ برمال ومخلفات او دست اغتصاب دراز کند ملک معظم سراج الدین ابن شیخ الاسلام جلال الدین کرد تالیف وتالّف خواطر پیوستگان برآمد ودو دوبست ہزار دینار زر التزام کرد، تا ازیں خطاب بانکال نکول کرد۔ ومنصب ملک ماضی تقی الدین بر ملک سراج الدین مقرر داشت ص ۵۰۵

اس اقتباس میں مورخ کے بیان میں ایک خفیف سا اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ سنہ ۷۰۳ھ کے واقعات میں لکھتا ہے کہ شیخ الاسلام جمال الدین کو مغل بادشاہ (الجایتو قاآن) نے ہر چند ممالک فارس و بغداد کی حکومت سپرد کرنی چاہی لیکن اس نے قبول نہ کی اور جزیرہ کیش کو چھوڑنا اور اپنی بے مثل تجارتی کاروبار کو ترک کرنا پسند نہ کیا۔ اسی سال کے کسی مہینہ میں سلطان اعظم تقی الدین (مرزبان الہند) کا انتقال ہو گیا پھر دو ہی سطروں بعد انتقال کی تاریخ ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

وذلک فی شهور اثنين وسبع مائة یعنی سنہ ۷۰۲ھ

بہرحال سنہ ۷۰۱ھ کے اخیر یا سنہ ۷۰۲ھ کے اوائل میں ملک تقی الدین وزیر معبر کا انتقال ہو گیا اُس وقت راجا بربال تھا۔ اُس نے چاہا کہ اُس کی متروکہ جائداد و مال و منال پر تصرف کر لے لیکن جمال الدین کے لڑکے سراج الدین نے بیس ہزار اشرفیاں دیکر راجا کو راضی کر دیا۔ اور راجہ نے پچھلے وزیر کا منصب سراج الدین کو مرحمت کیا

ناظرین نے وصاف کے بیانات سے یہ تو معلوم کر لیا ہو گا کہ جمال الدین اور تقی الدین میں تجارتی تعلقات کے علاوہ کوئی دوسرا تعلق بھی تھا۔ اصل یہ ہے کہ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور سراج الدین جمال الدین کا بیٹا اور تقی الدین کا بھتیجہ تھا یہ نامور خاندان مدنی تھا اور اُس کے افراد فارس کی اس عہد کی تاریخ میں بہت مشہور ہیں۔ وصاف نے جابجا جمال الدین اور اس کے اہل خاندان کا ذکر کیا ہے (دیکھو صفحہ ۳۰۳ و ۴۰۴ و ۵۰۵ و ۵۰۷ و ۶۴۷) اور سب سے زیادہ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خود وصاف بھی اس خاندان سے وابستہ تھا یہی وجہ ہے کہ اُس کی تاریخ میں جابجا معبر کے حالات درج ہیں جن سے اس ملک کی تاریخ کے متعلق بہترین معلومات دستیاب ہوتی ہیں جو براہ راست جمال الدین اور دیگر باخبر اصحاب سے حاصل کی گئی تھیں، مثلاً اوپر کے اقتباس میں مورخ نے براہ راست جمال الدین سے روایت

کی ہے۔ وصّاف لکھتا ہے

"چوں علو قدر و نباہت ذکر و نفاذ امر و سطوت احتشام ملک اسلام
جمال الدین و ملک اعظم تقی الدین در اکثر بلاد ہند با ضعاف ایں دیار است
ہمیشہ ملوک آں اطراف بہ موالات ایشاں متعاصد و متظاہر بودہ اند و رسل
و مراسلات در اثنائے ملتمسات و مقترحات متواتر داشتہ۔ ایں مکتوب
در شہور سنہ سبع مائۃ (سنہ ۷۰۰ھ) از زبان ملک اعظم فخر الدین احمد بن ابراہیم
بہ جناب سلطان علی بن شہر یار الدین موید در جواب تقفیٰ اشکرہ و سپارش
طائفہ از معتمدان او در مدینۃ السلام (بغداد) کاتب را اتفاق انشا افتاد"

فخر الدین حسن کا ذکر اس اقتباس میں پایا جاتا ہے۔ جمال الدین کا لڑکا تھا وہ ۶۹۶ھ
میں چین کی سفارت پر نامزد ہو گیا تھا واپسی میں جب معبر سے صرف دو دن کی مسافت
رہ گئی تھی اس کا انتقال ہو گیا اور اس کی قبر ملک معبر میں اس کے چچا کے مرقد کے قریب بنی
۷۰۰ھ میں جب باپ کو اس کی وفات کی خبر پہنچی تو اس نے بڑے صبر سے کام لیا۔
(وصاف ص ۵۰۷) اواخر ۷۰۰ھ میں جمال الدین کو کیش سے بلا کر مملکت شیراز سپرد ہوئی
وہاں سخت بدنظمی پھیلی ہوئی تھی لیکن جمال الدین کی حسن لیاقت سے چند ہی روز میں
خاطر خواہ انتظام ہو گیا۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ۷۰۰ھ میں جمال الدین کا بھی
انتقال ہو گیا۔ (ص ۵۰۷)

مسلمان وزرائے معبر جنہوں نے دکن کی ہندو سلطنت میں ایسا رسوخ پیدا کیا تھا
ہندوستان بالخصوص دکن کی تاریخ میں خاص طور پر تذکرہ کئے جانے کے قابل ہیں وہ
ان مسلمان وزرا کی فہرست میں جنھوں نے دکن کی حکومت کامیابی کے ساتھ کی اور جن کا
اختتام دولت آصفیہ کے نامور وزرا پر ہوتا ہے اولیت کا شرف رکھتے ہیں اس عہد میں
معبر کا ملک سند اعظم کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کے تعلقات دنیا کے دور دراز ملکوں سے

وابستہ تھے۔ تاریخی حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقی الدین (متوفی سنہ ۷۰۳ھ تا ۱۳۰۳ء) کے عہد وزارت میں معبر کی نہایت اچھی حالت تھی یہ وہی زمانہ ہے جب مارکو پولو نے معبر کو دیکھا اور اُسے بہترین حالت میں پایا تھا۔

سلمان وزرا معبر کے ضروری حالات مختصر طور پر لکھ دینے کے بعد ہم پھر سلطنت معبر کے سیاسی واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وصّاف بقیہ احوال لوک معبر تا انجام کتاب، اس طرح لکھتا ہے :-

"رائے معبر کلیشدیور برسال چہل واند سال درکمال بسطت وقدرت ونظم امور مملکت مدت زندگانی یافت کہ اندیشۂ معارضے وقصد دشمنے اورا شاغل از مشاغل ضروری نیفتاد و بعروض مرضے صریح الفراش نگشت وفرط کامگاری وبرخورداری از خزاین وافر وحصول مشتہیات واستیفائے لذات اینجہانی بداں پیوست چنانکہ در خزانۂ شہرمردی (مدرا) ہزار ودو کورے ازمودع ساخت ہر کورے ہزار لکے ہر لکے صد ہزار دینار۔ وانقطاع زد اہر نفیس واعلاق جواہر ثمین از درہائے ستارہ درخشش ولعل آب صفوت ویاقوت آتش فروغ وپیروزۂ آسمان گوں وزبرجد اس نمائے چنداںکہ ذکراندکے ازبسیار وعشرے از اعشار آں بسیار زبیا عیار عبارت خواہد تا تفاصیر ایں تقریر بداں ترصیع نپذیرد (ص ۵۲۸۔ ۵۲۹)

...... درجملہ کلیشدیور درملک مجازی حکومتے باامن وعمرے بالتمتع ومدتے بافراغ یافت واورا دو پسر بود۔ بزرگتر سندر نبدی کہ مادرش را بہ حکم خطبت ونکاح برحسب تعارف وآئین خویش درقید زوجیت آوردہ بود۔ دیگر پیرہ بندی کہ منت نہال وجود اوازخضراء الدمن بود یعنی مادرش

بے علاقہ زناشوہری حریف یکدیگر شدہ واند مجلس ومصطبۂ بودے چہ عادت ملوک آنجا آنست کہ ہر روز بعد ساختن مصالح ملک وسوانح یومی چوں از فراز تخت بشیب آیند واز دحام بارگاہ سلطنت بتفرق انجامد ہزاران از رباح ومباح خواص وحجاب وکتیاک ملازم بادشاہ باشد ولیا دبر جد جزئی را متکفل شوند چنانکہ حاجب وترجمان وساقی وپایچی تا فراش و دربان ایں طائفہ باشند وروز وشب مرد وزن بہمدیگر مختلط .... بادشاہ بحسب ارادت واستحسان قرعہ انتخاب بر ہر کہ انداز د صحیح بستر وانیس ہمسر گردد - مقصود از یں تقریر غرایب عادات ایشان است -

چوں پیرہ بندی را بدہا نت وذریت ممتاز می دانست ولایت عہد بنام او موسوم گردانید - برادرش سندر بندی ازیں خیال متغیر ومنزجر شد و دست غیرت سر مۂ حسد در چشم تہور او کشید تا عقوق اظہار کرد - و در آخر شہور سنہ تسع وسبعمائۃ (۷۰۹ ہ) بہ تیغ عقیق سلب ..... پدر را قتل کرد ودر شہر مردی بہ تیغ زنی تاج بر نہاد ولشکرے کہ دراں حوالی بود در ضبط آورد وبعضے از خزانہ آنجا بشہر منکو نقل فرود خود نیز ۔ ہ

ایا کوس دبا با سہ رویین وگنج ایا تازی اسپان وپیلان وگنج

ہزیمت نمود - پیرہ بندی بارجال وافیال طلب تا پدر را از عقب برادر مبادرت کرد وبر سر غدیرے کہ بلغت ایشاں بلاچی خوانند ... اتفاق مصادفت ومصادمت افتاد - وتیغہائے ہندی ..... دریکدیگر بستند

چو دریائے خوں شد ہمہ دشت وراغ جہاں چوں شب وتیغہا چوں چراغ

ہر دو برادر از کیفیت حال ہمدیگر بے خبر راہ ہزیمت گرفتند - پیرہ بندی بخت تیرہ تندی نمود ، تا از کشادن زخمے یافت وہفت فیل دار

زر عنیمت در دست لشکر سند ربندی اُفتاد . . . .

مدیں زحف الکے منار برمال دختر زادہ کلیشدپور کہ از اعوان پیرہ بندی بود بطرف کرام چتین از حوالی قایل افتاد اورا بہ مال ورجال مدد کردہ بخدمت پیرہ بندی رسانید۔ آں خدمت موقع مشکور یافت اما سند ربندی سرہ مملکت بدست فرو گرفت ولشکر وخزانہ در تصرف آورد دریں موجبات بین الاخوین دم الاخوین افتاد . . . . واواخی اخوت منقطع شد وقاعدہ سلم وسلامت مرتفع۔ چوں در ہر ملت ودر ہر کیش بدکاری بینے ندارد۔ ایں معنی از تذکار بے نیاز است وغایلہ فدر دیر وزود متوقع باشد۔ سند ربندی باوجود اسباب سلطنت وائتلاف عقاید لشکر از ردائے سعادت وبہجت محروم وطمع خام در دیگ تمنی بے آتش بخت می پخت واز خواب پندار بیدار نمی شد تا انکال عقوق واضاعت حقوق در روے رسید ودر اواسط شہور سنہ سبعمائتہ (؟) پیرہ بندی احتشاد لشکر واستیفاف محاربت آغاز ید۔ سند ربندی منزعج وگریزاں شد ودر دامن حمایت لشکر سلطان علاء الدین دہلی آویزاں پیرہ بندی در مملکت موروث نوبت سلطنت واستقلال یافت (ص ۵۳۰-۵۳۱)

اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ راجہ کلیشدیور برمال رائے معبرنے چالیس برس نہایت جاہ وجلال کے ساتھ راج کیا اور خزانۂ وافر جمع۔ اس کے دو بیٹے تھے بڑے کا نام سندر پنڈی تھا، جو راجہ کی منکوحہ بیوی کے بطن سے تھا اور چھوٹے کا نام پرہ بندی تھا جو ایک خادمہ کے پیٹ سے تھا۔ وصّاف لکھتا ہے کہ یہاں کے راجوں کا دستور تھا کہ ان کے محل میں ہزاروں عورتیں ہوتی تھیں جو ہر قسم کی خدمتیں انجام دیتی تھیں۔ پیرہ بندی نہایت ہوشمند اور ذہین تھا۔ راجہ نے ہونہار دیکھ کر اسے

اپنا جانشین قرار دیا۔ سندر بندی نے حسد اور غصہ میں اپنے باپ کو قتل کر ڈالا اور اُس کی جگہ دارالسلطنت مدورا (مدرا) میں تخت نشین ہو گیا اور خزانہ شہر میکور کو حفاظت کے لئے منتقل کر دیا۔ جب بیرہ بندی کو خبر ملی تو انتقام کے لئے فوج کشی کی دونوں بھائیوں میں ایک تلاجی یعنی تالاب کے کنارے لڑائی ہوئی۔ بیرہ بندی زخمی ہوا لیکن دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے حال سے بے خبر منہزم ہوگئیں راجہ کلیشر پور کا نواسا الگی منار برمال کرام یعنی حوالی قایل کا حاکم تھا۔ وہ بیرہ بندی کا مددگار ہو گیا۔ بھائیوں میں پھر جنگ و جدال شروع ہو گئی آخر بیرہ بندی غالب آیا اور سندر بندی تاب مقاومت نہ لا کر سلطان علاء الدین کے لشکر میں پناہ گزیں ہو گیا۔

اس اقتباس میں وصاف نے سندر بندی کے شکست پانے اور علائی لشکر میں پناہ گزیں ہونے کا واقعہ بضمن سنہ درج کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ جو نسخے میری نظر سے گزرے ان میں سنہ سبعاتہ (۷۰۰ھ) ہجری لکھا ہے اکائی اور دہائی کے الفاظ رہ گئے ہیں جس وقت علاء الدین کا لشکر معبر پر حملہ آور ہوا اس وقت ان دونوں بھائیوں میں جنگ جاری تھی (دیکھو خزاین الفتوح امیر خسرو) اور علائی لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بیرہ بندی شہر بشہر بھاگتا پھرتا تھا۔ بالآخر جنگلوں میں پناہ گزیں ہو گیا۔ اُس کا بھائی سندر بندی بھی لشکر کے قریب پہنچنے کی خبر سنتے ہی دارالسلطنت مدرا کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔

رشاف نے تتمہ فتوح و احوال سلطان علاء الدین" کے سلسلہ میں حالات معبر کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"و ازیں مقام لشکر اسلام قاصد دیار دور سمن شد۔ رائے بابتداء امتناع نمود و از معبر استمداد لشکر کرد۔

چوں میاں برادران بیرہ بندی و سندر بندی بعد از قتل پدر نزاع قائم

شدہ بود بیرہ بندی مظاہرت رائے تلنگ (یعنی رائے دور سمن) رالشکر راحل و فارسس بفرستاد۔ باز رائے شاہراہ سعادت راسالک و خطہ خودداری را مالک شد و مملکت و ولایت بے احتیاج بمعرکہ تسلیم کرد و بطریق خبریت و فدیت خزانہ کہ عقول اوہام بہ ضبط او مفلاع آں قیام نتوانند نمود با پنجاہ و پنج مربط فیل از تحف اقبال۔ ... عواصۂ خدمت سلطنت ساخت .... (ص ۵۲۷)

...... و در رجب سنہ عشر (۷۱۰ھ ہجری) صفدران معہود با لشکر متعین استخلاص معبر را رواں گشتند، و بنابر معاندت کہ میاں اخوین قائم بود بعضے قصبات را ایل کردند پس از مہیر بہ مظاہرت محاصرت نمودہ لشکرے انبوہ با رجال و افیال فراواں مدافعت را مستقبل شدند۔ ملک نیو (نائب) کہ خود را کیواں محل می پنداشت بہ مدار رجعت راجع شد و لشکریان باز گردانید۔

وصاف کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لشکر علائی کی حملہ معبر سے قبل دھور سمندر کے راجا کو بیرہ پنڈی نے فوجی مدد دی تھی بیرہ پنڈی نے یقیناً اس خطرہ کو محسوس کر لیا تھا جس سے عنقریب اس کے ملک کو سابقہ پڑنے والا تھا اسی وجہ سے اس نے چاہا کہ اگر ممکن ہو تو اس کی قبل از وقت مدافعت ہو جائے لیکن بدقسمتی سے بھائیوں کی آپس کی لڑائی نے معبر کی حالت کو ابتر کر رکھا تھا اور ایسی حالت میں ناممکن تھا کہ علاء الدین کا لشکر جو معبر کی تمول و خوش حالی سے بے خبر نہیں رہ سکتا تھا ایسے موقع کو نظر انداز کر دیتا۔ سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ معبر کے راجہ بیرہ پنڈی نے پیش قدمی کر کے علاء الدین کا مقابلہ کیا جو غالباً خاص طور پر اس حملہ آوری کا قوی محرک ہوا ہوگا۔

جس وقت لشکر علائی حدود دھور سمندر کے قریب پہنچا تو تفحص حالات پر سپہ سالار ملک کافور کو جو حالات معلوم ہوئے انھیں امیر خسرو نے خزاین الفتوح میں بیان کیا ہے،

ملک الشرق در روشن کردن خبر ملے پیش مشرعان آتش پاے راد مادم گرم خیز گردید و از ہر طرف در تفتیش و تفحص می بود تا از آئیندہ گان منازل بیش خیاں معلوم گشت کہ دوراے معبر کہ در اتحاد یک راے بودہ اند ہر دو را اتصال محکم تراز فرقدان و دو پیکر بود چوں سندر پنڈیا کہ برادر کہتر است براے اہمات مصالح ملکی از خون آبا دست خود را کف خضیب گردانید و سر ایشاں را کف جدا ساخت۔ برادر بزرگ بیر پنڈیا از چندی ہزار ہندوے کیوانی اجماع ساختہ است و دو شہر خالی گذاشتہ و براے سلخ او سر بع السیر شدہ و بلال دیو راے دھور سمندر چوں شہر را از ہر دوراے خالی شنود آہنگ آں کرد کہ بغارت مہاجن آں ہر دو شہر ین را یک منزل کند و برسد۔ ناگاہ از عقب ادارہ آسمان شگاف وان جندنا لہم الغالبون از کوس لشکر منصور شنود و در غلیان یجعلون اصابعھم فی آذانہم من الصواعق حذر الموت ماندہ و از بس مہابت چون زحل منعکس بحال بد و طالع معکوس سوے برج ہیوما خویش راجع شدہ از سیاہ سیر و از نفس طایر طیر شدہ در بیت الخفیف خویش رسید۔

سادہ الفاظ میں اس رنگین عبارت کا منشا یہ ہے کہ حملہ آوری کے وقت معبر میں دو عملی کا دور دورہ تھا دو راجا راج کر رہے تھے اور با وجود بھائی ہونے کے آپس میں لڑائی میں مشغول تھے بڑے بھائی کا نام بیر پنڈیا اور چھوٹے بھائی کا نام سندر پنڈیا تھا۔ تنازع کی وجہ یہ تھی کہ سندر پنڈیا ہی اپنے باپ کو قتل کر کے سلطنت پر قابض ہو گیا تھا۔ بیر پنڈیا لشکر جرار لیکر انتقام کے لئے روانہ ہوا اور اپنی حکومت کے دو شہر بے حفاظت چھوڑ گیا۔ دھور سمندر کے راجہ کو طمع دامنگیر ہوی کہ ان دونوں شہروں کے

مہاجنوں کو لوٹ کر اپنا خزانہ بھر لے۔ اس ارادہ سے فوج لیکر چلا ہی تھا کہ لشکر علائی کی حملہ آوری کی خبر سنی۔ فوراً لوٹا اور اپنے دار السلطنت میں آکر مقیم ہو گیا۔

وصاف اور امیر خسرو کے بیانات میں بعض جزئیات میں اختلاف ہے امیر بیر پنڈیا کو بڑا بھائی بتاتے ہیں اور وصاف سندر پنڈیا کو۔ وصاف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بیر پنڈیا اور راجہ دھور سمندر میں آپس میں دوستانہ تھا اور ایک نے دوسرے کی مدد بھی کی۔ امیر لکھتے ہیں کہ عین حملہ آوری کے وقت راجہ دھور سمندر معبر پر حملہ آوری کے لیے روانہ ہوا تھا۔ ان جزئیات کو چھوڑ کر امیر اور وصاف دونوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حملہ آوری کے وقت دونوں بھائیوں میں لڑائی ہو رہی تھی جس کا موجب پچھلے راجا کا اپنے بیٹے سندر پنڈیا کے ہاتھ قتل ہو جانا تھا۔

(باقی آیندہ)

*

نقود اسلامیہ

جس کو علامہ تقی الدین احمد علی المقریزی کی تصنیف "شذور العقود فی ذکر النقود" سے مولوی محمد جعفر صاحب مولوی کامل نے اخذ کیا ہے:-

علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی[1] دیار مصر کا مشہور مورخ ہے ۷۶۶ھ میں پیدا ہوا اور ۸۴۵ھ میں جبکہ اس کی عمر اسی سال کی تھی۔ مصر کے دار السلطنت قاہرہ میں انتقال کیا۔ ملوک چراکسہ کا معاصر تھا اور خلیفہ المتوکل علی اللہ (۷۶۳ھ ۸۰۸ھ) کے عہد میں ملک سیف الدین برقوق (۷۸۴ھ ۸۰۱ھ) نے اسے امامت کی خدمت تفویض کی تھی اس نے مصر کی تاریخ و جغرافیہ اور آثار قدیمہ کے متعلق کئی ضخیم ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ منجملہ اُن کے بعض مشہور و معروف کتابوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) المواعظ والاعتبار فی الخطط والآثار اس میں مصر کی تاریخ و جغرافیہ اور آثار و عمارات کا تذکرہ ہے ۱۲۷۰ھ و ۱۳۲۴ھ میں دوبار مصر میں یہ کتاب چھپی ہے (۲) کتاب السلوک فی معرفۃ دول الملوک اس میں سلاطین ملوک کے حالات ہیں اور ۱۸۴۵ء میں گوٹنگن میں چھپی ہے (۳) اتعاظ الحنفا باخبار ائمۃ الخلفا اس میں خلفائے فاطمیہ کا تذکرہ ہے اور ۱۳۲۳ھ میں احمد زکی نے مصر میں چھپوایا ہے مقریزی کی تصنیفات نے یورپ میں خاص شہرت حاصل کی ہے اور مصر کے

---

[1] حسن المحاضرہ جلد اول ص ۲۳۱

عہد اسلامی کی نسبت اہل یورپ نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کا زیادہ حصہ اسی کی تصنیفات سے ماخوذ ہے۔ پال کازنوا (PAUL CASANOVA.) نے کتاب الخطیط سے اخذ کر کے مصر کے تاریخی مقامات کا تذکرہ مرتب کیا ہے جو فرانسیسی کی مجلس آثار مشرقیہ کی طرف سے ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔ کتاب الخطیط سے اخذ کر کے ڈاکٹر وسٹن فیلڈ (WUSTEN FELD.) نے قبطیوں کے حالات ۱۸۴۵ء میں بہ مقام گوٹنگن اور گرائف (GRAEEFF.) نے الاہرام کا تذکرہ ۱۹۱۱ء میں بہ مقام لیبزگ چھپوایا ہے۔ راویز (RAVAISSE) نے خاص شہر قاہرہ کے متعلق خطط کے جملہ بیانات کو بہت سے حواشی نقشوں اور تصویروں کے ساتھ ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع کیا اور ۱۸۸۰ء میں طبع کرایا ہے۔ کاترمر (QUATREMER.) نے سلاطین ملوک کی تاریخ ترجمہ کی اور دو جلدوں میں ۱۸۳۷ء میں پیرس میں طبع کیا بلوشہ (BLOCHET) نے مقریزی کی تصنیفات سے اخذ کر کے تاریخی اور جغرافیائی توضیحات کے ساتھ مصر کی تاریخ لکھی اور ۱۹۰۸ء پیرس میں چھپوایا۔

شذور العقود ۱۷۹۷ء میں روسٹک میں اور ۱۸۹۸ء میں قسطنطنیہ میں طبع ہوا ہے اور مشہور مستشرق دی ساسی (   ) نے فرانسیسی میں اس کا ترجمہ بھی کیا ہے جو ۱۷۹۷ء میں پیرس میں طبع ہوا ہے۔ اس میں تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں عرب کے قدیم سکوں کا ذکر ہے دوسری فصل خلفائے اسلام کے سکوں سے تعلق رکھتی ہے۔ تیسری فصل میں مصری سکوں کے حالات ہیں۔ ذیل کا مضمون پہلی اور دوسری فصل پر مشتمل ہے۔ تیسری فصل کا اقتباس کسی آئندہ اشاعت میں نذر ناظرین کیا جائے گا۔

(ایڈیٹر)

قدیم زمانہ میں دو قسم کے سکے رائج تھے۔ ایک وافیہ دوسرا طبریہ۔ انھیں دو سکوں سے انسان معاملات بیع و شریٰ انجام دیا کرتا تھا۔ درہم وافیہ کا دوسرا نام بغلیہ تھا۔ یہ اہل فارس کے سکے تھے اور ان میں سے ہر ایک درہم کا وزن ایک مثقال سونا ہوتا تھا ان کے علاوہ ایک اور قسم کا سکہ بھی مروج تھا جسے جواز کہتے تھے۔ اس کے ہر دس درہم میں تین درہم کا نقصان ہوا کرتا تھا یعنے سات بغلیہ درہم دس درہم جواز کے مساوی شمار کئے جاتے تھے یہ کیفیت متمدن دنیا کی تھی۔

اہل عرب ایام جاہلیت میں محض سونے اور چاندی کے ٹکڑے استعمال کیا کرتے تھے اس کے علاوہ دوسرے متمدن ممالک کے سکوں کا بھی ان میں رواج تھا۔ مثلاً رومیوں کے طلائی دینار جن کا نام قیصریہ تھا اور چاندی کے درہم جو وافیہ اور طبریہ کہلاتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں درہم و دینار کا وزن زمانۂ اسلام کی بہ نسبت دوگنا ہوتا تھا یعنے چاندی کے ایک مثقال کو درہم اور سونے کے ایک مثقال کو دینار کہتے تھے یہ بلاد عرب کی عام حالت تھی۔ لیکن اہل مکہ کے معاملات بیع و شریٰ میں ان کا استعمال نہیں ہوتا تھا بلکہ ان میں خاص اوزان مستعمل تھے مثلاً ایک وزن رطل کا تھا رطل بارہ اوقیہ کا اور اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اس اعتبار سے ہر ایک رطل چارسو اسی درہم کے مساوی ہوا کرتا تھا دوسرا وزن نص کا تھا جو نصف اوقیہ یعنی بیس درہم کے مساوی ہوتا تھا تیسرا وزن تورہ تھا جو پانچ درہم کے مساوی ہے۔ درہم طبریہ کا وزن آٹھ دانق درہم بغلیہ کا چار دانق اور درہم جواز کا ساڑھے چار دانق ہوا کرتا تھا ایک دانق کا وزن آٹھ غیر مقشر حبہ شعیر کے مساوی ہے۔ ایک دوسرے حساب سے دس درہم چھ مثقال کے مساوی ہوا کرتے تھے ایک مثقال بہتر حبہ شعیر کے برابر تھا۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ ابتدا میں مثقال کا وزن ساٹھ حبہ شعیر کے برابر ہوا کرتا تھا۔ ایک حبہ شعیر سو دانہ خردل کے ہم وزن تھا۔ اس لحاظ سے ایک مثقال کا وزن خردل کے

چھ ہزار دانوں کے مساوی ہوتا ہے۔

جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے ان اوزان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں فرمایا بلکہ اسی حساب کے مطابق پانچ اوقیہ چاندی میں پانچ درہم اور بیس دینار طلائی میں نصف دینار زکوٰۃ مقرر فرمائی۔

جناب رسالتمآبؐ کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے بھی عہد رسالت کے عملدرآمد کو برقرار رکھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب ممالک مصر و عراق فتح ہو گئے تو آپ کی خلافت کے آٹھویں سال ۱۸ھ میں مختلف ممالک کے وفود بارگاہ خلافت میں باریاب ہوئے۔ ان میں ایک وفد اہل بصرہ کا بھی تھا اس کے سردار احنف بن قیس حضرت عمرؓ سے باشندگان بصرہ کے لئے چند امور انتظامی کی خواہش کی۔ جن کی بنا پر حضرت نے معقل بن یسار کو بصرہ روانہ کیا اور ان کے اہتمام فرات سے بصرہ تک ایک نہر بنوائی جو نہر معقل کے نام سے مشہور ہے اس کے ساتھ اراضی کی تشخیص کے لئے جریب اور ہر جریب پر لگان کا تعین فرمایا اس کے بعد سکے مضروب کرائے جن کی شکل و صورت کسروی سکوں کے بالکل مماثل تھی۔ لیکن ان سے بعض پر "الحمد للہ"، بعض پر لا الہ الا اللہ وحدہ" اور بعض پر "محمد رسول اللہ" اضافہ کر دیا گیا تھا۔ آپ کے زمانۂ خلافت میں شروع سے آخر تک دس درہم چھ مثقال کے ہم وزن معین تھے۔

حضرت عثمان رضؓ بن عفان کے عہد خلافت میں جب سکّے مضروب ہوئے تو اُن پر آپ کے حکم سے "اللہ اکبر" نقش کیا گیا۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے اپنی عہد خلافت میں زیاد کو کوفہ اور بصرہ کا عامل مقرر فرمایا۔ اس علاقہ میں اس وقت تک وہی اوزان و پیمانے رائج تھے جن کو حضرت عمرؓ نے مقرر فرمایا تھا۔ اس کے لحاظ سے درہم میں کمی اور قفیز میں زیادتی ہو گئی تھی

اور اس کے مطابق جب فوج میں یومیہ تقسیم ہوتا تو دونوں میں مساوات نہیں رہتی تھی زیاد کو جب اس کا احساس ہوا تو حضرت معاویہ کے حکم سے ان میں ضرورت کے موافق کمی وزیادتی کا عمل کر دیا اس وقت ایک درہم کا چھ دانق اور دس درہم کا سات مثقال وزن قرار پایا۔

حضرت معاویہ نے اپنے عہد میں جو دینار مسکوک کرائے تھے اُن پر انسان کی تصویر منقوش تھی اور اس کی گردن میں شمشیر حمایل تھی۔ صحابۂ کرام رضہ نے اس کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا یہاں تک کہ ایک سپاہی نے ان پر حضرت معاویہ سے بالمشافہ اعتراض کیا۔ لیکن حضرت سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو آپ نے اُس کا یومیہ بند کرنے کی دھمکی دیکر اُسے ساکت کر دیا۔

عبداللہ بن زبیر رضہ جب مکہ معظمہ میں خلیفہ تسلیم کئے گئے تو آپ نے مدور درہم مسکوک فرمائے اور ان پر ایک جانب محمد رسول اللہ دوسری جانب امر اللہ بالعدل والوفا نقش کیا گیا۔ آپ پہلے شخص ہیں کہ جنھوں نے درہم کی شکل مدور معین فرمائی آپ کے بھائی مصعب بن زبیر نے بھی عراق میں اسی نمونہ پر درہم مضروب کرائے اور ان کا وزن ہر دس درہم کو سات مثقال کے مساوی مقرر کیا۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان کی جانب سے جب حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا والی مقرر ہوا تو اس نے ان تمام باتوں کو تبدیل کر دیا جو عبداللہ بن زبیر کی وجہ سے عمل میں آئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر اور مصعب بن زبیر کے قتل کے بعد جب عبدالملک بن مروان کی خلافت مستقل ہو گئی تو اس نے ۷۶ھ میں درہم و دینار دونوں مسکوک کرائے دینار کا وزن بائیس قراط اور درہم کا وزن پندرہ قراط معین کیا۔ یہ سکے مدینہ منورہ میں بھی رائج ہوئے۔ اور انھیں صحابہ کرام نے معیوب نہیں سمجھا لیکن ان پر انسان کی صورت بنی ہوئی تھی اس لئے پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا گیا۔ چنانچہ سعید بن المسیب رضہ

جو مشہور صحابی ہیں اس درہم سے بیع و شری کرتے اور اسے معیوب نہیں سمجھتے تھے۔

عبدالملک کے زمانہ میں جدید سکوں کے رواج پانے کا سبب یہ ہے کہ ایک دفعہ خالد بن یزید بن معاویہ نے عبدالملک سے بیان کیا کہ علمائے اہل کتاب کا قول ہے کہ وہ خلیفہ نہایت طویل العمر ہوتا ہے جس کے زمانہ میں سکّے مضروب ہوا کرتے ہیں۔ یہ سن کر عبدالملک نے اسلامی سکّہ مضروب کرنے کا حکم دیا۔

بعض لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالملک نے قیصر روم کو ایک خط لکھا جس کے عنوان پر آیت قل ھو اللہ احد اور خاتمہ میں جناب رسالتمآب صلعم کی تعریف مذکور تھی یہ امر قیصر کو شاق گذرا اور اس نے جواب میں لکھا کہ اس طریقہ کو ترک کر دو ورنہ ہم تمھارے نبی کا ذکر اپنے سکوں پر بُرائی کے ساتھ درج کریں گے۔ عبدالملک نے اس بارے میں اعیان سلطنت سے مشورہ کیا تو خالد بن یزید نے رائے دی کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ رومی سکہ کا استعمال ترک کر دیں اور اس کے عوض اسلامی سکہ مروج کریں اس رائے کو سب نے پسند کیا اس کے بعد عبدالملک نے اسلام کا جدید سکّہ مضروب کرایا۔

بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے درہم کو ایک یہودی نے مسکوک کیا تھا جس کا نام سمیر تھا اور تیما میں اس کی سکونت تھی اور اسی سے نسبت دیکر اس عہد میں درہم کو درہم سمیری کہا کرتے تھے۔

عبدالملک نے جب جدید سکّہ مضروب کرایا تو اُسے حجاج بن یوسف کے یہاں بھیجا اور اس نے اسے تمام بلاد اسلام میں روانہ کر دیا تاکہ آئندہ اسی نمونہ پر درہم مسکوک ہوا کریں۔

عبدالملک نے جو سکّے مسکوک کرائے تھے ان پر ایک جانب قل ھو اللہ احد اور دوسری جانب لَآ اِلٰہَ اِلّا اللہ نقش تھا اور اس کے اطراف دو حلقوں میں ایک طرف "ضرب ھذا الدرھم بمدینۃ کذا" اور دوسری طرف محمد رسول اللہ

ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون"
لکھا گیا تھا۔

عبدالملک کے عہد میں جدید دراہم کے مسکوک ہونے کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شرع کی رو سے دو سو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اگر بڑے درہم مسکوک ہوتے تو اس کی وجہ سے زکوٰۃ میں نقصان واقع ہوتا اور اگر طبریہ کے نمونے پر چھوٹے درہم بنائے جاتے تو اس سے زکوٰۃ دینے والے خسارے میں رہتے تھے اسلئے عبدالملک نے ایسا سکہ مروج کیا جس سے نہ تو زکوٰۃ میں نقصان ہوا اور نہ زکوٰۃ دہندہ کو ضرر پہنچا۔ عبدالملک سے پہلے بڑے درہم کا وزن آٹھ دانق اور چھوٹے کا چار دانق تھا اس لئے عبدالملک ان کے درمیانی وزن کو اختیار کرکے چھ دانق کا درہم مسکوک کیا لیکن مثقال کے وزن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

عبدالملک کے مسکوک کئے ہوئے درہموں میں تین خصوصیات پائی جاتی ہیں اور:

(۱) ہر دس درہم کا وزن سات مثقال مقرر ہوگیا۔

(۲) بڑے اور چھوٹے درہموں میں اعتدال پیدا ہوگیا۔ یعنی ہر قسم کے دراہم کا وزن چھ دانق قرار پایا۔

(۳) سنت نبوی کے موافق ہونے کی وجہ سے فریضہ زکوٰۃ میں کسی قسم کی زیادتی یا کمی کا اس میں احتمال باقی نہیں رہا جس کی وجہ سے جمہور میں درہم شرعی کی حیثیت سے رائج ہوگیا اور اسی کے وزن سے زمانہ مابعد میں رطل اور صاع کے اوزان مقرر کیے گئے۔

عبدالملک کے سکوں پر چونکہ "قل ھو اللہ احد" مسکوک تھا اور جنب و حائض دونوں ضرورت کے وقت بیع و شریٰ کے لئے اسے ہاتھ لگاتے ہیں اس لئے علمائے وقت نے اس طریقہ کو کراہیت کی نظر سے دیکھا اور اس کا نام مکروہیہ رکھدیا۔

بعض نے امام مالک رح سے دریافت کہ درہم و دینار پر آیت قرانی مکتوب ہے

اس کو جائز رکھیں یا بدل دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ درہم ابتداً عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں مسکوک ہوئے ہیں اس وقت صحابہ کرام کثرت سے موجود تھے لیکن کسی نے بھی اسے تبدیل کرنے کی رائے نہیں دی۔ صرف ابن سیرین نے اس سے بیع و شرلی کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن اہل مدینہ نے اس کو مکروہ نہیں خیال کیا بلکہ اسی سے بیع و شری کیا کرتے تھے۔

خلیفہ صالح حضرت عمر بن عبدالعزیز سے دریافت کیا گیا کہ یہودی و نصرانی اور جنب و حائض دونوں ان سکوں کو ہاتھ لگاتے ہیں حالانکہ ان پر کلام اللہ کی آیت نقش ہے ایسی حالت میں کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس کو بدل دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہم خدا کی توحید اور اپنے پیغمبر کی توصیف کو بدل دیں گے غیر مسلم ہم بنیں گے۔

الغرض جدید سکّے عبدالملک کے زمانہ میں رائج ہوئے اس کی وفات کے بعد ولید بن سلیمان اور عمر بن عبدالعزیز کے عہد تک برابر استعمال ہوتے رہے جب یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس کے عہد میں عمر بن ہبیرہ والی عراق نے درہم ہبیرہ مسکوک کرایا اس کا وزن بھی چھ دانق تھا۔ جب ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے ۱۰۶ھ میں خالد بن عبداللہ القسری کو حکم دیا کہ حسب سابق درہم کا وزن سات دانق مقرر کیا جائے چنانچہ یہ سکّے صرف شہر واسطہ میں مضروب ہوئے اور ان کا وزن زیادہ کر دیا گیا۔ لیکن ۱۲۰ھ میں جب خالد معزول ہو گیا اور اس کی جگہ یوسف بن عمر ثقفی عراق کا عامل قرار پایا تو اس نے سکوں کے وزن میں پھر کمی کر دی اور چھ دانق ان کے لئے وزن معین کر دیا۔

۱۲۶ھ میں ولید بن یزید قتل ہو گیا اور مروان بن محمد جو خاندان بنی امیہ کا آخری خلیفہ ہے، اس کا جانشین قرار پایا تو اس نے جزیرہ میں سکّے مسکوک کرائے یہاں تک کہ یہ بھی قتل ہو گیا۔ اور بلاد اسلام میں دولت عباسیہ کی بنیاد قائم ہوئی ۔۔ اس خاندان کے

پہلے خلیفہ عبداللہ بن محمد السفاح نے انبار میں اپنے درہم مسکوک کرائے اور ان پر سکہ عباسیہ منقوش کیا۔ پہلے ایک حبہ اور اس کے بعد دو حبہ وزن میں کمی کر دی۔ اس کی وفات کے بعد ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا اس نے اپنے زمانہ میں تین حبہ وزن کر دیا۔ غرضکہ اس عہد میں ایک درہم ۱/۲ قیراط کے مساوی ہو گیا۔ یہ عمل ۱۵۸ھ تک جاری رہا اس کے بعد محمد بن جعفر مہدی نے مدور درہم مسکوک کرائے اور ان کے عین وسط میں بطور علامت ایک نقطہ لگوایا اس کے فرزند موسیٰ بن محمد الہادی نے کوئی سکہ مضروب نہیں کیا۔ جب ہارون الرشید خلیفہ ہوا تو اس نے دارالضرب کا انتظام جعفر بن یحییٰ برمکی کے تفویض کیا اس نے خلیفہ کے نام کے ساتھ درہم و دینار مضروب کرائے اور اس عہد میں درہم کا وزن ایک قیراط اور کم ہو گیا۔ ہارون کے بعد امین اور مامون نے بھی سکے مضروب کرائے جو رباعیات کے نام سے مشہور تھے۔ مامون کا سکہ مرو میں مضروب ہوا تھا یہ واقعہ امین کے قتل سے پہلے کا ہے۔ ہارون پہلا خلیفہ ہے جس نے دارالضرب کا انتظام وزراء کے حوالہ کیا۔ اس سے قبل تمام خلفا اس کام کو خود اپنی ذات سے انجام دیا کرتے تھے۔ دارالضرب کا یہ انتظام رمضان ۱۸۷ھ تک قایم رہا۔ اس سال جب ہارون نے جعفر کو قتل کرا دیا تو اس کا انتظام سندی کے ذمہ کیا گیا۔ اس نے رجب ۱۹۲ھ میں درہم ہاشمی کے معین وزن میں نصف حبہ کم کر دیا۔ امین کے زمانہ میں دارالضرب کا انتظام عباس بن فضل بن ربیع کی نگرانی میں رہا اس نے سکہ کے بالائی حصہ پر "ربی اللہ" اور زیرین حصہ پر "العباس بن الفضل" نقش کرایا۔

امین نے جب اپنے لڑکے موسیٰ کو ولی عہد مقرر کیا تو اس کا لقب الناطق بالحق المظفر باللہ رکھا اور اس کے نام سے درہم و دینار مضروب کرائے اور ان پر حسب ذیل شعر نقش ہوا۔

کل عز و مفخر فلموسی المظفر ملک خص ذکرہ فی الکتاب المسطر

امین کے قتل ہونے کے بعد جب مامون سریر آرائے خلافت ہوا تو اس کو کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو درہم کو مسکوک کر سکے اس لئے اس کے عہد میں سکہ جات مہر کے طریقہ پر کندہ ہونے لگے۔ یہ عمل در آمد مامون کے بعد بھی معتصم واثق اور متوکل کے عہد تک جاری رہا۔

خلفا کے سکّے خالص سونے کے ہوا کرتے تھے۔ متوکل کے بعد ترکی غلام جب امور خلافت پر حاوی ہو گئے خلفا کے اقتدار میں زوال آگیا۔ عمال نے مختلف ممالک میں خودسری اختیار کر لی۔ اس پرآشوب زمانہ میں سکہ جات میں بھی آمیزش ہونے لگی سب سے پہلے عبید اللہ بن زیاد نے ان میں آمیزش کی سنہ ۶۴ھ میں جب وہ بصرہ سے بھاگ گیا تو اس کے بعد بنی بویہ اور بنی سلجوق میں بھی اس کا رواج ہو گیا۔

سلاطین قطب شاہیہ کے تعلقات خارجہ

اور اس کا اثر

از مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی

(۲)

شاہجہاں بادشاہ ہندوستان کا جو فرمان اوپر نقل کیا گیا ہے اس کی پذیرائی قطب شاہی دربار میں کس طرح ہوی اس کا سراغ لگانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ قطب شاہی مورخ[1] اس واقعہ کا یوں ذکر کرتا ہے کہ جب دکن میں متواتر یہ خبریں آنے لگیں کہ شاہجہاں اس سال جشن نوروزی دولت آباد میں منائیں گے تو سلطان عبداللہ نے ازراہ دوراندیشی ملا تقیائے شیرازی کو حاجب مقرر کرکے تین زنجیر فیل اور کچھ تحایف دیگر اس تاکید کے ساتھ شاہجہاں کے کیمپ پر روانہ کیا کہ راستہ میں غیر ضروری توقف کئے بغیر منزل مقصود پر بعجلت تمام فائز ہوں ملائے شیرازی دولت آباد پہنچکر شاہجہاں کی خدمت میں باریاب ہوے لیکن اتفاق سے ملا تقیا کے پہنچنے کے بہت قبل شاہجہاں نے برہان پوری سے ملا شیخ عبداللطیف قزوینی کو فرمان متذکرہ صدر کے ساتھ حیدرآباد روانہ کردیا تھا چنانچہ رمضان ۱۰۴۵ھ کی آٹھویں تاریخ تھی جبکہ ملائے قزوینی سرحد ممالک محروسہ پر پہنچ گئے تھے سلطان

[1] صاحب حدیقۃ السلاطین قطب شاہی قلمی ۱۲

عبداللہ نے یہ خبر پاکر کریم خاں لاری حوالہ دار خاصہ خیل کو ملا کے استقبال اور منزل بہ منزل مہمانی کے سرانجام کرنے کے لئے روانہ کیا اور ان کے پیچھے میر معز الدین محمد مشرف الممالک نے دار السلطنۃ سے چند فرسخ آگے بڑھ کر استقبال وضیافت کے مراسم ادا کئے۔ پھر شیخ محمد طاہر سر خیل نے حسین ساغر سے نیم فرسخ آگے جا کر ملائے قزوینی اور انکے جملہ ہمراہیوں کی ضیافت کی اور ۱۴ ار رمضان کو سلطان عبداللہ بہ نفس نفیس ملا کی پیشوائی کو روانہ ہوئے۔ چنانچہ دروازہ شہر پناہ سے حسین ساغر تک دورویہ فوج اور فیلان کوہ پیکر استادہ تھے اور سلطان عبداللہ کے ہمراہ رکاب تمام امراء وزراء وارکان دولت گھوڑوں پر سوار تھے حسین ساغر کے قریب سراپردہ اور خیموں کا ایک شاہی کیمپ[1] تیار کیا گیا تھا جس میں سلطان عبداللہ اور ملائے قزوینی کی ملاقات ہوئی۔ ملا نے شاہجہاں کے بھیجے ہوئے ہدیئے شمشیر وخنجر مرصع اور مکتوب شاہجہانی عبداللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے بادشاہ کی خیر وعافیت دریافت کرنے کے بعد حاجب پر نظر التفات مبذول کی۔ اس موقع پر ملائے قزوینی حاجب نے اپنی طرف سے یک سلسلہ فیل۔ دوراس اسپ اور تیس چالیس خوان اشیائے نفیسہ کے مع دو قطار شتر اور ایک جفت گاو بہیل بطور نذر پیش کئے۔ سلطان نے تین چار گھڑی حاجب سے ہم کلام رہنے کے بعد ان کو خلعت فاخرہ عنایت کی اور جو اشیاء انہوں نے بعنوان نذر پیش کی تھیں ان پر دو زنجیر فیل اور دو سر اسپ عراقی اضافہ فرما کر اُن کو عنایت کئے اور بہ سواری فیل خدم وحشم کے ساتھ دولت خانہ عالی کو مراجعت کی۔

ملائے قزوینی وہ دن حسین ساغر کے کیمپ میں گذار کر دوسرے روز دار السلطنت میں داخل ہوئے اور منصور خاں میر جملہ ماضی کے مکان پر جو سلطان کی طرف سے ان کی فرودگاہ کے لئے معین ہوا تھا فروکش ہوئے۔ سلطان عبداللہ نے ۱۸ ر رمضان کو شیخ محمد طاہر سر خیل کے توسط سے حاجب قزوینی کو طلب فرما کر ندی محل میں دوبارہ باریاب کیا اور اس مرتبہ بھی

---

[1] غالباً موجودہ فتح میدان پر۔

خلعت و اسپ و فیل سے حاجب کو سرفراز کیا۔

حیدرآباد میں ہنوز حاجب کی خاطر و مدارات ہو رہی تھی دفعتاً یہ خبر آئی کہ شاہجہاں
نے اپنے حاجب کے جواب کا انتظار کیے بغیر خان دوراں کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کر دی ہے
چنانچہ خان دوراں اپنی فوج کو لیکر قصبہ ناندیڑ تک پہنچ گئے۔ بظاہر یہ تدبیر شاہجہاں نے
اس مقصد سے اختیار کی تھی کہ حاجب کے توسط سے جو شرائط زیر بات چیت کی گئی ہیں ان کی
تعمیل و تکمیل میں افواج خان دوراں کے دباؤ کی وجہ سے سلطان عبداللہ کوئی عذر و تاخیر نہ
کر سکیں لیکن یہ خبر ایسی نہ تھی جس سے حیدرآباد میں ایک شورش برپا نہ ہو جاتی۔ سلطان
عبداللہ نے اہل شہر کی طمانیت اور اپنی داب شاہی کی نمائش کے طور پر نصیر الملک آقا بجی
بیگ اور شجاع الملک کو چند دکنی اور حبشی سرداروں کے ساتھ سرحد قصبہ ناندیڑ کی طرف
روانہ کر دیا اور خود بہ نفس نفیس گولکنڈہ پہنچکر حصار کی مرمت ذخائر کی فراہمی اور آلات
حرب کے اجتماع میں مشغول ہو گیا۔ شیخ عبداللطیف قزوینی نے سلطان عبداللہ کی ان
پیش بندیوں سے باخبر ہو کر اس کی اطلاع دولت آباد میں شاہجہاں کو دی اور زر پیشکش
و مصالحت پر اکتفا کرنے کا مشورہ دیا۔ جب سلطان کو اس کی خبر ہوی تو انھوں نے شیخ قزوینی
سے مراتب صلح طے کرنے کے لئے علامہ شیخ محمد ابن خاتون کو حکم فرمایا اس وقت علامہ دوسری
مرتبہ منصب پیشوائی یعنی جملۃ الملکی (صدارت عظمیٰ) پر سرفراز ہو چکے تھے اور شرائط تو بہ آسانی
طے پا گئے مگر خطبہ سے شاہان صفویہ کے نام کے اخراج اور شاہجہاں کے القاب کے شمول کا
مسئلہ کئی روز تک معرض بحث میں رہا۔ بالآخر سلطان نے علمائے شہر کی ایک مجلس منعقد کر کے
اس بارہ میں مشورہ طلب کیا۔ سب نے علامہ ابن خاتون کی رائے کے بموجب یہی فتویٰ
دیا کہ جنگ و جدال کے مقابلہ میں اس شرط کا قبول کر لینا اولیٰ ہے۔ چنانچہ جب تک شیخ
عبداللطیف حیدرآباد میں مقیم رہے ہر جمعہ کو خطبہ میں شاہجہاں کے نام خطبہ میں لیا جاتا رہا
جب ان امور کی اطلاع عبداللطیف نے شاہجہاں کو دی اس وقت خان دوران ناندیڑ سے

دولت آباد واپس طلب کر لئے گئے اس کے بعد یہاں یہ قرار پایا کہ زر پیشکش کے ساتھ ایک انقیاد نامہ سلطان عبداللہ کی جانب سے ملائے قزوینی کے ہمراہ روانہ کیا جائے چنانچہ ملاّاویس منشی الممالک کو تحریر مسودہ کا حکم صادر ہوا۔

اس انقیاد نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ارشادات زبانی کے منجملہ ملائے قزوینی کی زبانی یہ حکم بھی صادر ہوا تھا کہ قطب شاہی سکوں پر اس نمونہ کے موافق جو ملا اپنی ہمراہ لائے تھے آیندہ سے شاہجہاں کا القاب بھی کندہ ہوا کرے چنانچہ ۱۰۴۵ھ کے بعد سے سرخ و سفید سکہ ہائے قطب شاہی پر حسب ذیل عبارت کندہ ہوا کرتی تھی۔

(۱) رُخ اول

(۲) رُخ ثانی

اس کے علاوہ سلطان عبداللہ نے ملا عبداللطیف کے روبرو قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر ان مواعید کی جو انقیاد نامہ میں درج ہوے تھے بہ قسم تصدیق بھی کی تھی اس دستاویز سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سلطان عبداللہ کو اس امر کا اندیشہ لگا ہوا تھا کہ قبول اطاعت میں چونکہ وہ دنیا داران دکن[۱]،، پر پیش قدمی کر رہا ہے اس لئے یہ بات اس کے ہم عصر سلاطین کے خلاف مزاج ہوگی اور کہیں ایسا نہ ہو کہ جب بادشاہ کی سواری دکن (دولت آباد) سے پایہ تخت (آگرہ) کو مراجعت کر جاے تو عادل شاہ ان سب کو لیکر اس کے ملک پر ٹوٹ پڑے اور اس کی رسوائی کے در پے ہو جائے لہذا اس خدشہ کا بھی مناسب موقع پر عبداللہ نے اپنے انقیاد نامہ میں تذکرہ کر دیا تا کہ بادشاہ صوبہ دار دکن[۲] کو ضروری ہدایات دے کر اس کی کوئی پیش بندی کر سکے۔ الغرض سلطان عبداللہ نے شیخ محمد طاہر کو حکم دیا کہ وہ شیخ عبداللطیف

[۱] یہ ایک اس زمانہ کا محاورہ تھا جو معاصر تاریخوں میں متواتر استعمال ہوا ہے لفظ دنیا سے اس موقع پر ملک و دولت اور جاہ و ثروت مراد ہے۔
[۲] جس کا مستقر اس زمانہ میں دولت آباد تھا اس لئے کہ دکن کا بھی حصہ راست شاہان مغلیہ کے زیر تسلط تھا ۱۲

کے ہمراہ بطور حاجب کے انقیاد نامہ پیش کش لیکر شاہجہاں کے پاس جائیں چنانچہ چند سلسلہ فیل ـ پنجاہ راس اسپ بازیں وکام زریں وسیمین جن کی قیمت کا اندازہ چھ لاکھ ہون کیا گیا تھا اور چند ہزار روپیہ و اشرفی جو شاہجہاں کے نام سے یہاں مسکوک کی گئی تھیں ان کے ساتھ کئے گئے ـ غرہ محرم الحرام ۱۰۴۶ھ کو شیخ محمد طاہر ملائے قزوینی کو لیکر بیرون شہر خیمہ زن ہوے اور اسی طرح طے منازل کرتے ہوے دولت آباد کی جانب راہی ہوتے جب قصبہ کھڑکی (اورنگ آباد) پر پہنچے تو شاہجہاں نے شاہ علی بیگ کوتوال معسکر شاہی اور میرزا جم قلی بیگ منصبدار ہفت صدی و متصدی خزانہ اور بخشی افضل خاں کو ان لوگوں کی پیشوائی کے لئے روانہ فرمایا چنانچہ یہ لوگ شیخ طاہر اور ملائے قزوینی کو لیکر دولت آباد پہنچے اور جو تحف وپیشکش لائے تھے وہ بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کئے گئے شاہجہاں نے شیخ محمد طاہر کو خلعت فاخرہ عنایت فرمایا اور امرائے پنجہزاری کی سلک میں ان کی جگہ مقرر فرمائی تاکہ جھروکہ کے متصل اُن کا قیام رہے ـ شیخ طاہر نے بھی اپنی طرف سے پچاس خوان اشیائے نفیسہ کے گذرانے اور مورد عنایات بادشاہی ہوئے

انقیاد نامہ سلطان عبداللہ حسب ذیل تھا:ـ

"تعہد نامہ مرید موروثی نیک خواہ ومخلص، فدوئی بلا اشتباہ عبداللہ قطب الملک آنکہ چوں بندگان اعلحضرت خاقانی ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی سلیمان مکانی صاحبقران ثانی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وافاض علی العالمین برہ واحسانہ کہ ہزار جان گرامی فدائے نام نامی ولقب سامی آنحضرت باد، ازروی کرم فطری درافت جبلی ایں نامحقر را بہ شرائط ذیل نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطن باس نیاز مند درگاہ جہاں پناہ مرحمت فرمودند، ایں مرید موروثی از صدق اعتقاد ووفور اخلاص تعہد می نماید کہ ہموارہ درایں ملک خطبۂ چہار یار باصفا اجنانچہ اسم سامی ہریک ازآں اکابر دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صریحاً

درآں مذکور شود مزین بنام نامی و لقب گرامی بندگان اعلحضرت خاقانی
ظل سبحانی در جمیع اعیاد لاینقطع می خوانده باشد و هرگز پیرامون روشے که
سابقاً میخوانده اند نگردد و پیوسته به زر سرخ و سفید سکۂ مبارک که از درگاه
عالم پناه کننده فرستاده اند میزده باشد و نیز قبول نمودم که از ابتدای سنه
۳ جلوس مقدس مبلغ ده لاکھ هون را که هشت لکه روپیه می شود از جمله چهار لکه
هون بابته نظام الملک سال به سال بلا عذر و اهمال به سرکار خاصه شریفه
داخل سازم بدیں گونه که اگر بادشاهزاده والا گوهر بلند اختر نظام بخش صوبه دکن
باشند بخدمت ایشاں بفرستم والا بهر یک از عهده هائے آں دولت ابد اتصال
که پرداخت صوبه مذکور به رائی زرین او مفوض باشد برسانم و از هشت لکه روپیه
از جمله سی لکه روپیه که تا آخر سنه هشت بالمقطع بریں نیازمند درگاه مقرر شده
بود باقیمانده نیز باده لکه هون سال بسال متصل که سنه ۳ جلوس مبارک باشد
بدرگاه معلی بفرستم و انچه تفاوت قیمت جواهر و فیلان و اسپان و غیرها
موافق قیمت حضور اشرف بست، بقیمت گلکنده از پیشکش حال مشخص شود
ایں مرید موروثی تعهد می نماید بلا عذر داخل خزانۂ عامره سازد، و در سنوات آینده
هم اگر چیزے در جملۂ زر پیشکش فرستاده شود همیں طریقه مسلوک باشد و بعد ازیں همیشه
با ولیائے ایں دولت عظمی از صمیم قلب یکرنگ و موالف و با مخالفان که اهم
بی سای بیشتر نیستند از ته دل دشمن و مخالف باشم، تا راستی رسوخ ایں
نیازمند به تعهدات مذکوره ظاهر و باهر گردد و حضور رفعت پناه فضایل و کمالات
دستگاه مولانا عبد اللطیف بر قرآن مجید دست گذاشته قسم یاد کردم که خلاف
انچه تعهد کرده ام از من سرزند و اگر خدا نخواسته باشد مصدر لاف آں گردم
اولیای دولت قاهره در انتزاع ملک من محق خواهند بود۔ طریقه عهدهائے دولت

کہ صوبہ دار دکن باشند آنکہ چوں ہم چشماں بہ سبب پیش قدمی ایں نیاز مند
در قبول اطاعت و بندگی، درگاہ جہاں پناہ کمر بعداوت من جمیعاً بستہ اند اگر
احیاناً عادل خانیہ بعد از معاودت رایات عالیات از کوتاہ اندیشی و ناعاقبت بینی
دست تطاول بملک ایں نیاز مند دراز کنند ایشاں در دفع شر آنہا از من
و ملک من ممد و معاون باشند و اگر با وجود آں کہ ایں نیاز مند طلب امداد
و اعانت نماید و صوبۂ دکن بہ تغافل بہ گذرانند و عادل خانیہ بہ عنف و تعدی
از یں نیاز مند بگیرند، آں مبلغ دریں ہشت لکھ روپیہ پیشکش ہر سال مجری باشد
ایں چند کلمہ بر سبیل حجت نوشتہ شد۔ تحریر فی التاریخ شہر ذی حجہ الحرام
سنہ ہزار و چہل و پنج۔

اس اثنا میں چونکہ برسات کا موسم آگیا تھا اس لئے شاہجہاں دولت آباد سے براہ برہان پور ماڈو (شادی آباد) کی جانب عازم ہوے۔ ماڈو میں پہنچکر بادشاہ نے کشمیر خاں منصبدار کو بھیجکر شیخ محمد طاہر کو آب نربدہ سے عبور کرانے کا انتظام کرایا اور ماڈو میں جشن وزن مبارک[1] کے موقع پر شیخ محمد طاہر کو حاضر رہنے کا حکم ہوا چنانچہ اس روز شاہجہاں نے ترازوے وزن سے طلا، ونقرہ وجواہر کے دو طبق شیخ محمد طاہر کو سرفراز کئے اور اس موقع پر سوائے حاجب قطب شاہی کے کسی امیر کو یہ عزت میسر نہیں ہوی اکثر اوقات فرط عنایات سے بادشاہ شیخ محمد طاہر کو مجلس خاص یعنی غسل خانہ میں بھی باریاب فرماتے تھے۔ الحاصل جب شیخ محمد طاہر کو حیدرآباد واپس ہونے کی پروانگی مرحمت ہوی تو بادشاہ نے اظہار خوشنودی کے طور پر اپنی طرف سے ایک عہدنامہ مرتب فرماکر ایک لوح طلائی پر اس کو کندہ کرایا اور ایک ہاتھی جس کا نام ظفر نشان تھا۔ قطب شاہ کے لئے ہمراہ کیا اور اس کو زنجیر و زنگ نقرئی اور زر بفت کی جھول سے آراستہ کرنے کا حکم دیا اس کے علاوہ شبیہ مبارک اور تسبیح مروارید جس میں زمرد کہنہ کے دانے تھے۔ سلطان عبد اللہ کو بھیجی

[1] شاہان مغلیہ کا دستور تھا کہ نوروز کے موقعہ پر سونے چاندی موتی جواہر میں بادشاہ کا وزن کیا جاتا تھا۱۲

اور شیخ محمد طاہر کے ہمراہ اپنی طرف سے خواجہ طاہر کو روانہ کیا مگر برہان پور پہنچکر خواجہ طاہر نے انتقال کیا اس لئے بادشاہ نے خواجہ زاہد کو ان کے بجائے بھیجدیا چنانچہ یہ لوگ اوایل شعبان ۱۰۴۶ھ میں ممالک محروسہ کی سرحد میں داخل ہوے۔ جب سلطان عبداللہ کو ان لوگوں کے آمد آمد کی خبر رہوی تو صالح بیگ سرنوبت سرحد پر استقبال کے لئے روانہ کیے گئے اور حسین ساغر پر حسب سابق میر معزالدین محمد مشرف الملک نے پیشوائی کی۔ ۱۰ ارشعبان کو سلطان عبداللہ نے حسب دستور سابق حسین ساغر کے میدان میں خواجہ زاہد سے سلطان خیموں میں ملاقات کی۔ شاہجہاں نے نواب علامی ابن خاتون کے لئے معاملات کو صلح و آشتی کے ساتھ طے کرنے کے صلہ میں قبائے زربفت خاصہ کی خلعت فاخرہ دستار و کمر بند خاصہ اور دوراس اسپ تازی بازین و براق ہمین روانہ فرمائی تھیں جو سلطان کے ملاحظہ سے گذرنے کے بعد علامی ابن خاتون کو مرحمت ہوئیں خواجہ زاہد رمضان کا مہینہ حیدرآباد میں بسر کرکے عید کے بعد آگرہ واپس ہوے۔

حضرت صاحبقران ثانی کا عہدنامہ جو لوح طلائی پر کندہ تھا حسب ذیل تھا۔

"ایالت و شوکت پناہ عظمت و حشمت دستگاہ، عمدۂ ارباب دول، قدوۂ اصحاب ملل، زبدہ مخلصان ارادت کیش، قطب الملک بعنایات بی غایات بادشاہانہ مستظہر بودہ بداند کہ چوں دریں ولا آں قطب فلک ایالت، بیاوری بخت اختیار بندگی و اطاعت ایں درگاہ آسمانجاہ نمودہ خطبہ را کہ قرین بنام نامی خلفائے راشدین مہدیین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و محلّی بالقاب سامیہ ما بود، در ملک خود بر روس منابر بلند آوازہ گردانید و وجوہ دراہم و دنانیر را بسکۂ مبارک ما آراستہ و پیراستہ ساخت و قرار داد کہ ہمیشہ بہ ہمین دستور در تمام آں ملک خطبہ میخوانده باشند و زر را بسکۂ مبارک ما مسکوک می نمودہ باشند و پیش کشی کہ مقرر فرمودہ بودیم بدرگاہ

والا ارسال داشت و قبول نمود که از جمله انچه به نظام الملک می داد هر سال
دو لکھ ہون را که ہشت لکھ روپیہ باشد به سرکار خاصه شریفه رساند بنابر آں
ما تقصیرات گذشته او را عفو فرمودیم و ملکے که در تصرف آں عمدۂ ارباب
دول است براو مقرر و مسلم داشتیم، خدا و رسول خدا شاهد ایں مراتب
ساخته حکم میفرمائیم که مادام آں قطب فلک ایالت و اولاد و احفاد او بشروط
مذکوره عمل نمایند و خلاف آں نکنند انشاء الله تعالیٰ از ما و فرزندان کامگار
نامدار برخوردار ما، و امرائے عالیمقدار ما، حضوری بآں ملک مزید نخواهد رسید
و خلاف عهودی که دریں لوح طلا که در ثبات ثانی لوح محفوظ است منقوش
گشته بفعل نخواهد آمد و ایں قرار نسلاً بعد نسل و قرناً بعد قرن هم چو سد سکندر
استوار خواهد بود۔ هفتم شهر ربیع الثانی سنه هزار و چهل و شش هجری
مطابق هفدهم شهر لو سنه ۹ جلوس مقدس تحریر یافت۔ "

(باقی)

صفحہ (۸۰) پر فاضل مضمون نگار نے شاہ جہاں بادشاہ کے اس سکہ کا ذکر کیا ہے جسے
سلطان عبداللہ قطب شاہ نے دارالضرب گولکنڈہ مضروب کرایا تھا۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ سکے ۱۰۴۵ھ
کے بعد سے مضروب ہونا شروع ہوئے ہیں۔ لیکن برٹش میوزیم لندن اور انڈین میوزیم کلکتہ میں ان کے جو منقوش
موجود ہیں ان کی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جلوس شاہجہانی کے پانچویں سال سے جو ۱۰۴۲ھ کے مساوی ہے
یہ سکے گولکنڈہ میں مضروب ہونے لگے تھے۔ چنانچہ اسی سنہ کے ایک سکہ کا نقش ذیل میں درج ہے۔

اشرفی و روپیہ

دارالضرب گولکنڈہ ———— تاریخ ضرب سنہ ۵ جلوسی و ۱۰۴۲ھ ہجری

رخ اول

محمد لا اله الا الله
رسول الله
ضرب گولکنڈہ
۱۰۴۲

رخ دوم

شاہ
شاہ جہان بادشاہ غازی
شہاب الدین محمد
صاحبقران ثانی

تبصرہ

سیر المصنفین جلد دوم۔ تصنیف مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا۔ بی۔اے۔ ایل ایل بی۔ مکتبہ جامعہ اسلامیہ دہلی ۱۹۲۸ء صفحات (۰۰ء) قیمت تین روپیہ آٹھ آنہ

زبان اردو کے نثر نگاروں کا تذکرہ ہے مصنف نے نثر اردو کی ابتداء سے دور جدید کے آغاز تک مشہور نثر نگاروں کے حالات زندگی جمع کئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان ترقیوں اور تبدیلیوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو سو سال کے عرصہ میں اس زبان میں واقع ہوئے ہیں۔

مصنف نے نثر اردو کی تاریخ تین دور پر تقسیم کی ہے۔ پہلا دور فورٹ ولیم کالج کے مصنفین سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے دور میں ان مصنفین کے حالات ہیں جو غدر سے پہلے دہلی اور لکھنؤ میں گذرے ہیں تیسرا دور غدر سے شروع ہو کر ۱۹۱۴ء پر تمام ہوا ہے۔ مصنف نے پہلے دو دور جلد اول کی صورت میں شائع کئے ہیں۔ جلد دوم میں تیسرے دور کا تذکرہ ہے اور اس پر کتاب ختم ہو گئی ہے۔

مصنف نے دور آخر کو اردو کے عنفوان شباب کا زمانہ قرار دیا ہے۔ اس میں سر سید مرحوم مولوی چراغ علی۔ مولوی محمد حسین آزاد۔ مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی نذیر احمد۔ مولانا شبلی مولانا حالی۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار اور مولوی عبد الحلیم شرر۔ مولوی عزیز مرزا۔ جسٹس کرامت حسین۔ مولوی سید احمد دہلوی۔ ظفر علی خان خواجہ غلام الثقلین۔ ماسٹر پیارے لال مولوی سید سلیمان۔ مولوی وحید الدین سلیم۔ مولوی عبد الرزاق کانپوری وغیرہ کے حالات حواشی میں لکھے ہیں۔ الحاصل اس دور میں جس قدر مشہور مصنف گذرے ہیں ان کے تذکرے اور تصنیفات کے حالات اس میں تفصیل کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ ہر مصنف کے تذکرے کو

ختم کرکے اون کی نثر تحریروں کے مختلف نمونے بھی درج کئے ہیں جن سے زبان کی تبدیلیوں اور ہر ایک مصنف کے طرز و تحریر و اسلوب بیان کا اندازہ ہوتا ہے۔

مصنف نے عام شہرت کے لحاظ سے داستان امیر حمزہ کی ضخیم ضخیم جلدوں کو جو نولکشور پریس میں چھپی ہیں شیخ فیضی کی تصنیف بتایا ہے۔ لیکن اس کو فیضی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ کسی معاصر مورخ نے اسے فیضی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اکبر بادشاہ نے اس داستان کا ایک مُرقع تیار کرایا جس کی بارہ جلدیں تھیں اور ہر جلد میں سو ورق تھے ہر ورق پر ایک یا دو تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اور ہر تصویر پر بطور عنوان حالات متعلقہ لکھے گئے تھے اس کی ترتیب کا اہتمام خواجہ عطاءاللہ منشی قزوینی کے تفویض تھا۔ تصاویر خواجہ عبدالصمد مصوّر شیرازی کی نگرانی میں مصوران دربار بنایا کرتے تھے۔ یہ مرقع جس میں بارہ سو سے زیادہ تصویریں تھیں تباہ و برباد ہو گیا اس کے (۶۱) تصاویر وآنا کے عجائب خانہ میں اور (۲۷) تصاویر لندن کے البرٹ اور وکٹوریا میوزیم میں موجود ہیں۔ آخر الذکر تصاویر سے انتخاب کرکے (۱۲) تصویروں کی نسبت اسٹینلی کلارک نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جو ہندوستانی تصاویر کے نام سے ۱۹۲۱ء میں لندن میں چھپی ہے۔

عصر قدیم مرتبہ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر۔ دلگداز پریس کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنو صفحات (۲۲۰) قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔

انگریزی زبان کی مشہور تاریخ "لینڈ مارکس آف ہسٹری" کا ترجمہ ہے اس میں ابتدا تخلیق عالم سے جناب مسیح علیہ السلام کی ولادت تک دنیا کی تمام قدیم متمدن اقوام کے واقعات مذکور ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کتاب مصر۔ اسیریا۔ بابل فارس۔ فلسطین۔ یونان و رُوم کی گذشتہ تاریخ اور وہاں کے باشندوں کی دور افتادہ تہذیب کا آئینہ ہے۔ یہ مضامین اُردو زبان میں نئے نہیں ہیں بلکہ اس سے پہلے اس کتاب کے دو ترجمہ اور بھی اُردو میں شایع ہو چکے ہیں۔ ان میں پہلا ترجمہ منشی محمد سعید خاں کا ہے جو سیر المتقدمین کے نام سے ۱۸۷۲ء میں علیگڈھ میں طبع ہوا ہے۔ اس کے چار سال بعد دوسرا ترجمہ پنجاب کے مولوی غلام مصطفی صاحب نے کیا ہے جو تاریخ المتقدمین کے نام سے ۱۸۷۶ء میں لاہور میں چھپا ہے۔ لیکن

مولانا شرر کا ترجمہ ایک خاص طرز بیان رکھتا ہے اور ایسا فصیح و بلیغ ہے کہ اس کے باعث اوسے سابقہ ترجموں پر غیر معمولی فوقیت حاصل ہوگئی ہے سوا اس کے اس میں بعض اور بھی خوصیات ہیں۔ اولاً اصل کتاب میں بعض باتیں اسلامی معتقدات کے خلاف تھیں مولانا نے ایسے مقامات پر مناسب اصلاح کردی ہے۔ ثانیاً مصنف نے تعین از منہ کے لئے مسیح علیہ السلام کی ولادت سے حساب لگایا تھا مولانا نے اس کے خلاف جناب ختم المرسلین کی ولادت سے ہر واقعہ کا تعین کیا ہے اور اس سے مسلمانوں کو یہ فائدہ ہوا کہ وہ ہر واقعہ کی نسبت اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ظہور اسلام سے کس قدر عرصہ قبل سرزد ہوا ہے۔ ثالثاً سابقہ ترجموں میں رجال اور بلاد کے اسماء انگریزی تلفظ کے موافق لکھے گئے تھے۔ مولانا نے اس میں ان اسماء کا وہ تلفظ اختیار کیا ہے جو مصنفین عرب کے یہاں مستعمل ہے۔ اور یہ تلفظ قدیم تلفظ سے بہت قریب تر ہے۔ الغرض مولانا کی کوشش سے اس ترجمہ میں اسلامی تصنیفات کی شان پیدا ہوگئی ہے۔

تاریخ مغربی یورپ

مترجمہ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا بی اے ایل ایل بی مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی صفحات (۲۸۲) قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ۔

ڈاکٹر رابنسن کی مشہور تاریخ کا ترجمہ ہے۔ اسمیں قرون وسطیٰ کے حالات ہیں۔ سلطنت روما کے زوال سے اس کی ابتداء ہوی ہے۔ درمیان میں حروب صلیبیہ کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ حکومتوں کے عروج و زوال کو بیان کرتے ہوے ہر عہد کے تہذیب و تمدن اور علمی ترقیوں کی سرگذشت بھی بیان کی ہے۔

ڈاکٹر رابنسن ممالک متحدہ امریکہ کے مصنف ہیں اور کئی سال تک سلوانیا اور کولمبیا کی یونیورسٹیوں میں پروفیسر رہ چکے ہیں اس تاریخ میں فاضل ڈاکٹر نے ان واقعات کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے جو انسانی حالات کی ترقی میں ضروری عناصر سمجھے گئے ہیں اور ان سے نوع بشر کی رفتار زندگی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ ترجمہ کی زبان صاف اور سلیس اور بامحاورہ ہے اور اس میں ایسی سلاست اور روانی ہے کہ یہ کتاب ترجمہ نہیں بلکہ تصنیف معلوم ہوتی ہے۔

ذکری

تصنیف خواجہ محمد عبدالحی فاروقی استاد و ناظم دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی صفحات (۲۷۲) قیمت تین روپیہ۔

پروفیسر صاحب تفسیر الفرقان فی معارف القرآن کے نام سے قرآن کریم کی ایک

حکیمانہ تفسیر لکھ رہے ہیں۔ اس وقت تک اس کی مختلف اجزا عبرت برہان ۔ بیان ۔ بصائر وغیرہ مختلف ناموں شائع ہو کر مقبول عام ہو چکے ہے۔ یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک جلد ہے۔ جس میں پارہ عم کی (۳۷) سورتوں کی تفسیر کو رہے۔ اس کے مضامین اگرچہ حکیمانہ ہیں لیکن طرز بیان اس قدر مرغوب اور عام فہم ہے کہ کتاب ختم کئے بغیر چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ اردو میں اپنی طرز کی ایہ ایک ہی کتاب ہے! اور موجودہ زمانہ کے ساتھ خاص مناسبت رکھتی ہے۔

فقرائے اسلام

تصنیف مولانا عبدالسلام ندوی۔ صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی پنڈی بھاؤ الدین پنجاب صفحات (۱۶۸) قیمت ایک روپیہ

اس کتاب میں افاضل مصنف نے اون علماء اسلام کی سبق آموز حالات جمع کئے ہیں جنھوں نے غربت اور فقر و فاقہ کے باوجود مذہب اسلام کی خدمت کی اور اس کے اصول وارکان کو مستحکم و استوار کیا۔ اس کی ابتداء جناب ختم المرسلین کے حالات سے ہوی اس کے بعد صحابہ اور تابعین سے (۹) بزرگونکے اور علماء و فضلاء سے (۶۳) اکابرین کے تذکرے ہیں اور ایس خصوصیت کے ساتھ اخلاق و عادات اور فضل و کمال کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بڑی دلچسپ کتاب ہے اخلاق و حکم کے اسمیں بہت سے عبرت انگیز نکتے حل ہو گئے ہیں۔

زبان اردو اور ادب

اردو سرویے کمیٹی رپورٹ مرتبہ مولوی سید ضامن علی صاحب ایم اے صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی ۔ ہندوستانی ایکاڈمی صفحات (۱۳۴) قیمت (عہ/) ہندوستانی ایکاڈمی نے تصنیف و تالیف کا کام جاری کرنے سے قبل طے کیا کہ سب سے پہلے اس امر کی تحقیقات کیجائے کہ ہندی اور اردو زبانوں میں اسوقت کس حیثیت کی کتابیں موجود ہیں اور آیندہ کن کتابوں کی ضرورت ہے اس کام کے لئے ایک کمیٹی منعقد ہوی شعبہ اردو کے لئے اراکین ذیل منتخب ہوئے ۔ مولوی سید ضامن علی ایم اے (الہ آباد یونیورسٹی) مولوی سید مسعود الحسن ایم اے (لکھنو یونیورسٹی) مولوی رشید احمد ایم اے (علی گڈھ یونیورسٹی) مولوی سید ضامن علیصاحب نے بحیثیت صدر کمیٹی یہ رپورٹ مرتب کی ہے اسمیں ابتداً زبان اردو کی مختصر تاریخ ہے اسکے بعد ادب اردو کی آیندہ ضرورتوں پر فاضلانہ مباحث مذکور ہیں آخر میں اردو تصنیفات کی ایک فہرست ہے جس میں قدیم و جدید دونوں عہد کی کتابوں کے نام درج ہیں یہ فہرست اگرچہ بہت نامکمل ہے ۔ تاہم نقش اول ہونے کے لحاظ سے یہ سعی قابل ستائش ضرور ہے

تاریخ ادب اردو

مترجمہ مولوی مرزا محمد عسکری بی اے - منشی نولکشور پریس لکھنؤ صفحات تقریباً ۸۰۰ قیمت نو روپیہ

کچھ عرصہ پہلے مسٹر سکسینہ ایم اے نے انگریزی زبان میں ہسٹری آف اردو لٹریچر کے نام سے زبان اردو کی ایک مفید تاریخ لکھی ہے۔ اسی کتاب کا ترجمہ ہے فاضل مترجم نے صرف ترجمہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ بعض جدید معلومات بھی اس میں اضافہ کر دی ہیں جس کے باعث ترجمہ اصل سے زیادہ کار آمد ہو گیا ہے ترتیب اس کی انگریزی کتاب کے بالکل مطابق ہے۔ ابتدائی ابواب زبان اردو کی اصلیت اور قدیم تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد بالترتیب قدیم شعرائے دکن اساتذہ دہلی و لکھنؤ کے حالات لکھے ہیں۔ اس کے بعد نثر اردو کی تاریخ شروع ہوتی ہے اس میں ابتداءً فورٹ ولیم کالج کے مترجموں کا بیان ہے۔ پھر زمانہ حال تک جس قدر ممتاز نثر نگار گذرے ہیں اُن کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔ ضمناً دو مستقل ابواب میں ناول نویسی اور ڈراما نگاری کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ کتاب میں خصوصیت کے ساتھ ایسے واقعات کی تصحیح کی گئی ہے جو بے بنیاد اور غلط طور پر مشہور ہو گئے تھے۔ اُن کے ساتھ ساتھ ایسے معلومات بھی کثرت کے ساتھ درج کئے ہیں جن سے دنیا ابتک بے خبر تھی۔ الغرض اردو کی تاریخ نظم و نثر کی نسبت جس قدر ضروری باتیں ہیں وہ سب مصنف نے اس میں جمع کر دی ہیں اور اس موضوع پر اس وقت تک جس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب پر کثرت معلومات اور خوبی ترتیب کے لحاظ سے اس کو تفوق حاصل ہے۔

ہر بیان میں مصنف نے سلسلہ تاریخ کو تا امکان قایم رکھا ہے۔ جغرافیہ کے لحاظ سے بھی مضامین کی تفریق کر دی ہے۔ الزامات کے تحت میں زبان کی تدریجی ترقیوں کو نمایاں کیا ہے۔ خارجی اثرات کے باعث جو نتایج برآمد ہوئے ہیں۔ ان کی توضیحات بھی کتاب میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "اردو زبان ہند و مسلمانوں دونوں کے اتحاد کی ایک بہترین یادگار ہے"

بعض مقامات پر خفیف سی غلطیاں بھی نظر آتی ہیں مثلاً نظم کے بیان میں صفحہ ۵۹ پر دہ مجلس کو ولی اورنگ آبادی کی تصنیف بتایا ہے۔ حالانکہ صحیح

ذور پر اس کا مصنف ولی ویلوری ہے۔ نثر کے بیان میں صفحہ (۱۳) پر لکھا ہے کہ عیار دانش ملا حسین واعظ کی انوار سہیلی کی تلخیص ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ علامہ ابوالفضل نے اس کی بنیاد نصر اللہ مستوفی کی فارسی کلیلہ دمنہ پر رکھی ہے۔ جو بہرام شاہ غزنوی کے عہد میں تصنیف ہوی ہے۔

چمنستان شعرا

تصنیف رائے لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی۔ مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد صفحات ۲۰۵ قیمت پانچ روپیہ۔

اردو شعرا کی تذکرہ نویسی بارہویں صدی کے نصف آخر سے شروع ہوی ہے اس موضوع پر ۱۱۶۵ھ میں پہلے پہل میر تقی میر اور فتح علی گردیزی نے اپنے تذکرے لکھے ان کے چار سال بعد قیام الدین قایم نے ۱۱۶۸ھ میں مخزن نکات مرتب کیا مخزن نکات کے ۷ سال بعد ۱۱۷۵ھ میں چمنستان شعرا تالیف ہوا۔ یہ چاروں تذکرے اردو شعر و سخن کی تاریخ کا اساس اولین ہیں۔ پہلے تین تذکروں میں کم و بیش ایک سو بیس شعرا کا حال ہے۔ شفیق نے اپنے تذکرے میں ۲۰۵ شعرا کے حالات جمع کئے ہیں۔ اس اعتبار سے گذشتہ تذکروں کے مقابلہ میں ۸۵ شعرا کا حال اور نمونہ کلام اس میں زیادہ ہے۔

شفیق نے میر تقی اور گردیزی کے تذکروں پر چمنستان کی بنیاد رکھی ہے اور دوسرے ذرائع سے بہت سی مفید و کارآمد معلومات اس میں جگہ جگہ اضافے کئے ہیں اور خصوصاً مجمع النفائس اور سرو آزاد کے منقولات اس میں اکثر نظر آتے ہیں شفیق دکن کا مشہور مصنف ہے۔ ۱۱۵۸ھ میں بمقام اورنگ آباد اس کی ولادت ہوی اور ۱۲۲۳ھ میں حیدرآباد میں اس نے انتقال کیا۔ آزاد بلگرامی کے ممتاز شاگردوں سے تھا۔ تاریخ و تراجم میں اس نے بہت سی کارآمد کتابیں لکھی ہیں خصوصاً اس کے فارسی تذکرے جن کے نام گل رعنا و شام غریباں ہیں بارہویں صدی کے تصنیفات میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ تذکرہ نہایت نایاب ہے اور اس کا صرف ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اس کا خط نہایت زشت ہے۔ کرم خوردہ اور آب رسیدہ ہونے

کے باعث ان کے اکثر مقامات مغشوش ہو گئے ہیں۔ مولانا عبدالحق صاحب نے کمال محنت کے ساتھ اُس کی تصحیح کی ہے۔ دوسرے تذکروں سے مقابلہ کر کے مشکوک مقامات درست کئے ہیں اور اس بارے میں محمد افضل قاقشال کے تذکرہ تحفۃ الشعرا سے زیادہ مدد لی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تحفۃ الشعرا سے نقل کر کے ان شعرا کے حالات بھی حواشی میں اضافہ کر دئے ہیں جو چمنستان اور تحفہ میں مشترک ہیں۔ ابتدا میں ایک مبسوط دیباچہ لکھا گیا ہے جس میں شفیق کی سوانح عمری تصنیفات کے حالات اور چمنستان کے خصوصیات مذکور ہیں۔ دیباچہ میں شفیق کا سال ولادت ۱۱۵۸ھ کے عوض ۱۲۵۵ھ چھپ گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ غلطی چھاپہ کی تصحیف کے باعث ہوی ہے۔

شفیق کی تصنیفات کا تذکرہ کرتے ہوے مولانا نے لکھا ہے کہ شفیق نے حقیقت ہاے ہندوستان کپتان کرک پٹرک کے لئے تالیف کی (صث) بساط الغنایم کو سرجان ملکم کی فرمایش سے لکھا (صنا) مولانا نے شاید اصل کتابیں نہیں دیکھی ہیں بلکہ فہرستوں سے انکا بیان نقل کر لیا ہے۔ دونوں کتابیں ہمارے پیش نظر ہیں ان کے دیباچوں میں کہیں بھی ان باتوں کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ خود شفیق نے حقیقت ہاے ہندوستان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب اس غرض سے لکھنی شروع کی کہ اُسے ٹیپو سلطان کے یہاں بطور ارمغان بھیجے۔ اور جب کتاب تمام ہوی تو اُسے صاحب عالیشان کے یہاں پیش کیا۔ بساط الغنائم کا جو نسخہ برٹش میوزیم میں ہے اس کے سرورق پر ایک تحریر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "مرہٹوں کی تاریخ جس کو ۱۸۰۰ء میں لچھمی نارائن نے کرنل ملکم کے ایما سے لکھا اور اس کے نام پر ڈیڈیکیٹ کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ عبارت خارجی ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ شفیق نے اسے کرنل ملکم کے ایما سے لکھا ایک غیر مستند بات ہے۔

رسالہ

ادب

ادب ہر حیثیت سے اسم با مسمیٰ ہے۔ اردو ادب کی خدمت اس کا شیوہ ہے اور تہذیب و متانت اس کا شعار۔ تمام معاصرین نے اس کا شمار بہترین رسالوں میں کیا ہے اور آیندہ بہت کچھ ترقی کے آثار پائے ہیں۔ دل آزاری اور دریدہ دہنی لفظی نزاع۔ جماعتی تنگ نظری۔ مذہبی تعصب اور سیاسی اختلافات کے دھبوں سے ادب کا دامن پاک ہے۔ اس کی تنقیدیں بے لاگ ہوتی ہیں لیکن ادب کے دائرے سے خارج نہیں ہوتیں۔ ادب کسی خاص جماعت کا نقیب نہیں ہے۔ تمام با ادب اہل ادب اس کی برادری میں شامل ہیں۔

ادب۔ دنیا کو دکھانا چاہتا ہے کہ موجودہ صحافتی طوفان بے تمیزی میں بھی ادبی خدمات کا دامن تمام آلائشوں سے پاک رکھا جا سکتا ہے۔ مذاق عام کی پیروی کے سائے میں پروان چڑھنا تو آسان ہے لیکن ادب کا مطمح نظر اس سے بلند ہے۔ وہ مذاق عام کی اصلاح اور ادبیت و ادبی خدمات کا صحیح معیار پیش کرنا چاہتا ہے کیا اردو کے بہی خواہ ان مقدس مقاصد کے حصول میں ادب کی مدد کریں گے۔

اگر آپ کو اس رسالے کی شان، بلند نگاہی اور متانت کا اندازہ کرنا ہو تو اس کے چند پرچے ملاحظہ فرمائیے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب حجم کم از کم ۷۲ صفحہ چندہ سالانہ چار روپیہ ایک پرچہ کی قیمت ۶/

مینیجر ادب لکھنو

قلعہ دار فوٹو گرافر

اگر آپ کو بہترین تصاویر کھنچوانا ان لارجمنٹ کرانا منظور ہے تو قلعہ دار آرٹ اسٹوڈیو کو یاد فرمائیے۔ اس سے بہتر نفیس کام کرنے والا آپ کو حیدر آباد میں نہیں ملے گا۔

رزیڈنسی حیدر آباد دکن

چاند

ایڈیٹر

منشی کنھیا لال ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ایڈوکیٹ

چاند کا خاص ایڈیٹر نمبر نومبر اور دسمبر کا یکجائی نمبر ہوگا۔ سنو سے زاید اڈیٹر صاحبان نے اپنے مضامین افسانہ اور نظمیں بھیجی ہیں۔ علاوہ ان کے متعدد رنگین اور سادی تصویریں اور کارٹوں بھی شامل کئے جائیں گے۔

اس نمبر کی قیمت صرف تین روپے ہو گی مگر مستقل سالانہ خریداروں کو مفت دیا جائے گا۔ یہ رعائت نئے ششماہی خریداروں کے ساتھ نہیں کی جاسکتی۔

۲۔ چاند کے سالانہ چندے میں خاص رعائت چاند کی کثیر اشاعت کو اور بھی بڑھانے کی غرض سے اور بہت سے حضرات کی خاطر ہم نے یہ طے کیا ہے کہ جو لوگ فوراً چاند کی خریداری منظور فرمائیں گے ان سے صرف ہے لیا جائے گا۔ چاند کی کسی خصوصیت میں کمی نہیں ہو گی۔ دیر نہ کیجئے۔ اپنا نام فہرست خریداران میں فوراً درج کرا لیجیئے۔

المشتہر — مینیجر چاند چندر لوک الہ آباد

ادبی خطوط غالب یعنی مرزا غالب کے وہ تمام خطوط جسمیں انھوں نے ادبی نکات بیان کئے ہیں اس کے علاوہ مرزا کے طبعی حالات اور تمام مکتوب اسم کا تذکرہ بھی اس میں شامل ہے ادبی ذوق رکھنے والوں کو اس کتاب کی ایک جلد منگا کر ضرور دیکھنا چاہئے بیحد مفید ہے۔ قیمت صرف دو روپے۔

ملنے کا پتہ۔ مرزا محمد عسکری بی اے حکیم عبدالعزیز روڈ لکھنؤ

شاہنامہ اسلام

(مصنفہ ابوالاثر حفیظ جالندھری)

اردو نظم کی یہی ایک کتاب ہے جس میں حضرت آدم حضرت ابراہیم۔ سیدہ ہاجرہ کی ہجرت۔ حضرت اسمٰعیل و اولاد حضرت اسحٰق کے حالات کے بعد عرب کے ایام جاہلیت دنیا بھر کی شیطان پرستی اور اس ظلمت میں آفتاب صداقت کا ظہور یعنی پیغمبر اسلام سید الرسل حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ کی پیدائش کا بیان اور آپ کی رضاعت بعثت تبلیغ اور تبلیغ کی مشکلات ہجرت وغیرہ کا تذکرہ۔ جنگ بدر تک نہایت موثر اور ولولہ انگیز زبان میں نظم کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ اس کو پڑھ کر مسلمانوں کے دلوں میں غیرت کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ سائز ۱۷×۲۷ صفحات ۲۸۰ قیمت ہے علاوہ محصول

ملنے کا پتہ۔ مہتمم دفتر شاہنامہ اسلام لاہور

اسپیشل پوسٹیج اسٹامپ البم

اس البم میں یورپ امریکہ ایشیا اور افریقہ کے قریبًا ایک سو ممالک کے ۱۴ ہزار قدیم اور نادر و کمیاب مختلف قیمتوں کے اصلی اسٹامپ جمع ہیں۔ ایسا مکمل مجموعہ جو سال ہا سال کی کوشش کے بعد فراہم ہوا ہے۔ ہندوستان میں بہ مشکل میسر آسکتا ہے۔ اس کی توضیحی فہرست بھی شائع کی گئی ہے۔ شائقین اشیاء متنوعہ کیلئے یہ نادر تحفہ ہے۔ اس کی نسبت ہر قسم کی خط و کتابت کا پتہ یہ ہے

ایم ایم عسکری بی اے

حکیم عبدالعزیز روڈ لکھنؤ

تاریخ ادب اردو

یہ کتاب اردو ادب کے واسطے ایک گراں بہا اضافہ ہے جس میں زبان اردو کی ابتدا اور اس کے تمام مدارج ارتقا اور تدریجی ترقیوں کو اس حسن و خوبی کے ساتھ دکھایا گیا ہی کہ آج تک کسی کتاب میں اس شرح و بسط اور تفصیلی حالات کے ساتھ یہ مضامین نظر نہیں آے نہ صرف اردو ہی کا بیان ہے بلکہ جہاں جہاں سلسلہ تشریح میں دوسری زبانوں کا ذکر آگیا ہے اس پر بھی نظر غائر ڈالکر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اردو کی نظم کی ابتدائی حالات اور دور اول سے لیکر اس وقت تک کے تمام مشہور مشہور اساتذہ کا نہایت بسیط تذکرہ اور ان کی شاعری پر بے لاگ رائیں اور کامل تنقید کی گئی ہے وہ باتیں جو دوسرے تذکروں میں غلطی سے درج ہیں یا بہت سے بے بنیاد واقعے جو مشہور ہو گئے ہیں ان کو خصوصیت سے صحیح کرکے بیان کیا گیا ہے بہت سے جدید واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے دنیا اب تک بے خبر تھی۔ دوسرے حصہ میں ہندوستان کے بہترین نثاروں ناول نویسوں اور ڈراما نگاروں کے تفصیلی تذکرے حالات اور ان کی تصانیف کا ذکر اور ان پر تنقیدیں کی گئی ہیں۔ سیکڑوں ادبی کتابوں سے اسمیں مدد لی گئی ہے اور گویا اس صورت سے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ کتاب کے آخر میں نہایت مفصل انڈکس اور فہرست مضامین شامل ہے بہت سے مشہور مشہور مصنفوں کی نایاب تصویریں بھی موقع بہ موقع دیگئی ہیں جن سے کتاب مثیل یا اور ایک نایاب مجموعہ ہو گئی ہے اصل کتاب انگریزی میں تھی جس کا ترجمہ فاضل ادیب مرزا محمد عسکری صاحب بی اے لکھنوی نے بہت سی مفید باتوں کا اضافہ کیا ہے قیمت فی جلد پانچ روپیہ

ملنے کا پتہ۔ منیجر نول کشور پریس حضرت گنج لکھنو

تذکرۂ مصنفین دہلی

تصنیف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

المتولد ۹۵۸ھ و المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ

از زمان ابتدائے فتح اسلام تا انتہائے الف عاشرہ

بسعی و اہتمام اقل العباد

حکیم سید شمس اللہ قادری

بانضمام تذکرۂ احوال مصنف و تعلیقات توضیحی

در مطبع تاریخ در بلدہ حیدرآباد دکن بطبع رسید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصنفین دہلی کا تذکرہ اور شاہ صاحب کے تصنیفات کی فہرست ان دونوں کا مطبوعہ متن راقم الحروف کے ذاتی مخطوط پر مبنی ہے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے آٹھویں سال جلوس میں بمقام شاہ جہاں آباد اسکی کتابت ہوی ہے۔ خط شکستہ ہے جس کے باعث بعض عبارتیں صاف صاف نہیں پڑھی جاتی ہیں۔ کتب خانہ آصفیہ کے مخطوط سے ایسے شکوک مقامات کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور دو تین جگہ کچھ عبارتیں بھی اس سے اضافہ کی گئی ہیں۔

ہم نے تراجم احوال کی توضیح و تشریح کیلئے حواشی میں کتابیات کا اضافہ کر دیا ہے اس سے ناظرین کے لئے مزید معلومات کے مہیا کرنے میں بڑی سہولت ہوگئی ہے اور وہ اس کی مدد سے تمام تراجم

مختلف کتابوں سے بہ آسانی نکال سکتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سر جان الیٹ نے اس کے مختلف حصے انگریزی میں ترجمہ کئے ہیں جو اُن کی تاریخ ہندوستان کی جلد ششم میں صفحہ (۴۸۳) سے صفحہ (۴۹۱) تک چھپے ہیں۔ ان کے ساتھ متن مطبوعہ کو مطابق کرنے کیلئے دونوں کے شمار صفحات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

انگریزی ترجمہ جلد ششم		مطابق بہ متن مطبوعہ		
آغاز صفحہ	۴۸۳	صفحہ ۶	سطر	۵
"	۴۸۴	" " ۶	"	۱۲
	۴۸۵	" " ۹	"	۴
	۴۸۶	" " ۱۲	"	۳
	۴۸۷	" " ۱۴	"	۱
	۴۸۸	" " ۱۷	"	۳
	۴۸۹	" " ۱۹	"	۳
	۴۹۰	" " ۳۰	"	۷
	۴۹۱	" " ۲۶	"	۱۹

تا اختتام بالاختصار

شیخ عبدالحق بن سیف الدین الترک الدہلوی البخاری

المتولد ۹۵۸ھ المتوفی ۱۰۵۲ھ

دربار اکبری کے مشہور مورخ ملا عبدالقادر بدایونی سب سے پہلے مصنف ہیں جنہوں نے شاہ صاحب کا تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب منتخب التواریخ ۱۰۰۴ھ میں تمام کی ہے اس وقت شاہ صاحب نے اپنی زندگی کے چھیالیس سال ختم کر لئے تھے اور اس کے بعد اڑتالیس سال اور زندہ رہے۔ ملا صاحب نے شاہ صاحب کو کمال تعظیم و توقیر کے ساتھ یاد کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اپنی زندگی کے اوائل ایام ہی میں مشہور اور مرجع جمہور ہو گئے تھے۔

ملا صاحب کے علاوہ شاہ صاحب کے دیگر معاصرین سے ملا محمد صادق ہمدانی ملا عبدالحمید لاہوری اور ملا محمد صالح کنبوہ نے بھی اپنی تصنیفات میں آپ کے حالات لکھے ہیں۔ خصوصاً محمد صادق نے کمال عقیدت و ارادت کے ساتھ شاہ صاحب کا ذکر کیا ہے[1]

---

[1] ملا محمد صادق نے ۱۰۴۶ھ میں کلمات الصادقین اور اس کے دس سال بعد ۱۰۵۶ھ میں طبقات شاہجہانی لکھی ہے۔ ملا عبدالحمید کے بادشاہ نامہ کا دور اول جس میں شاہ صاحب کے حالات مرقوم ہیں ۱۰۴۷ھ میں تمام ہوا۔ ملا محمد صالح نے ۱۰۷۰ھ میں شاہ جہاں نامہ تصنیف کیا ہے جو عمل صالح کے نام سے مشہور ہے اور اس کے ختم ہونے سے اٹھارہ سال پہلے شاہ صاحب نے وفات پائی۔

اور ان دوستانہ تعلقات کی صراحت بھی کی ہے جو اس کے اور شاہ صاحب کے مابین قائم تھے

خاندانی حالات خود شاہ صاحب نے اخبار الاخیار کے خاتمہ میں اپنے خاندانی کوائف تحریر کیے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اجداد ماوراء النہر کے رہنے والے تھے بخارا میں ان کی سکونت تھی۔ سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ ۷۱۶ھ) کے عہد میں ہندوستان میں آئے دہلی میں بود و باش اختیار کی[1] اور شاہ صاحب ۹۵۸ھ میں اسی جگہ پیدا ہوئے[2]۔ اس وقت

ولادت اور تحصیل علم سوری خاندان کا فرمانروا اسلام شاہ بن شیر شاہ برسر حکومت تھا ۹۶۳ھ میں جب جلال الدین محمد اکبر بادشاہ تخت نشین ہوا تو شاہ صاحب نے اپنی عمر کے آٹھ سال ختم کر لیے تھے اور تعلیم و تربیت کا آغاز ہو گیا تھا۔ شاہ صاحب تقریباً بارہ سال اپنے والد بزرگوار کے یہاں تحصیل علم میں مشغول و مصروف رہے۔ ۹۷۰ھ میں علوم متداولہ کو تمام کر لیا۔ اور بیس سال کی عمر میں تکمیل علم سے فراغت حاصل کر لی۔

فتح پور کا قیام اس زمانہ میں فتح پور دار السلطنت تھا۔ شاہ صاحب دہلی سے یہاں تشریف لائے اور کچھ عرصہ ملک الشعراء شیخ فیضی اور خواجہ نظام الدین احمد ہروی کی مصاحبت میں

شیخ جمال الدین موسیٰ کی بیعت بسر فرمایا۔ ۹۸۵ھ میں شیخ جمال الدین ابی حامد موسیٰ بن حامد بن عبد الرزاق بن عبد القادر بن محمد بن علی بن مسعود بن احمد بن صفی بن عبد الوہاب بن غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رضہ کے مرید ہوئے اور اسی سال ۲ شوال کو طریقہ قادریہ کے ارشاد و تلقین کی ان سے اجازت حاصل کی[4]۔

حرمین شریفین کا سفر شاہ صاحب نے ۹۹۶ھ میں حج بیت اللہ کا ارادہ کیا[5]۔ دہلی سے روانہ ہو کر گجرات میں آئے۔ اس زمانہ میں خواجہ نظام الدین احمد گجرات کے میر بخشی تھے ان کی

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۲۸۳ [2] مآثر الکرام صفحہ ۲۰۱ سبحۃ المرجان صفحہ ۵۲ [3] منتخب التواریخ دیکھو ضمیمہ اول

[4] زبدۃ الآثار خاتمہ کتاب صفحہ ۱۳۴ [5] اخبار الاخیار صفحہ ۳ طبقات شاہ جہانی اسکے لئے دیکھو ضمیمہ دوم

سعی و کوشش سے جہاز کا انتظام ہو گیا[1] اسی سال مکہ معظمہ میں پہنچے اور حج بیت اللہ سے
فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد اور کم و بیش تین سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے

شیخ عبدالوہاب متقی — اس زمانہ میں شیخ عبدالوہاب متقی مکہ معظمہ میں مرجع خاص و عام
بنے ہوئے تھے یہ بزرگ شیخ علی متقی کے شاگرد اور خلیفہ اعظم تھے۔ ہندوستان دکنی
کے مشہور شہر شادی آباد منڈو میں آپ کی ولادت ہوئی تھی کسی وجہ سے ترک وطن کرکے
برہان پور آئے۔ یہاں سے روانہ ہو کر گجرات کھنبایت اور سرندیب کا سفر کیا۔ ۹۶۳ھ میں
زیارت حرمین شریفین کے لئے حجاز تشریف لے گئے۔ وہاں شیخ علی متقی سے ملاقات ہوئی
اور ان کے درس میں شامل ہو کر حدیث و فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کو حاصل فرمایا مسلسل بارہ
سال تک شیخ کی خدمت بابرکت میں حاضر رہ کر فیض یاب ہوتے رہے ۹۷۵ھ ہجری میں
شیخ علی متقی کا انتقال ہو گیا تو ان کے جانشین قرار پائے اور اپنے استاد و مرشد کے مثل
چھبیس سال تک حرم کعبہ میں حدیث تفسیر اور دیگر علوم دینیہ کا درس دیتے رہے[2]

شیخ عبدالوہاب سے تلمذ — شاہ صاحب مکہ معظمہ میں پہنچنے کے بعد شیخ عبدالوہاب کے حلقۂ
درس میں شریک ہو گئے اور تقریباً ڈھائی سال فیض حاصل کرتے رہے۔ اس عرصہ میں علم
حدیث کی تکمیل اور صحاح ستہ کی سند حاصل کی۔ ۹۹۸ھ میں مدینہ طیبہ کا سفر کیا۔ روضۂ اقدس
کی زیارت سے مشرف ہوئے اسی زمانہ میں جذب القلوب کو لکھنا شروع کیا[3]

ہندوستان کو واپسی — ۹۹۹ھ کے اوائل میں ہندوستان واپس آنے کا ارادہ کیا[4] اسی
زمانہ میں حاجی بیگم حج و زیارت سے فارغ ہو کر واپس ہو رہی تھیں۔ شاہ صاحب ان کے
ہمراہ ہو گئے اور جہاز سے اتر کر بیگم کی معیت میں آگرہ تشریف لائے[5]

---

[1] منتخب التواریخ دیکھو مقدمہ اول [2] شیخ عبدالوہاب کے حالات دیکھو زاد المتقین کے مقصد ثانی میں اور اخبار الاخیار میں ص ۲۵۰ [3] جذب القلوب ص ۱۲ [4] اخبار الاخیار ص ۲۶۱ [5] منتخب التواریخ ضمیمہ اول

۱۰۰۲ھ میں ملک الشعرا شیخ فیضی نے دکن سے مراجعت کی[۱] اور جب لاہور پہنچا تو وہاں سے کئی خطوط شاہ صاحب کو لکھے اور انھیں اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ لیکن شاہ صاحب نے اس صحبت کو نامناسب خیال فرمایا اور عذر آمیز جواب دے کر لاہور آنے سے انکار کر دیا۔[۲]

خواجہ محمد باقی نقشبندی سے بیعت

۱۰۰۸ھ میں خواجہ قطب الدین محمد باقی دہلی میں تشریف فرما ہوئے تو شاہ صاحب بھی ان کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوئے۔ کمال خلوص و اعتقاد کے ساتھ آپ کے ارادت مندوں میں شریک ہو کر طریقہ نقشبندیہ کے ارشاد و ہدایت کی اجازت حاصل کی۔[۳] ۱۰۱۲ھ میں خواجہ صاحب کا انتقال ہو گیا[۴] تو شاہ صاحب نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کو اپنا مشغلہ قرار دیا۔[۵]

شہنشاہ جہانگیر کی ملاقات

شہنشاہ جہانگیر اپنے جلوس کے چودھویں سال ۱۰۲۸ھ میں کشمیر جاتے ہوئے دہلی میں وارد ہوا تو اس نے شاہ صاحب سے ملاقات کی اور اپنی تزک میں آپ کے فضل و کمال اور توکل و تجرد کا تذکرہ کیا۔[۶]

وفات

شاہ صاحب نے اکبر و جہانگیر دو بادشاہوں کے زمانے دیکھے۔ شاہ جہاں کے اواسط عہد میں جلوس کے سولھویں سال ۱۰۵۲ھ کو بہ مقام دہلی انتقال فرمایا۔[۷] روضۂ خواجہ بزرگ شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے جوار میں حوض شمسی کے کنارے مدفون ہوئے معتقدین نے مزار پر سنگ و خشت کا گنبد بنوا دیا جو اس وقت بھی موجود ہے۔ اور اسکی کیفیت مرحوم سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں لکھی ہے[۸]

---

۱ منتخب التواریخ ص ۲۸۱

۲ منتخب التواریخ ص ۲۱۸

۳ طبقات شاہ جہانی۔ دیکھو ضمیمہ دوم

۴ خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول ص ۶۰۲

۵ طبقات شاہ جہانی۔ دیکھو ضمیمہ دوم

۶ توزک جہانگیری ص ۲۸۵

۷ ماثر الکرام ص ۲۰۱ سبحۃ المرجان ص ۵۲

۸ آثار الصنادید باب سوم ص ۶۲

شاہ صاحب اپنے عہد کے یکتائے روزگار عالم اور مصنف تھے۔ خصوصاً حدیث وسیر میں آپ کے پایہ کا عالم اس وقت ہندوستان میں موجود نہیں تھا آپ کی تصنیف وتالیف کا سلسلہ سفر حرمین کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ۹۹۶ھ اور ۱۰۵۲ھ کے مابین مسلسل پچپن سال تک شاہ صاحب شغل تصنیف وتالیف میں معروف نظر آتے ہیں۔ اس عرصہ میں علم حدیث، سیر، تصوف اور علما وصلحا کے تراجم احوال پر بہت سی مفید وکارآمد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جنکی تعداد ایکسو سے زیادہ ہے منجملہ اُن کے بعض مشہور اور متداول کتابوں کے نام یہ ہیں۔

زبدۃ الآثار شیخ نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف اللخمی الشافعی المعروف بابن جہضم الہمدانی مجاور حرم کعبہ نے ۴۱۴ھ کے حدود میں ایک کتاب بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار فی مناقب السادۃ الاخیار من المشایخ الابرار کے نام سے لکھی اور اس میں بائیس مشایخ ابرار اور صوفیائے کبار کے مناقب واحوال تحریر کئے۔ جناب غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی کے مناقب سے اس کی ابتدا کی اور اس شرح وبسط کے ساتھ اسے لکھا کہ کتاب کا نصف حصہ اس سے معمور ہو گیا۔ شاہ صاحب نے اس کتاب سے صرف جناب غوث الثقلین کے مناقب منتخب کئے اور انھیں زبدۃ الآثار کے نام سے موسوم کیا۔ اس انتخاب میں کسی جگہ بھی سنہ تالیف کا تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن اخبار الاخیار ص۱۲ میں اس کا ذکر آیا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۹۹۹ھ سے پہلے تالیف ہوئی ہے۔

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار[۱] شاہ صاحب نے سفر حجاز سے واپس ہونے کے بعد ۹۹۹ھ کے اخیر ایام میں اس کتاب کو ختم فرمایا اور ۱۰۲۸ھ میں اس کی کتابت سے فراغت حاصل کی۔ اس میں ان مشاہیر

---

[۱] اخبار الاخیار دیباچہ ص۱۲۔ ڈاکٹر ریو نے فارسی مخطوطات برٹش میوزیم ص۳۵۵ میں اخبار الاخیار کا ۱۰۲۸ھ سال تالیف بتایا ہے لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ شاہ صاحب نے ان کی تاریخ تصنیف ذکر الاولیا سے نکالی ہے۔

صلحا و علماء کے حالات مذکور ہیں جو ابتدائے فتح اسلام سے الف عاشرہ کے اختتام تک سرزمین ہندوستان میں گذرے ہیں۔ خواجہ بزرگ شیخ معین الدین چشتی کے تذکرہ سے اسکی ابتدا کی ہے اور جملہ تراجم کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

طبقہ اول اس میں خواجہ بزرگ معین الدین چشتی اور ان کے خلفاء و مریدوں کا بیان ہے۔

طبقہ دوم۔ اس میں شیخ فریدالدین گنج شکر اور اُن کے معاصرین و مریدین کا تذکرہ ہے۔

طبقہ سوم۔ اس میں شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے زمانہ سے تالیف کتاب تک مشاہیر ہر قرن کے حالات ہیں۔

ان طبقات کی ابتدا میں جناب غوث الثقلین شیخ الاسلام محی الدین عبدالقادر جیلانی رح کے مناقب و محامد مذکور ہیں آخر میں اپنے اسلاف کا تذکرہ اور خود اپنے بعض واقعات ۹۹۵ھ تک بیان کیے ہیں۔

جذب القلوب الی دیار المحبوب مدینہ طیبہ کی جغرافیائی تاریخ ہے۔ علامہ نورالدین علی بن عفیف الدین عبداللہ بن احمد الحسینی السمہودی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ نے ایک کتاب وفاالوفا باخبار دارالمصطفےٰ کے نام سے ۸۸۶ھ میں بہ مقام مدینہ منورہ لکھی اور ۸۸۸ھ میں مکہ معظمہ میں مسودہ صاف کیا۔ سنہ ۸۹۳ھ میں اس کا انتخاب کیا اور اس کا نام خلاصۃ الوفا رکھا۔ شاہ صاحب نے وفاء الوفا پر اپنی کتاب کی بنیاد رکھی۔ اس کے سوا

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) جس سے ۹۹۹ھ برآمد ہوتے ہیں۔ نیز ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اپنی تاریخ میں جو ۱۰۰۴ھ میں تمام ہوی ہے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب ۱۰۰۴ھ سے پہلے مشہور اور مروج ہو چکی تھی۔

جہاں کہیں دوسرے کتابوں سے مضامین اخذ کیے وہاں اُن کے حوالے لکھدئے ہیں سنہ ۹۹۰ھ میں مدینہ منورہ میں شاہ صاحب نے اس کی تالیف شروع کی۔ اور ہندوستان واپس آنے کے بعد سنہ ۱۰۰۱ھ میں بہ مقام دہلی اس کا مبیضہ کیا یہ کتاب حسب ذیل سترہ ابواب پر منقسم ہے۔

باب اول۔ در ذکر اسماء مدینہ طیبہ
باب دوم۔ در فضایل و محامد مدینہ طیبہ
باب سوم۔ در ذکر ساکنان مدینہ طیبہ
باب چہارم۔ در ذکر انتاب ورود سید المرسلین در مدینہ طیبہ
باب پنجم۔ در ذکر ہجرت سید المرسلین
باب ششم۔ در کیفیت عمارت مسجد نبوی
باب ہفتم۔ در بیان تعمیر و ترمیم مسجد نبوی
باب ہشتم۔ در ذکر فضایل مسجد نبوی
باب نہم۔ در ذکر تعمیر مسجد قبا و دیگر مساجد نبویہ
باب دہم۔ در ذکر آباد مدینہ طیبہ
باب یازدہم۔ در ذکر بعض اماکن مابین مکہ و مدینہ
باب دوازدہم۔ در ذکر فضائل روضہ اقدس
باب سیزدہم۔ در ذکر فضایل جبل احد و شہدائے احد
باب چہاردہم۔ در ذکر فضایل زیارت سید المرسلین
باب پانزدہم۔ در ذکر حکم زیارت قبر شریف
باب شانزدہم۔ در ذکر آداب زیارت سید المرسلین
باب ہفدہم۔ در ذکر آداب صلوۃ سید المرسلین

زاد المتقین الی سلوک طریق الیقین

شاہ صاحب نے اس میں اپنے ان شیوخ و اساتذہ کے حالات لکھے ہیں جن سے سفر حجاز میں فیوضات باطنی اور علوم ظاہری حاصل کیے تھے یہ کتاب سنہ ۱۰۰۳ھ میں تمام ہوئی، اور اس کے مضامین تین مقاصد پر منقسم ہیں۔

مقصد اول ۔ در احوال شیخ علی متقی۔

باب اول۔ در ذکر مجمل از ابتدائے حال و سیر و سلوک ایشاں تا وصول بہ مکہ معظمہ و دریافت علماء و مشایخین حدیث و انتساب سلاسل مشایخ طریقت و اشتغال بہ تصنیف کتب و نشر علوم و تربیت طالبان حق۔

باب دوم ۔ درذکر بعضی از طرق و آداب ایشاں و عبادات و ریاضات
باب سوم ۔ درذکر بعضے از مقالات و حکایات کہ دال اند بر طرق و آداب و اوضاع ایشاں
باب چہارم ۔ درذکر بعضے از خوارق و کرامات ایشاں
باب پنجم ۔ درذکر بعضے از انتہائے احوال ایشاں وذکر قصۂ رحلت وانچہ متعلق است بداں۔
ضمیمہ ۔ رسالۂ تبیین الطرق کہ اول مصنفات ایشاں است

مقصد ثانی ۔ دراحوال شیخ عبدالوہاب متقی۔
باب اول ۔ درذکر مجملی از ابتدائے احوال ایشاں و وصول بہ مکہ مکرمہ و دریافت صحبت حضرت شیخ علی متقی۔
باب دوم ۔ درذکر طرق و اوضاع و آداب ایشاں در طریق تصوف
باب سوم ۔ درذکر بعضے از مناقب و کرامات و احوال و مقامات و ریاضات و مجاہدات ایشاں کہ از زمان صغر تا ایں وقت بظہور رسیدہ بوجود آمد
باب چہارم ۔ درذکر بعضے از عجائب و غرائب کہ در آوان مسافرت و زمان سیاحت دیدہ بود
باب پنجم ۔ درذکر تشریف ایں فقیر بہ صحبت ایشاں و التزام ملازمت ایشاں در مدت اقامت آں مقام شریف و حصول اجازت خرقۂ خلافت علم حدیث و تصوف و ادعیہ و احزاب و دیگر عنایات و رجوع بوطن اصلی بامر ایشاں

مقصد ثالث ۔ درذکر بعضے از مشائخ و فقرائے آں دیار رحمہم اللہ علیہم اجمعین ۔
(۱) شیخ محمد بن عراقی صاحب تنزیہ الشریعۃ (۲) شیخ ابوالحسن المصری البکری الشافعی المتوفی سنہ ۹۵۲ھ استاد مولانا محمد طاہر فتنی (۳) شیخ محمد بن شیخ ابی الحسن البکری المتوفی سنہ ۹۹۱ھ (۴) شیخ زین العابدین (۵) سید عبداللہ القادری الحضرموتی - (۶) شیخ ابوبکر ابن سالم الحضرمی (۷) شیخ شہاب الدین احمد بن حجر المکی الہیتمی المتوفی سنہ ۹۷۳ھ

(۸) شیخ محمد حضاعی از فقہاے مصر (۹) شیخ احمد ابو الحرم المدنی المتوفی ۱۰ (۱۰) شیخ علی ابن جاراللہ القرشی المخزومی المکی (۱۱) شیخ محمد الحنفی (۱۲) شیخ محمد التنوفری المصری المالکی المتوفی ۹۹۹ھ (۱۳) شیخ محمد البہنسی (۱۴) سید حاتم ابن احمد الدہلوی الیمنی النخالی (۱۵) سیدی الشیخ الخضری (۱۶) شیخ عیسی المعزلی المدنی (۱۷) شیخ علی ابن عیسی الحلبی القادری (۱۸) مولانا اسمٰعیل شیروانی نقشبندی (۱۹) مولانا شیخ حاجی نصراللہ بدخشی (۲۰) مولانا نصراللہ سراری (۲۱) مولانا محمد (۲۲) شیخ عبداللہ (۲۳) شیخ رحمت اللہ السندی (۲۴) شیخ مولانا عبداللہ السندی (۲۵) فقیہ محمد نالیتی (۲۶) میاں خدابخش دکنی

ذکر الملوک ہندوستان کی عام تاریخ ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے سلطان معزالدین محمد بن سام کی فتوحات سے شہنشاہ اکبر کی تخت نشینی تک واقعات تحریر کئے ہیں۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن سام کے فتح ہندوستان سے سلطان ناصرالدین محمود بن سلطان شمس الدین التمش کے جلوس تک جو زمانہ گذرا ہے اس کے حالات طبقات ناصری سے ماخوذ ہیں غیاث الدین بلبن نے فیروز شاہ تک آٹھ بادشاہوں کا تذکرہ تاریخ فیروز شاہی سے منقول ہے۔ اس کے بعد اکبر کے جلوس تک جس قدر بادشاہ ہوے ہیں اُن کا احوال معتبر روایات اور عینی مشاہدات کی بنا پر مرقوم ہے۔

یہ کتاب ۱۰۰ھ میں تمام ہوی ہے اور اس کے مضامین حسب ذیل آٹھ مقالوں پر منقسم ہیں۔

مقالہ اول۔ در ذکر سلاطین دہلی
مقالہ دوم۔ در ذکر سلاطین بنگالہ
مقالہ سوم۔ در ذکر سلاطین جونپور
مقالہ چہارم۔ در ذکر سلاطین ملتان
مقالہ پنجم۔ در ذکر سلاطین گجرات
مقالہ ششم۔ در ذکر سلاطین دکن۔
مقالہ ہفتم۔ در ذکر سلاطین مالوہ
مقالہ ہشتم۔ در ذکر سلاطین کشمیر

شیخ فرید بخاری (وفات ۱۰۲۵ھ) جہانگیر کے امرا کے دربار سے گذرے ہیں۔ آپکی

فرمائش سے سنہ ۱۰۱۴ھ میں شاہ صاحب کے فرزند شیخ نورالحق مشرقی نے ہندوستان کی مختصر تاریخ لکھی اور اسے زبدۃ التواریخ کے نام سے موسوم کیا۔ یہ کتاب حقیقت میں ذکر الملوک کا ترمیم شدہ نسخہ ہے۔ اور اس میں نورالحق نے اکبر کی تخت نشینی سے زمانۂ ترتیب کتاب تک تخت گاہ دہلی اور اس کے ہمعصر سلاطین کا تذکرہ اضافہ کردیا ہے۔

شرح سفر السعادۃ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب بن محمد الشیرازی فیروزآبادی المتوفی سنہ ۸۱۷ھ نے ایک رسالہ سفر السعادۃ کے نام سے لکھا اور اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادات و عادات و اعمال و اخلاق زکیہ نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کئے لیکن اصحاب ظواہر کی تقلید میں اپنے مدعا کے خلاف جو باتیں نظر آئیں ان کے فاسد و باطل ہونے کا ادعا کیا۔ اور اکثر مواضع پر مذاہب مجتہدین کی مخالفت کی اور جو احادیث شاذ مصنف کے خلاف نہیں ان کو غیر صحیح قرار دیا۔ اس کے سوا کتاب کے آخر میں ایک باب اور شامل کیا جس میں بعض احادیث کی نسبت تحقیق و تنقید کی اور انھیں موضوع اور باطل ثابت کرنے میں ابن جوزی وغیرہ محدثین متاخر کی پیروی کی۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے پیروان مذاہب مجتہدین کے دلوں میں شبہات و ترددات کے پیدا ہونے کا قوی احتمال تھا۔ اس لئے شاہ صاحب کو اس کی شرح لکھنے کا خیال ہوا تاکہ حقیقت حال کا انکشاف ہو۔ خطا و اشتباہ کے مواضع ظاہر ہو جائیں۔ پس شاہ صاحب نے اس رسالہ کی مبسوط شرح لکھی۔ اس میں توضیح و تشریح کے لئے موقع بہ موقع احادیث صحیحہ درج کئے۔ اور جن احادیث کو مصنف نے موضوع اور ناقابل اعتبار قرار دیا تھا ان کے صحیح ہونے کی نسبت حجج قاطعہ پیش کئے۔ ابتدا میں ایک طویل مقدمہ لکھا اور اسے دو ابواب پر تقسیم کیا۔ پہلے باب میں علم حدیث کے اصطلاحات۔ کتب صحاح اور ان کے جامعین کا تذکرہ۔ روایات ثقہ و غیر ثقہ کی نسبت امور مابہ الامتیاز۔ تحقیق و تنقید کے اصول بیان کئے۔ دوسرے باب میں ائمہ مذاہب اربعہ کے حالات اور فضائل و خصائص تحریر فرمائے۔

یہ شرح ۲۴ جمادی الاول ۱۰۶۱ھ کو تمام ہوئی (صفحہ ۱۵۵) مصنف نے اصل رسالہ کے دو نام رکھے تھے۔ سفر السعادۃ اور صراط مستقیم۔ اس لئے شاہ صاحب نے بھی شرح کو دو ناموں موسوم کیا۔ ایک طریق الافادہ دوسرا طریق القویم۔

شرح مشکوٰۃ المصابیح امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ نے کتب صحاح کے اسانید و مکررات کو حذف کر کے احادیث صحیحہ کا ایک مجموعہ مرتب کیا اور اس کا نام مصابیح السنۃ رکھا۔ خطیب ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ العمری التبریزی نے اس پر نظر ثانی کی۔ اولاً احادیث کو ابواب پر تقسیم کیا۔ ثانیاً راویات حدیث کے نام اضافہ کئے۔ ثالثاً ہر حدیث کے ساتھ اس کے ماخذات کا حوالہ لکھدیا۔ اس ترتیب و تہذیب کے بعد یہ کتاب بالکل جدید تالیف ہوگئی اور اسے مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے موسوم کیا اور ۲۰ رمضان ۷۳۷ھ کو اس کی تالیف و تدوین سے فراغت حاصل کی۔

لمعات التنقیح (زبان عربی) سفر حجاز سے واپس ہونے کے بعد شاہ صاحب نے اس کی شرح لکھنے کا ارادہ کیا۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں اسکی بنیاد ڈالی۔ ۱۰۱۹ھ کی ۱۳ ذی الحجہ کو اس کام کا آغاز کیا۔ چھ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۲۴ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو عربی شرح مکمل ہوئی۔ اور فارسی شرح کا نصف حصہ تکمیل پایا۔ بقیہ نصف اس کے چار سال بعد ۱۰۲۹ھ میں تمام ہوا شاہ صاحب

اشعۃ اللمعات (بزبان فارسی) نے اس کا نام اشعۃ اللمعات رکھا اور اس میں عربی شرح سے بہت زیادہ فوائد نفیسہ وحقائق دقیقہ بیان کئے۔ ابتدا میں ایک مقدمہ لکھا جس میں اولاً احادیث کے اصطلاحات جمع کئے۔ اس کے بعد ان پندرہ جامعان حدیث کے تراجم لکھے جن کی کتابوں سے صاحب مشکوٰۃ نے احادیث نقل کئے ہیں۔ اور ان کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) الامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن اسمعیل الجعفی البخاری المتوفی ۲۵۶ ہجری

فرمائش سے ۱۰۱۸ھ میں شاہ صاحب کے فرزند شیخ نورالحق مشرقی نے ہندوستان کی مختصر تاریخ لکھی اور اسے زبدۃ التواریخ کے نام سے موسوم کیا۔ یہ کتاب حقیقت میں ذکر الملوک کا ترمیم شدہ نسخہ ہے۔ اور اس میں نورالحق نے اکبر کی تخت نشینی سے زمانہ ترتیب کتاب تک تخت گاہ دہلی اور اس کے ہمعصر سلاطین کا تذکرہ اضافہ کر دیا ہے۔

شرح سفر السعادۃ علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب بن محمد الفیروز آبادی المتوفی ۸۱۶ھ نے ایک رسالہ سفر السعادۃ کے نام سے لکھا اور اس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادات و عادات و اعمال و اخلاق زکیہ نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کئے لیکن اصحاب ظواہر کی تقلید میں اپنے مدعا کے خلاف جو باتیں نظر آئیں اُن کے فاسد و باطل ہونے کا ادعا کیا۔ اور اکثر مواضع پر مذاہب مجتہدین کی مخالفت کی اور جو احادیث منشاء مصنف کے خلاف تھیں ان کو غیر صحیح قرار دیا۔ اس کے سوا کتاب کے آخر میں ایک باب اور شامل کیا جس میں بعض احادیث کی نسبت تحقیق و تنقید کی اور انھیں موضوع اور باطل ثابت کرنے میں ابن جوزی وغیرہ محدثین متاخر کی پیروی کی۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے پیروان مذاہب مجتہدین کے دلوں میں شبہات و ترددات کے پیدا ہونے کا قوی احتمال تھا۔ اس لیئے شاہ صاحب کو اس کی شرح لکھنے کا خیال ہوا تاکہ حقیقت حال کا انکشاف ہو۔ خطاء و اشتباہ کے مواضع ظاہر ہو جائیں پس شاہ صاحب نے اس رسالہ کی مبسوط شرح لکھی۔ اس میں توضیح و تشریح کے لیئے موقع بہ موقع احادیث صحیحہ درج کئے۔ اور جن احادیث کو مصنف نے موضوع اور ناقابل اعتبار قرار دیا تھا ان کے صحیح ہونے کی نسبت حجج قاطعہ پیش کئے۔ ابتدا میں ایک طویل مقدمہ لکھا اور اسے دو ابواب پر تقسیم کیا۔ پہلے باب میں علم حدیث کے اصطلاحات۔ کتب صحاح اور ان کے جامعین کا تذکرہ۔ روایات ثقہ و غیر ثقہ کی نسبت امور مابہ الامتیاز۔ تحقیق و تنقید کے اصول بیان کئے دوسرے باب میں ائمہ مذاہب اربعہ کے حالات اور فضایل و خصایص تحریر فرمائے۔

یہ شرح ۱۴؍ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ کو تمام ہوی (صفحہ ۵۵) مصنف نے اصل رسالہ کے دو نام رکھے تھے۔ سفر السعادۃ اور صراط المستقیم۔ اس لئے شاہ صاحب نے بھی شرح کو دو ناموں موسوم کیا۔ ایک طریق الافادہ دوسرا طریق القویم۔

شرح مشکوۃ المصابیح امام ابو محمد حسین بن مسعود الفرا البغوی المتوفی ۵۱۶ھ نے کتب صحاح کے اسانید و مکررات کو حذف کرکے احادیث صحیحہ کا ایک مجموعہ مرتب کیا اور اس کا نام مصابیح السنۃ رکھا۔ خطیب ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ العمری التبریزی نے اس پر نظر ثانی کی۔ اولاً احادیث کو ابواب پر تقسیم کیا۔ ثانیاً رواۃ احادیث کے نام اضافہ کئے ثالثاً ہر حدیث کے ساتھ اس کے ماخذات کا حوالہ لکھدیا۔ اس ترتیب و تہذیب کے بعد یہ کتاب بالکل جدید تالیف ہوگئی اور اسے مشکوۃ المصابیح کے نام سے موسوم کیا اور سلخ رمضان ۷۳۷ھ کو اس کی تالیف و تدوین سے فراغت حاصل کی۔

لمعات التنقیح (زبان عربی) سفر حجاز سے واپس ہونے کے بعد شاہ صاحب نے اس کی شرح لکھنے کا ارادہ کیا۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں اسکی بنیاد ڈالی۔ ۱۰۱۹ھ کی ۱۳؍ ذی الحجہ کو اس کام کا آغاز کیا۔ چھ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۲۴ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو عربی شرح مکمل ہوی۔ اور فارسی شرح کا نصف حصہ تکمیل پایا۔ بقیہ نصف اس کے چار سال بعد ۱۰۲۹ھ میں تمام ہوا شاہ صاحب

اشعۃ اللمعات (زبان فارسی) نے اس کا نام اشعۃ اللمعات رکھا اور اس میں عربی شرح سے بہت زیادہ فوائد نفیسہ و حقائق دقیقہ بیان کئے۔ ابتدا میں ایک مقدمہ لکھا جس میں اولاً احادیث کے اصطلاحات جمع کئے۔ اس کے بعد ان پندرہ جامعان حدیث کے تراجم لکھے جن کی کتابوں سے صاحب مشکوۃ نے احادیث نقل کئے ہیں۔ اور ان کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) الامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل الجعفی البخاری المتوفی ۲۵۶ھ ہجری

صاحب جامع الصحیح (۲) الامام الحافظ ابی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری المتوفی سنہ ۲۶۱ ہجری) ۔ صاحب جامع الصحیح (۳) الامام مالک بن انس الحمیری الاصبحی المدنی المتوفی سنہ ۱۷۹ صاحب الموطا (۴) الامام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ صاحب المسند (۵) الامام احمد بن محمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ صاحب المسند (۶) الحافظ ابی داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی المتوفی سنہ ۲۷۵ھ صاحب السنن (۷) الامام الحافظ ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی المتوفی سنہ ۲۷۹ھ صاحب الجامع الصحیح (۸) الحافظ ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب النسائی المتوفی سنہ ۳۰۳ھ صاحب السنن (۹) الحافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجۃ القزوینی المتوفی سنہ ۲۷۳ھ صاحب السنن (۱۰) الامام الحافظ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی المتوفی سنہ ۲۵۵ھ صاحب السنن (۱۱) الامام الحجۃ ابوالحسن علی بن عمر البغدادی الدارقطنی المتوفی سنہ ۳۸۵ھ صاحب السنن (۱۲) الامام ابوبکر احمد بن حسین بن علی الخسروجردی البیہقی المتوفی سنہ ۴۵۸ھ صاحب سنن الکبیر (۱۳) الامام رزین بن معاویۃ العبدری السرقسطی المتوفی سنہ ۵۳۵ھ صاحب تجرید الصحاح (۱۴) الامام الحافظ محی الدین ابوذکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی المتوفی سنہ ۶۷۶ھ شارح صحیح مسلم (۱۵) الامام ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی البغدادی المعروف بابن الجوزی المتوفی سنہ ۵۹۷ھ

شرح فتوح الغیب شاہ صاحب نے شرح مشکوٰۃ کے اثنائے تالیف میں غوث الثقلین شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ المتولد سنہ ۴۷۱ھ المتوفی سنہ ۵۶۱ھ کی کتاب فتوح الغیب کا فارسی میں ترجمہ کیا ۔ لمعات التنقیح کو ختم کرنے سے پہلے اُس کے اسرار و غوامض حل کرنے کے لئے شرح لکھی اور اس کا نام مفتاح الفتوح رکھا۔

مدارج النبوۃ و مراتب الفتوۃ ۔ شاہ صاحب مدت دراز سے ارادہ کر رہے تھے کہ ایک مبسوط کتاب سیر مصطفوی میں تالیف کریں ۔ ان کے فرزند عزیز شیخ نورالحق بھی اس ارادے کی تائید کیا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ سفر السعادۃ اور مشکوٰۃ المصابیح کے شروح

مبسوط کی ترتیب وتکمیل سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مدارج النبوت کی تصنیف میں مصروف ومشغول رہے اور کئی سال کی محنت کے بعد سنہ ۱۰۴۰ھ کے حدود میں اسے تمام کیا اور اس کے مضامین حسب ذیل پانچ اقسام پر تقسیم کیے۔

قسم اول۔ در ذکر فضایل وکمالات جناب سید المرسلین صلعم

قسم دوم۔ در ذکر ولادت مبارک ونبوت وہجرت

قسم سوم۔ در ذکر وقائع سنوات کہ از ہجرت تا مبادی مرض وفات وقوع یافت

قسم چہارم۔ در ذکر حدوث مرض ووفات وتجہیز وتکفین وغیرہ

قسم پنجم در ذکر اولاد طاہرہ وازواج مطہرہ واعمام وعمات واخوات رضاعی وخدام وموالی وکتاب عمال وموذنین وغیرہ

تکملہ در بیان بعضے از صفات کاملہ

کتابیات

شاہ صاحب کے حالات کتب ذیل میں دیکھیے۔

۱۔ منتخب التواریخ	ملا عبد القادر بدایونی	کلکتہ جلد سوم	ص ۱۱۳
۲۔ توزک جہانگیری	نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ	لکھنو	ص ۲۸۵
۳۔ بادشاہ نامہ	ملا عبد الحمید لاہوری	کلکتہ سنہ ۱۸۶۷ء جلد اول حصہ دوم	ص ۳۴۱
۴۔ طبقات شاہجہانی	محمد صادق	نسخہ خطی طبقہ دہم باب اول	
۵۔ کلمات الصادقین	محمد صادق	ذکر صد و دہم	
۶۔ عمل صالح	محمد صالح کنبوہ	نسخۂ خطی خاتمہ در ذکر علما و صلحا	
۷۔ مآثر الکرام	میر غلام علی آزاد بلگرامی	طبع آگرہ سنہ ۱۹۲۰ء	ص ۲۰
۸ سبحۃ المرجان	میر غلام علی آزاد بلگرامی	بمبئی سنہ ۱۳۰۳ھ	ص ۵۲

۹۔	مظہر آدم ترجمہ سبحۃ المرجان	مولوی محمد شمس الدین احمد	لکھنؤ ۱۸۶۸ء	صہ ۸۰
۱۰۔	آثار الصنادید	ڈاکٹر سر سید احمد خاں مرحوم	کانپور ـ باب سوم	صہ ۶۲
۱۱۔	ابجد العلوم	نواب صدیق حسن خاں قنوجی	بھوپال ۱۲۹۶ھ	صہ ۹۰
۱۲۔	اتحاف النبلا	نواب صدیق حسن خاں قنوجی	بھوپال	صہ ۲۰۳
۱۳۔	حدائق الحنفیہ	مولوی فقیر محمد	لکھنؤ ۱۸۹۱ء	صہ ۴۰۹
۱۴۔	تذکرہ علمائے ہند	مولوی رحمان علی ریواقی	لکھنؤ ۱۸۹۴ء	صہ ۱۰۹
۱۵۔	بحر زخار	مولوی وجیہہ الدین لکھنوی	خطی	
۱۶۔	محبوب الالباب فہرست کتب خانہ	مولوی خدا بخش خاں	حیدر آباد دکن ۱۳۰۰ھ	صہ ۱۵
۱۷۔	مفتاح التواریخ	طامس ولیم بیل	لکھنؤ ۱۸۶۷ء	صہ ۲۴۶
۱۸۔	تاریخ ہندوستان	سر جان الیٹ	لندن جلد ششم	صہ ۱۰۵
۱۹۔	اورینٹیل بیا گرفیکل ڈکشنری	طامس ولیم بیل	لندن	صہ ۲
۲۰	فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم	چارلس ریو	جلد اول	صہ ۱۴
۲۱۔	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام		جلد اول	صہ ۳۹

ضمیمہ

(۱)

اقتباس از منتخب التواریخ تالیف ملا عبدالقادر بدایونی در ۱۰۰۴ھ

شیخ عبدالحق دہلوی حقی تخلص نیکمردیکہ مجموعہ کمالات و منبع فضایل است و جمیع علوم عقلی و نقلی را درس می گوید - و در تصوف رتبہ بلند دارد - و از جملہ تصانیف

او ترجمه تاریخ مدینه سکینه و کتابی ست در احوال مشایخ و متاخر هند که ذکر الاولیا
تاریخ آن ست - از عنفوان شباب درد طلب داشت - و چند گاهی در فتح پور بنابر
الفت قدیم با ملک الشعرا شیخ فیضی و مرزا نظام الدین احمد صاحب بود - و فقیر نیز
بتقریب ایشان شرف خدمتش را دریافته پیوسته از فواید صحبتش محظوظ بودم -
و توفیق رفتن بکعبه شریفه رفیق او شد از دهلی بطریق جذبه بهیچ چیز مقید
نا شده به گجرات رفت و بحسن سعی مرزا نظام الدین احمد و مددگاری او در جهاز نشسته
به سفر حجاز رفت - با حاجی بیگم از حج بازگشته بآگره آمد
و ملک الشعرا شیخ فیضی بعد از آمدن از ولایت دکن بنابر روش قدیم رسم طرح آشنایی
که یاران را برای گرمی مجلس و هم زبانی خویش بجان می خواست - الا پیوسته
خطی چند مشتمل بر اظهار شوق طلب شیخ حقی از لاهور فرستاد و او از نهایت آزاری که
در دل داشت نیامد و مکاتیب عذر آمیز نوشت -

(۲)

اقتباس از کتاب طبقات شاهجهانی تالیف ملا محمد صادق همدانی در ۱۰۴۶ه

طبقه دهم باب اول

در سال نهصد و نود و پنج بطریق جذبه بحرمین شریفین رفت و با شیخ عبدالوهاب
متقی که خلیفه اعظم و جانشین شیخ علی متقی رضی الله عنهما بوده صحبت داشت و علم حدیث
تصحیح نمود - و اسناد عالی حاصل کرد - از طریقه قادریه و شاذلیه مجاز شد و برخصت
شیخ عبدالوهاب متقی بوطن اصلی مراجعت نمود - و به دهلی آمد - در سال هزار و هشت
حضرت قطب الدین خواجه محمد باقی اویسی نقشبندی قدس سره بدار المعارف دهلی ارزانی

دفرمود و مستعدان وخداپرستان عالی فطرت گرد آں مرکز دائرہ قطبیت جمع آمدند حضرت مخدوم را فراوان صحبت و اخلاص بہ حضرت خواجہ پیدا شد۔ بعد از اشارہ حضرت غوث الثقلین شاہ محی الدین جیلانی اخذ طریقہ نمودہ بہ طریقہ نقشبندیہ مشغول شد و بعد از چندگاہ اجازہ ارشاد طریقہ نقشبندیہ از آنحضرت یافت۔ و بعد از وفات حضرت خواجہ حلاوت چاشنی خلوت وعزلت در مذاق حضرت مخدوم غالب آمدہ ترک آمد ورفت خانہ عالمیان کرد۔ تا امسال کہ سال ہزار و چہل و شش است پائے شکیبائے از اں پیچیدہ بہ درس و تلقین نیازمندان علم وعرفا دہلی بردارند و تمامی اوقات بابرکات بہ مطالعہ و درس حدیث و تفسیر مصروف است و عام خاص از انفاس متبرکہ وے محظوظ و مسرور است و پیوستہ بہ تصنیف کتب دینیہ اشتغال دارد۔ و در علوم عقلی و نقلی تصانیف کردہ است و تمام تصانیف وے صغیر و کبیر تا سال مذکور قریب صد باشد۔ از اں جملہ شرح سفر السعادۃ و شرح مشکات و ترجمہ مشکات در سیر مدارج النبوت دریں ایام بہ کلک تحریر سپردہ۔

(۳)

اقتباس از توزک جہانگیری

شیخ عبدالحق دہلوی کہ از اہل فضل و ارباب سعادت است دریں آمدن دولت ملازمت دریافت کتابی تصنیف نمودہ بود مشتمل بر احوال مشائخ ہند بنظر در آمدہ خیلے زحمت کشیدہ مدتہاست کہ در گوشۂ دہلی بوضع توکل و تجرید بسری بلود مرد گرامی است صحبتش بے ذوق نیست بانواع مراحم دلنوازے کردہ رخصت فرمودم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروردگار عالم جل جلالہٗ و عم نوالہٗ بفرستادۂ خود و برگزیدۂ درگاہ خود صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم میفرماید قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا و در جائے دیگر میگوید ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ باید دانست کہ مراد بایں کلمات کہ اگر ہفت دریا سیاہی شود و درختان ہمہ قلم گردد و ہنوز سیری نشود علوم و معانی است کہ دانائے غیب از کتاب لاریب بہ بعضے از بندگان خود کہ تلامذہ درس قدس و خوانندگان کتاب مبین اویند تعلیم و تلقین نمودہ است و جواہر حقائق و اسرار کہ از خزاین جود و موہبت نثار وقت عارفان ساختہ و کنوز معارف و مواہب کہ از عالم لانہایۃ لہ در بواطن قدس مواطن ایشان نہادہ و بر لسان وقت و حال و زبان تقریر و تحریر ایشاں جاری گردانیدہ است و الّا آنچہ صفات حق و ہو و ذات مطلق ست منزہ و مقدس است کہ بایں تمثیل و تنظیر ازاں تعبیر و تعریز نمایند آنجا بے نہایت گفتن اثبات تحدید و ثنائے و تقیید تبریہ و تقصیر و کوتاہی ست چہ جائے ایں مبالغہ کہ تا نظر بہ تقیید و شعر بہ تحدید ست سہ

آنجا کہ بینہایتی علم اقدس است | تمثیل را بہ بحر و درختاں مجال نیست
هر پایہ کمال کہ در فہم ما رسد | در بارگاہ عزت باری کمال نیست
ایں بینہایتی صفت خلق خالق است | نسبت بذات مطلق حق جز خیال نیست

اول موجی کہ از دریائے وحدت جوش زد نخستین کلماتی کہ در کتاب لاریب فیہ نوشتہ آمد علوم و فیوض غیر متناہی الٰہیست کہ بر روح پر فتوح محمدی کہ روح کل و عقل اول و موجود ثانی است و مرآت صور تمامہ حقائق وجوبی و امکانی و جفر جامع حروف و اسمائے الٰہی و کتابی است فائض و نازل گشت و ہر چہ در کتاب غیب و شہادت و وحدت و کثرت و ذوات و صفات و مکتوب و مسطور و مذکور بود ہمہ در لوح محفوظ ضمیر و کتاب مبین قلب وی ثبت یافت حقیقت محمدی را دریائے داں کہ ماہیات اشیاء و حقائق موجودات ہمہ امواج آں بحر مواج اند بعضی مثل آنہا و جداول و بعضے مثل اسقیہ و قرب و برخی مشابہ کوزہ و اقداح و پارہ بہ مشابہ ظرف و قطرات و ہر یکے بقدر استعداد و استمداد نصیبہ فیضی از آں دریا دارند نخست شاگرد رشید اوستاد ازل اوست کہ تحصیل علوم غیب استفادۂ معارف لاریب کہ کلمات اللہ و کلمات ربی عبارت از اں است تحصیل کردہ و تکمیل نمودہ ہم دراں عالم مدرّس مکتب جابیہ کہ بنا کردۂ صانع قدیم ست خلافت عن اللہ بر مسند تدریس جلوہ فرمودہ بر ارواح انبیاء کہ طلبہ علم غیب و خوانندگان کتاب لاریب اند افادہ و افاضہ نمودہ و ہمہ را تعلیم و تربیت نمود کنت نبیاً و آدم بین الماء و الطین اشارتی بہ شرح و بیان آں داستان است یعنی پیش از خلق اجساد و اشباہ روح من در عالم ارواح بہ صفت نبوت و انباء و تقدیم و ترتیب ارواح انبیاء متصف بودم و انبیاء و رسل ہمہ حکم امت داشتند و ازینجا کہ نبی الانبیاء و رسول الرسل از القاب و صفات منقبت آیات اوست ؎

خیر الوریٰ امام رسل خواجۂ دو کون | او از خدا و ہر چہ جز او منتہی از او
شاگرد کردگار و جہاں اوستاد خلق | دریائے علم و مخزن دیں کان گفت و گو

او جان جملہ عالم حق جان جان شمار حق را بغیر واسطۂ ذات او مجو

وصل

بعد از نزول و انتقال از اں عالم حضرات انبیا صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کہ
حاضران مجلس علم و شاگردان حوزۂ درس او بودند و ہر یکی کتابی از علم و بابی از دین خوانده
و تحصیل نموده بود و بر مسند افاده نشسته کلمات اللہ را بر خلق افاده و افاضه فرمودند مقدم
ایشاں آدم صفی آمد کہ با وجود نسبت ابوت در درس آں خلف صدق زانوئی ادب زده
صحاح لغات اسمار را تعلم نموده بود بر مسند خلافت تکیہ زده۔ ساکنان ملا اعلیٰ را تعلیم
و تلقین نموده حق استادی بر ایشاں ثابت گردانیده مقدوم و مسجود ایشاں گشت و غلغلہ
در کشور ملکوت انگند و تمامہ کائنات از تحیر و تعجب انگشت بر دہاں نہادند و دست بر
دست زدند کہ ایں چیست کہ لعبتی از خاک لبازند و چنیں بنوازند و بر پاک زادان عالم
ملکوت سرفراز گردانند و ندانستند کہ ایں خاک گنجینۂ اسرار احدی و مستودع جوہر محمدی
و اسرار نامہ الٰہی و مجموعہ کلمات نامتناہی است و بہ حقیقت مقصود اقامت حجت ربوبیت
و تعلیم آداب عبودیت و اثبات افضلیت علم بر عبادت و اتمیت کلمات اللہ بر تسبیح
و اظہار احجیت و فوقیت حاضران مدارس علم بر ساکنان صوامع قدس بود و آدم بجہت
مظہریت اسماء و صفات الٰہی را نسخہ بود جامع و کتابی بود وافی مشتمل بر آیات و کلمات
الٰہی تعالیٰ و تقدس و ملایکہ را بمطالعۂ آں علوم و معارف معلوم و منکشف شد کہ ہرگز آں را
نخوانده و ندیده بودند و باین جہت نیز آدم را بر ملائکہ حق استادی بہم رسید مگر کوردلی
و سیہ بختی کہ ایں آیات نخوانده و در کوجہل و عتو فرو رفتہ بداغ طرد و لعن موسوم آمد
از دیوان سعادت نام ایں محو شد نعوذ باللہ من ذلک بعد از اں چوں بحکم ترکیب البشری
و مقتضای حکمت الٰہی خطیۂ از آدم بوجود آمد تبلقی کلمات انابت و رحمت از پروردگار
تعالیٰ و تقدس کہ فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ بہ مقامی بالاتر از اجتباء

وہدایت نشست وجامعیت دیگر یافت و بعد از آدم صفی ایں کلمات از ابراہیم خلیل
رب جلیل ظہور یافت کہ بعد از اتمام وادائے حقوق آں بہ منصب امامت ومقام خلت
اختصاص یافت واذا ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما
وبعد از ابراہیم موسیٰ کلیم اللہ مشرف ومخصوص بکلمات گشت وبے واسطہ کلام حق شنید
وکلم اللہ موسیٰ تکلیما وپس از کلیم عیسیٰ روح اللہ آمد ومسمی بکلمۃ اللہ شد ودر مہد سخن کرد و
در عہد طفولیت، کتاب اللہ خواند وبہ آں کلمات مردہ را زندہ گردانید وابرار اکمہ وابرص
کرد وہمہ انبیاء واولیا مظہر کلمات اللہ ومحل خطاب اوپند بلکہ ہمہ ذرات کائنات واجزائے
عالم ناطق بہ ثنائے حق وشاہد بر کمالات الٰہی ومظہر کلمات نامعدود ونامتناہی وی
تعالیٰ وتقدس اند چنانکہ اگر ہفت دریا سیاہی شوند وہمہ درختان قلم گردند ہمہ ذرات
زباں باشند سپری نگردد۔ ؎

ہمہ ذرات آیات آمدہ اند — براثبات وجود او گواہ اند
زبان حال ہر ایک گشتہ گویا — کہ موجود حقیقی لیس الا
کلام آخر ہمیں نی صورت حرفست — کہ قانون بیانش نحو وصرف است
کلام البتہ موقوف زبان نیست — اگر بنود زباں آنرا زیاں نیست
وگر ہم ہست ہریک را زباں نیست — بزیر ہر زباں شیریں بیاں ست
ہمہ کس با زبان خویش گویاست — بعلم کش خدا داد ست داناست
ہر آنچہ کرد بر معنی دلالت — بود نفی کلام از وے جہالت
بایں معنی ہمہ عالم کلام ست — بگوش اہل دل زانسو پیام ست
زہر ذرہ شنو گر گوش داری — باواز بلند اوصاف باری

وصل

بعد از ظہور عالم اجسام وانقضای دور نبوت انبیائے کرام علیہما الصلوٰۃ والسلام

حکمت الٰہی اقتضای آں کرد چنانچہ ابتدائی کارخانہ نبوت وفتحیاب فیض وفتوت و تعلیم وتربیت بروح پرفتوح محمدی بود صلی اللہ علیہ وسلم ختم وانتہائی این کارنیز بوی کرد ودورۂ ایجاد وامداد بوی تمام شود پس ہماں روح اعظم وعقل کل بصورت عنصری وہیکل بشری وی متعلق شدہ از علوم وفیوض کہ تعلق بایں نشأہ داشت افادہ وافاضہ شرح وبیان کلمات اللہ نمودہ عالم وعالمیاں را تا دور قیامت مملو ومشحون گردانید نخست عصابہ صحابہ کہ باستفاضہ واستفادہ قربت نزدجاغہ اہل بیت نبو وکہ بطہارت واصابت مخصوص تر بودند جداول وانہار آں دریا وکواکب واقمار آں بیضا گشتند وعالم را از آثار علم وانوار ہدایت مستفیض ومستضی گردانیدند وبعد از ایشاں تابعین و تبع تابعین کہ پیران راستین ووارثان علم دین اند کمر جد واجتہاد بستہ ودر نشر علم اصولاً وفروعاً کوشیدہ لوا دین درآیات اسلام بحکم وکلمۃ اللہ ہی العلیا باعلے علیین بردند وآفاق واکناف عالم را شرقاً وغرباً بانوار علوم وفہوم روشن ساختند واز یک کلمہ کلمات واز یک حرف حکایات استنباط نمودند وشجرۂ طیبہ علم راکہ مثال کلمہ طیبہ است بصفت اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء از حضیض ثری باوج ثریا بردند قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان الدین معلقاً بالثریا لنالہ رجال من فارس وبعد از ایشاں جہابذہ ثقات ومشاہیر علما اخبار وآثار روایت کردہ انواع علوم واقسام فنون فراہم آوردہ وقواعد واصطلاحات بستہ وکتب ودفاتر ساختہ وابواب وفصول ترتیب دادہ از حد حصر وحیطہ قیاس بیروں بردند وہمچنیں قرناً بعد قرن علما وفضلا وفصحا وبلغا کہ افاضل ملت واکابر واعیان ایں خیر امت ومکثران سواد علم ومشتہائے بلاد فضل ونبلای وقت وفضلائے روزگار اند دہر اقلیمی ودہر ولایتی وہر شہری دریں مدت یکہزار وکسری پیدا شدند کہ در ہیچ ملتی وامتی از امم سابقہ وملل سالفہ باوجود امداد مدد طول اعمار بوجود نیامدہ وظہور نیافتند خصوصاً از طائفہ درویشاں از اہل صفوت و

ولایت وزہادت وعبادت وریاضت ومجاہدت کہ مطالع انوار معرفت ومخازن اسرار محبت ومظہر کرامات ومصدر خوارق عادت واصحاب کلمات وعبارات ظاہرہ واہل رموز واشارات واحوال ومقامات ایں طایفہ علیہ است قدس اللہ اسرارہم واظہر انوارہم

وصل

وچوں ایں انوار سرمدی از مطالعہ انوار محمدی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا بر اطراف واکناف ہندوستان تافتہ بر معمورۂ دہلی کہ مرکز دائرۂ ولایت وکرامت وقبۃ الاسلام دین وملت ست قرار یافت جمعی کثیر وجم غفیر از طوائف انام وقبائل اہل اسلام از مشایخ عظام وعلماء کرام وفصحای شیریں کلام از آفاق عالم از ولایت عرب وعجم نزول اجلال نمودہ دریں بلدۂ کرامت انجام اقامت فرمودند۔ واطراف واکناف ایں دیار کہ بظلمت کفر وجہل تنگ وتیرہ شدہ بود بہ نور ایمان وعلم روشن وکشادہ گردانیدند وکاتب سطور عصمہ اللہ اوقاتہ عن الضیاع والفتور تذکرہ ملوک وامرا در تاریخ نامہ ایں دیار کہ مسمی بذکر ملوک[1] ومتضمن تاریخ تصنیف است ضبط نمودہ ذکر مشایخ صلحا در کتاب اخبار الاخیار[2] کہ موسوم بہ سمت شیوع واشتہار است ذکر کردہ اما ذکر فضلا

---

[1] ذکر ملوک۔ ہندوستان کی عام تاریخ ہے اس میں سلطان معز الدین محمد بن سام کی فتوحات سے شہنشاہ اکبر کی تخت نشینی تک سلاطین دہلی اور ان کے ان ہمعصر بادشاہوں کا تذکرہ ہے جو بنگالہ دکن گجرات مالوہ۔ جون پور۔ ملتان اور کشمیر وغیرہ ممالک میں برسر حکومت رہے ہیں۔ یہ کتاب ۱۰۰۵ھ میں تصنیف ہوی ہے۔ ذکر ملوک تاریخی نام ہے۔ اسکی مفصل کیفیت ہمارے مضمون مورخین ہند میں دیکھیے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جو اورنگ زیب عالمگیر کے اونتیسویں سال جلوس میں مکتوب ہوا ہے۔ کتب خانۂ آصفیہ میں فن تاریخ کے نمبر ۲۰۲ پر تاریخ حقی کے نام سے موجود ہے۔

[2] اخبار الاخیار۔ ہندوستان کے مشائخ صوفیہ کا بہترین تذکرہ ہے۔ ۹۹۹ھ میں تصنیف ہوا ہے ذکر الاولیا اس کا تاریخی نام ہے۔ نام وتاریخ ایں کتاب عزیز گر کنی ذکر اولیاء احسن اسمیں خواجہ بزرگ شیخ معین الدین چشتی رح کے عہد سے زمانۂ تالیف کتاب تک دو سو چوراسی بزرگوں کے حالات ہیں۔ ہندوستان میں کئی مرتبہ طبع ہوا ہے۔ بمقام میرٹھ۔ مطبع ہاشمی ۱۲۷۷ھ۔ بمقام دہلی۔ مطبع محمدی ۱۲۸۳ھ و مطبع مجتبائی ۱۳۰۹ھ

ازعلما وشعرا بعد از حزم و یقین بہ آنکہ بسیار بودند چوں نام ونشان ایشاں پیدا نیست وافعال وآثار تصنیفات و تالیفات ہویدا نتوانست نوشت۔

شعر

ان آثار نا تدل علینا | فانظروا بعدنا الی الآثار

واگرچہ میتواند کہ بوجود آمدہ باشد اما چوں باقی نماند و مشہور نشد حکم ہبا منثورا دارد و قبول و اشتہار نعمتی دیگرست کہ از اختیار بندہ بیرون ست ؎

قبول خاطر آں در دست کس نیست | بہ مقبولی کسی را دست رس نیست

رزقنا اللہ مگر چندے کہ نام و نشان ایشاں مذکور و تصانیف و توالیف مکتوب و مسطوراست یکی ازاں افاضل کہ در زمان کرامت نشان سلطان ناصر الدین[1] بن سلطان شمس الدین التمش انار اللہ برہانہ کہ او را سلطان نصیر الدین غازی گویند قاضی منہاج الدین[2] جوزجانی بود مولف تاریخ طبقات[3] ناصری کہ بنام سلطان مذکور نوشتہ یادگاری برائے

---

[1] سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان شمس الدین التمش۔ یہ بادشاہ ۶۴۴ھ سے ۶۶۴ھ دہلی میں برسر حکومت رہا ہے۔ طبقات اکبری صـ۳۵ منتخب التواریخ طبع لکھنؤ صـ۲۵ تاریخ فرشتہ جلد اول صـ

[2] قاضی منہاج الدین۔ پورا نام منہاج الدین بن سراج الدین جوزجانی ہے اس کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ اخبار الاخیار صـ۷۵ میں مذکور ہیں اس کا اور اس کے اجداد کا مفصل تذکرہ نواب ضیاء الدین احمد خاں المتخلص بہ نیر نے طبقات ناصری سے اخذ کر کے مرتب کیا ہے جو برٹش میوزیم میں مشرقی شعبہ کے نمبر ۱۸۰ پر محفوظ ہے نیز راورٹی نے بھی ترجمہ طبقات ناصری کے دیباچہ میں اس کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔

[3] طبقات ناصری دنیا کی عام تاریخ ہے اور ۶۵۸ھ کے قریب تمام ہوی ہے اس کے مضامین (۲۳) طبقات پر منقسم ہیں (۱) ذکر انبیاء علیہم السلام (۲) ذکر خلفاء راشدین (۳) ذکر خلفاء بنی امیہ (۴) ذکر خلفاء عباسیہ (۵) ذکر سلاطین عجم (۶) ذکر سلاطین عرب (۷) ذکر سلاطین طاہریہ (۸) ذکر سلاطین صفاریہ (۹) ذکر سلاطین سامانیہ (۱۰) ذکر سلاطین دیالمہ (۱۱) ذکر سلاطین سبکتگینیہ (۱۲) ذکر سلاطین سلجوقیہ (۱۳) ذکر سلاطین سنجاریہ (۱۴) ذکر سلاطین

خود گذاشتہ است اگرچہ در بلاغت و براعت چنداں ید طولانی ندارد اما کلام او از اختصار و ایجاز بے گوشہ متانت و پختگی نیست برخی از احوال وی از آنچہ و ملفوظات مشایخ مذکور ست در اخبار الاخیار مسطور است رحمۃ اللہ علیہ

دیگر ضیاء[1] برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی[2] کہ بعد از طبقات ناصری از ابتدای سلطنت سلطان غیاث الدین بلبن تا احوال شش سالہ فیروز شاہ نوشتہ است و تالیفہا در سالہاے دیگر نیز وارد[3] مرید شیخ نظام الدین اولیا است قدس سرہٗ چیزی از احوال و اقوال وی نیز در اخبار الاخیار مذکور ست رحمۃ اللہ علیہ

(بقیہ گذشتہ) نیمروز (۱۵) ذکر سلاطین کردیہ (۱۶) ذکر سلاطین خوارزم شاہیہ (۱۷-۱۸-۱۹) ذکر سلاطین شنسبانیہ (۲۰-۲۱-۲۲) ذکر سلاطین ہندوستان (۲۳) ذکر خروج چنگیز خاں۔ ریورٹی نے پہلے چھ طبقات کو چھوڑکر باقی کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو دو جلدوں میں ۱۸۷۳ء سے ۱۸۹۷ء تک لندن میں طبع ہوا ہے۔ ڈاکٹر لیس نے فارسی متن کے آٹھ طبقے (۱۱-۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱-۲۲-۲۳) ۱۸۶۴ء میں بمقام کلکتہ سلسلہ کتب ہندیہ میں چھپوائے ہیں۔

[1] خواجہ ضیاء الدین برنی۔ اخبار الاخیار کے صفحہ (۱۰۰) پر ان کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں مولوی سید حسن برنی نے تاریخ فیروز شاہی سے اخذ کرکے خواجہ صاحب کا ایک مبسوط تذکرہ مرتب کیا ہے جو دہلی کے رسالہ جامعہ بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا ہے۔ خواجہ صاحب نے ۷۵۸ھ کے بعد انتقال کیا اور مقبرہ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء کے جوار میں مدفون ہوے۔

[2] تاریخ فیروز شاہی۔ طبقات ناصری کا تکملہ ہے اس میں سلطان غیاث الدین بلبن کی تخت نشینی (۶۶۴ھ) سے سلطان فیروز شاہ کے چھٹے سال جلوس (۷۵۸ھ) تک تخت گاہ دہلی کے آٹھ بادشاہوں کا مفصل تذکرہ تحریر ہے۔ ڈاکٹر سید احمد خاں مرحوم نے اسکی تصحیح کرکے ۱۸۶۲ء میں بمقام کلکتہ سلسلہ کتب ہندیہ میں طبع کرایا ہے۔

[3] خواجہ ضیاء الدین کی دیگر تصنیفات کے بعض نام یہ ہیں۔ ماثر السادات۔ حسرت نامہ۔ تاریخ آل برامکہ وغیرہ آخر الذکر کتاب ۱۲۸۰ھ میں بمبئی میں چھپی ہے۔

وبعد از ذی مردی دیگر تتمہ احوال سلطان فیروز شاہ و احوال بادشاہان گجرات مسمی بتاریخ بہادر شاہی[1] نوشتہ رفتہ است و تاریخ محمدی[2] نیز تاریخی ست کہ شخصی نوشتہ و تاریخ دیگر شمس سراج عفیف[3] نوشتہ است
و یکی از آنہا کہ مشہور ست بہ تصانیف و توالیف نظماً و نثراً ضیاء نخشبی[4] است کہ در بداون بود اگرچہ سخنان او نہ دراں مرتبہ است کہ تواں ذکر کرد اما مردی بود در

[1] تاریخ بہادر شاہی۔ یہ کتاب اس وقت نہایت نایاب ہے۔ بہادر شاہ بادشاہ گجرات (۹۳۲ھ تا ۹۴۳ھ) کے ایما سے تصنیف ہوئی ہے اس میں امیر ناصر الدین سبکتگین کے زمانہ سے بہادر شاہ کی تخت نشینی تک سلاطین ہند و گجرات کے حالات مرقوم ہیں۔ عہد مغلیہ میں جو تاریخیں لکھی گئی ہیں ان میں اس کا حوالہ اکثر جگہ ملتا ہے مثلاً طبقات اکبری ص۳ تاریخ فرشتہ جلد اول ص۴ مراۃ سکندری ص۵ مراۃ سکندر منجھو مصنف مراۃ سکندری نے اس کی نسبت اپنی حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے "بعد از ان شخصے تاریخ بہادر شاہی نوشتہ بعبارتی کہ مدعا ازاں مفہوم نمی شود مگر بہ قرینہ و قیاس"

[2] تاریخ محمدی۔ یہ کتاب بھی اس وقت نہایت نایاب ہے۔ خواجہ نظام الدین احمد بخشی نے اس کا نام بھی طبقات اکبری کے ماخذات میں درج کیا ہے۔ طبقات اکبری ص۵

[3] شمس سراج عفیف کی کتاب کا نام تاریخ فیروز شاہی ہے اس میں مصنف نے سلطان فیروز شاہ (۷۵۲ تا ۷۹۰ھ) کے حالات ولادت سے وفات تک نہایت تفصیل کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ ڈاکٹر ناموس نے ۱۸۹۱ء میں بہ مقام کلکتہ سلسلہ کتب ہندیہ میں اسے طبع کرایا ہے۔

[4] مولانا ضیاء الدین نخشبی۔ ان کے حالات اخبار الاخیار میں صفحہ ۱۰۱ پر مرقوم ہیں انھوں نے نظم و نثر میں بہت سی تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں مثلاً سلک السلوک یہ کتاب تصوف میں ہے اور ۱۳۲۱ھ میں مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوئی ہے۔ گلریز۔ یہ ادبی تصنیف ہے اسے مسٹر آزاد اور محمد کاظم شیرازی نے تصحیح کر کے ۱۹۱۲ء میں بہ مقام کلکتہ سلسلہ کتب ہندیہ میں چھپوایا ہے۔ کلیات و جزیات عشرہ مبشرہ۔ چہل ناموس طوطی نامہ۔ ان کتابوں کے قلمی نسخے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس کے

گوشۂ غربت خمول افتادہ واز ہیچ وزمرۂ ردو قبول واعتقاد وانکار خلق دم بستہ وخود زبان کشادہ ذکر وی نیز در اخبار الاخیار کردہ شدہ است ونقلی چند از سلاک سلوک کہ از میان تالیفات وی در بیان سخنان ایں قوم بدل نزدیک تراست ایراد یافتہ ودر بداؤنی

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

طوطی نامہ کو مولانا نے سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں طوطے کی کہی ہوی باون کہانیاں مذکور ہیں۔ ترکی۔ فارسی۔ اردو جرمنی اور انگریزی زبانوں میں اس کے متعدد خلاصے اور ترجمے ہوئے ہیں جنکی تفصیل ہماری کتاب اردوے قدیم کے ضمیمہ دوم میں مذکور ہے اور اس کا اختصار یہ ہے۔

فارسی زبان میں طوطی نامے کے دو خلاصے ہوے ہیں (۱) از شیخ ابوالفضل علائی اس کا نسخہ کتب خانۂ آصفیہ میں موجود ہے فن قصص ۴۵ (۲) از سید محمد قادری یہ ۱۸۰۱ء میں بہ مقام کلکتہ اور ۱۸۱۰ء میں بہ مقام لندن چھپا ہے۔

مولانا ضیاء الدین کا اصل طوطی نامہ حسب ذیل زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔

(۱) ترکی زبان میں بعہد سلطان سلیمان اعظم (۹۲۶ تا ۹۷۴ھ) ترجمہ ہوا اس ترکی ترجمہ کو جارج راسین نے جرمنی میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۵۸ء میں لیپزگ میں چھپا ہے۔

(۲) دکنی زبان میں دو ترجمے ہوے ہیں اور دونوں منظوم ہیں پہلا غواصی کا ترجمہ ہے۔ جو ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے دوسرا ترجمہ ابن نشاطی نے ۱۰۶۶ھ میں کیا ہے۔

(۳) انگریزی میں جیرالس نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۷۹۲ء میں لندن میں چھپا ہے۔

سید محمد قادری کے خلاصے کے حسب ذیل تراجم شائع ہوے ہیں۔

(۱) دکنی نثر میں۔ مترجم کا نام معلوم نہیں یہ ترجمہ ۱۱۴۲ھ میں تمام ہوا ہے۔

(۲) اردو نثر میں سید حیدر بخش حیدری نے ڈاکٹر جان گل گرسٹ کی فرمائش سے ۱۲۱۶ھ میں ترجمہ کیا اور طوطا کہانی اس کا نام رکھا۔

مردی بود شہاب[1] مہمرہ در اشعار امیر خسرو ذکر وی آمدہ است کہ او را تقدم گونہ
ازاں مفہوم میگردد آنجا کہ گفتہ است ؎

زلزلہ افگند در گور شہاب مہمرہ

و دریں زمانہ از سخناں وی چیزے مشہور نیست ۔

تاج ریزہ نیز شاعری بود کہ برائے شمس الملک کہ صدر زماں سلطان علاء الدین
بود و اکتساب فضائل نمود و اکثر فضلائے عصر بروی تلمذ میکردند و شیخ نظام الدین اولیا
قدس اللہ سرہ نیز در آوان طالب علمی نزد وی مقامات حریری خواندہ گفتہ است ؎

صدر اکنوں بکام دل دوستاں شدے　　مستوفی ممالک ہندوستاں شدے

و در زمان دولت سلطان علاء الدین دہلی قحط رجال افاضل و مجمع فضلائے کامل بود
باوجود جہل و مکابرہ و بیگانگی و بے پروائی و عدم اعتنا و التفات کہ اں مرو با ایں
طائفہ داشت خاصیت آں زمان چنیں افتادہ بود عمدہ فضلا و اشعر و اشہر
شعرائے آں وقت میر حسن و میر خسرو بودند علیہما الرحمہ والغفران اما

(بقیہ حاشیہ گذشتہ (۳) انگریزی میں گلائیڈوین نے ترجمہ کیا جو فارسی متن کے ساتھ سنہ۱۸۰۳ء میں
کلکتہ میں چھپا ہے ۔

(۴) جرمن میں پروفیسر ایکن نے ترجمہ کیا جو سنہ۱۸۲۲ء میں اسٹاکرٹ میں چھپا ہے ۔

[1] شہاب الدین مہمرہ ان کے والد کا نام جمال الدین تھا۔ مہمرہ واقع مملکت فارس میں پیدا
ہوے۔ ہندوستان میں آکر بدایون میں سکونت اختیار کی۔ سلطان رکن الدین فیروز بن سلطان
شمس الدین التمش کے معاصر اور شیخ ضیاء الدین نخشبی کے اوستاد تھے۔ امیر خسرو کے قصاید میں ایک شعر
بھی ملتا ہے جس میں شہاب مہمرہ کا ذکر آیا ہے ۔

در بدایون مہمرہ سرمست برخیزد ز خواب　　گر برآرد غلغلہ مرغان دہلی زیں نوا

شیخ عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں ان کے چند قصاید بھی نقل کئے ہیں۔

امیر خسرو[۱] سلطان الشعرا و برہان الفضلا است و وی عالمی بود از عوالم خداوندی آنچه او را اطوار سخن و اقسام کلام از صنائع و بدائع و مضامین و معانی دست داده کم کسی را داده باشد شعر بسیار گفتہ اما انتخاب نمودہ و دواوین متعدد جمع کردہ و ترتیب دادہ است[۲] و در بیان کثرت اشعار خود سخنی خوش طبعانہ بطریق ابہام و ایہام گفتہ اشعار من از چہار صد ہزار کمتر است و از سیصد ہزار بیشتر و اما میر حسن[۳] اگرچہ شعر کم گفتہ

---

[۱] امیر خسرو کے حالات مولانا شبلی نے شعر العجم اور مولوی سعید احمد مارہروی نے حیات خسرو میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ نیز دیکھیے کتب ذیل تذکرہ دولت شاہ سمرقندی طبع لاہور صـ۱۵۱ اخبار الاخیار صـ۹۷ بہارستان جامی صـ۹۳ میخانہ صـ۵۵ ہفت آسمان صـ۱۳۱ خزانہ عامرہ صـ۲۰۹ سفینۃ الاولیا صـ۹۵ نتائج الافکار صـ۱۱

[۲] امیر خسرو نے اپنے اشعار پانچ دواوین میں مرتب کیے ہیں (۱) تحفۃ الصغر جس میں سولھویں سال سے انیسویں سال تک کا کلام جمع ہے (۲) وسط الحیواۃ جس میں چوبیسویں سال سے بتیسویں سال تک کا کلام شامل ہے (۳) غرۃ الکمال اس میں وہ کلام جمع ہے جو بتیسویں سال سے بیالیسویں سال تک منظوم ہوا ہے۔ (۴) بقیہ نقیہ اس میں جو کلام جمع ہے اس کا تعلق عمر کے پچاسویں سال سے چونسٹھویں سال تک ہے۔ (۵) نہایۃ الکمال۔ اس میں آخری عمر کے منظومات جمع ہیں۔

امیر خسرو نے چار دواوین ترتیب دینے کے بعد ان کا ایک انتخاب مرتب کیا اور اس کا نام اربع عناصر رکھا۔ یہ مجموعہ اس وقت بھی موجود ہے اور ۱۳۰۸ھ میں نول کشور پریس میں طبع ہوا ہے لیکن متن کے اس جملہ سے "اما انتخاب نمودہ" معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتخاب جہانگیر کے عہد تک گمنام تھا اور عام طور پر مروج و مقبول نہیں ہوا تھا۔

[۳] امیر حسن سنجری۔ ان کے حالات دیکھیے کتب ذیل میں۔ اخبار الاخیار صـ۹۸۔ تذکرہ دولت شاہ صـ۱۶۴ بہارستان جامی صـ۹۹ نتائج الافکار صـ۱۱۲۔ ان کا دیوان گذشتہ سال دہلی میں طبع ہوا ہے۔

اما آنچہ گفتہ سنجیدہ گفتہ و شیریں گفتہ سخن شیخ ایشاں در تمیز و تفرقہ سخن ایہر دو بس است کہ فرمود خسرو ما دریائے شور است و حسن جوی شیریں۔

وصل

بعد از دور علائی علوم مرتبہ علم و فضل روی بہ تنزل و انحطاط نہاد و سخن رنگ دیگر گرفت تا آنکہ سلطان محمد تغلق[1] از اقسام فضایل حظی وافر داشت اما انقدر فضلا کہ در زمان علاء الدین فراہم آمدہ بودند در زمان وی نبودند یکی از مشاہیر علما و اساتذہ شہر مولانا معین الدین عمرانی[2] بود کہ بر کنز و منار و حسامی و تلخیص و مفتاح حواشی مفید و متین دارد و سلطان محمد او را بہ طلب قاضی عضد الملۃ و الدین الایجی بشیراز فرستادہ و تحلیہ و توشیح کتاب مواقف بنام خود استدعا نمودہ بود چوں مولانا نزد قاضی رفت و بر سیر ولایت ہندوستان ترغیب نمود و آنچہ سلطان محمد در خواستہ بود اظہار کرد پادشاہ آں وقت نزد قاضی عضد آمد و تمامہ ولایت با سلطنت پیش کش نمود قاضی طریقہ حیا و انصاف را سلوک نمود ہوائے سیر ہندوستان از سر بر آورد و مواقف را ہم بنام پادشاہ بادشاہ خود ساخت۔

و در عہد سلطان فیروز نیز علما و فضلا و فقہا بودند کہ بر مسند درس و افادہ جای داشتند و تاتارخانی[3] کہ کتابے طویل و بسیط در علم فقہ است ہم در عہد دولت

---

[1] سلطان بن تغلق شاہ نے ۷۲۵ھ سے ۷۵۲ھ تک حکومت کی ہے۔

[2] معین الدین عمرانی ان کے لئے دیکھئے سبحۃ المرجان صـ ۳۷ - ماثر الکرام صـ ۱۸۶

[3] تاتارخاں شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی صـ ۳۹۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ خان اعظم تاتار خاں سلطان فیروز شاہ کے امرائے عظام سے تھا اور اسے علوم شرعیہ میں خوب مہارت تھی۔ اس نے علوم دینیہ میں دو مبسوط کتابیں مدون کرائی ہیں۔ ان میں سے ایک تفسیر ہے جس میں مفسرین کے تمام توضیحات جمع کئے ہیں۔ دوسری فقہ سے تعلق رکھتی ہے اس میں فقہ کے ہزارہا مسائل فقہا کے اختلافات اور ہر مسئلہ

سلطان فیروز بنام تاتار خاں کہ از ارکان دولت وی بود تصنیف یافتہ و مصنف وے
مولانا عالم اندپتی[1] ست و بعضی گویند این تاتار خاں کہ این کتاب بنام اوست
از امرائے علائی بود واللہ اعلم

ویکی از علمائے زمان فیروز شاہ مولانا خواجگی[2] بود استاد قاضی شہاب الدین
دولت آبادی و مولانا احمد تھانیسری و قاضی عبدالمقتدر شریحی نیز از فضلائے
این وقت بودند و قاضی عبدالمقتدر[3] با وجود علم شعر نیز میگفت و شعر عربی وی بہتر از

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) کی نسبت ان کے فتاوی جمع ہیں یہ دونوں کتابیں تفسیر تاتار خانی اور فتاوی تاتار خانی کہلاتی ہیں۔ تفسیر نایاب ہے۔ فتاوی بھی اگرچہ کمیاب ہے لیکن اس کے نسخے اکثر کتب خانوں میں مل جاتے ہیں۔ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا ایک نسخہ جو نویں صدی کا مکتوبہ ہے نو جلدوں میں فن فتاوی کے نمبر ۵۸ تا ۶۶ پر محفوظ ہے۔

فتاوی کا ذکر حاجی خلیفہ نے بھی کیا ہے اور اس کے مصنف کا نام امام الفقیہ عالم بن علا الحنفی بتایا ہے۔ امام ابراہیم بن محمد الحلبی المتوفی ۹۵۶ھ نے اسکی تلخیص کی ہے۔ کشف الظنون جلد اول صہ ۲۱۱

[1] اندپہتی۔ اندھپت۔ ایک قریہ کا نام ہے جو دہلی کے قریب وجوار میں آباد تھا تاریخ فیروز شاہی صہ ۱۳۲

[2] مولانا خواجگی۔ مرید خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی۔ شاگرد مولانا معین الدین عمرانی و استاد قاضی شہاب الدین دولت آبادی۔ امیر تیمور کی یورش کے بعد دہلی سے نقل مقام کرکے کالپی میں سکونت پذیر ہوئے اور اسی جگہ ان کا انتقال ہوا۔ اخبار الاخیار صہ ۱۳۹ ماثر الکرام صہ ۱۸۵ تذکرہ علمائے ہند صہ ۵۸

[3] قاضی عبدالمقتدر بن قاضی رکن الدین الشریحی الکندی الدہلوی۔ خلیفہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی و استاد قاضی شہاب الدین دولت آبادی وفات ۲۶ محرم ۷۹۱ھ مزاران کا دہلی میں حوض شمسی کے جانب جنوب واقع ہے۔ اخبار الاخیار صہ ۱۴۶۔ سبحۃ المرجان صہ ۲۹ ماثر الکرام صہ ۱۸۳۔ تذکرہ علمائے ہند صہ ۱۳۳

شعر فارسی اوست و لامیۃ العجم کہ قصیدہ[1] مشہور است و فصحا و بلغائے عجم و عرب به معارضہ آں دست زدہ وی نیز بہ معارضہ آں ایستادہ از عہدہ آں بر وجہ احسن برآمدہ است و مولانا احمد تہانیسری[2] نیز بزبان عربی شعر گفتہ و قصیدہ والیہ وال ازدست برفضل و بلاغت وی و اینہا ہمہ در اخبار الاخیار مسطور است۔

و بعد از زمان سعادت نشان فیروز شاہ کہ او را ختم بادشاہان ہند میگویند و بعد از وی مجموعہ سلطنت ایں دیار قطعہ شدہ و مانند ملوک آفاق در ہر ناصیہ بادشاہی پیدا آمدہ در زمان سلطان ابراہیم[3] شرقی کہ در جانب جونپور پیدا شد قاضی شہاب[4] الدین زاولی دولت آبادی کہ شہاب ثاقب و کواکب دری

---

[1] لامیۃ العجم - عربی زبان کا مشہور قصیدہ ہے جسے موید الدین اسمٰعیل بن حسین بن علی محمد الکاتب الطغرائی المتوفی ۵۱۴ھ نے ۵۰۵ھ میں بہ مقام بغداد نظم کیا ہے اور اس میں اپنی حالت اور زمانہ کی شکایت بیان کی ہے۔ کشف الظنون جلد دوم صـ ۳۴۵

[2] مولانا احمد تہانیسری - مرید شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی - قبر آپ کی قلعہ کالپی میں واقع ہے اخبار الاخیار صـ ۱۴۲ سبحۃ المرجان صـ ۳۰ ماثر الکرام صـ ۱۸۶ تذکرہ علمائے ہند صـ ۱۰

[3] سلطان شمس الدین ابراہیم بن مبارک شاہ - جونپور کی سلطنت شرقیہ کا تیسرا حکمراں ۸۰۴ھ سے ۸۴۴ھ تک حکمراں رہا ہے بڑا ذی علم اور علم دوست و فرماں روا گذرا ہے اس کے حالات کے لئے دیکھیے تاریخ فرشتہ جلد ۲

[4] قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الزاولی دولت آبادی شاگرد مولانا خواجگی و قاضی عبد المقتدر الشریحی - وفات ۲۵ رجب ۸۴۹ھ بہ مقام جونپور مسجد سلطان ابراہیم کے جانب جنوب ان کا مزار واقع ہے اخبار الاخیار صـ ۱۷۳ - سبحۃ المرجان صـ ۳۹ ماثر الکرام صـ ۱۸۸ تذکرہ علمائے ہند صـ ۸۸

ایں دیار است پیدا شد اور ادر زمان او ملک العلماء میگفتند اگرچہ دراں زمان دیگر علما ہم بودند اما قبولی و شہرتی کہ او را حاصل شد دیگری را نبود خود تصنیفات دارد آثار موسوم بسمت قبول و اشتہار مثل حواشی[۱] کافیہ کہ منقح تریں تصنیفات اوست و ارشاد[۲] و بدیع البیان[۳] وجز اں و بر بزدوی[۴] نیز شرحی دارد ناتمام و تفسیری دارد مسمی بہ بحر مواج[۵] بعبارت فارسی کہ در رعایت سجع تکلفہا نمودہ و بجہت آں الفاظ

---

[۱] حواشی کافیہ۔ کافیہ امام جمال الدین ابن حاجب المتوفی ۶۴۶ھ کا مشہور متن ہے۔ قاضی شہاب نے اس پر مبسوط حواشی لکھے ہیں جو شرح کافیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ کشف الظنون جلد دوم صفحہ ۲۵ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں فن نحو کے نمبر (۱۶۵) پر موجود ہے۔

[۲] ارشاد۔ یہ رسالہ علم نحو میں ہے اور ۱۳۰۹ھ میں حیدر آباد میں طبع ہوا ہے اس کا ایک خطی نسخہ جو ۶۰۶ھ میں مکتوب ہوا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ میں فن نحو کے نمبر ۵ پر محفوظ ہے۔

[۳] بدیع البیان۔ یہ رسالہ علم بلاغت میں ہے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے اس کا نام بدیع المیزان لکھا ہے۔ سبحۃ المرجان صفحہ ۳۹ مآثر الکرام صفحہ ۱۸۹

[۴] شرح بزدوی۔ امام فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی المتوفی ۴۸۲ھ نے اصول فقہ میں ایک متن لکھا ہے جو نہایت مشہور رہا ہے اور عام طور پر اصول بزدوی کہلاتا ہے قاضی شہاب الدین نے اسی کی شرح لکھی۔

[۵] بحر مواج۔ ضخیم تفسیر ہے۔ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا ایک مکمل نسخہ چار جلدوں میں فن تفسیر کے نمبر ۱۳۵ تا ۱۳۸ پر موجود ہے۔ علاوہ ازیں دو ناقص نسخے اسی فن کے نمبر ۹۲ و ۲۹۸ پر موجود ہیں۔ پہلی جلد جس میں صرف سورۂ بقر کی تفسیر ہے ۱۲۹۷ھ میں لکھنؤ میں طبع ہوئی ہے۔

وعبارات حشو و لاطایل بسیار آوردہ و باقطع نظر ازاں کتابی مفید و نافع وقابل تنقیح
وتہذیب است وبعد از قاضی شہاب الدین مولانا شیخ الہداد[1] جونپوری کہ مردی
ملا درویش بود نیز قلم بہ تالیف وتحریر جاری ساخت وحواشی قاضی[2] را شرح کرد وبر ہدایہ[3]
ومدارک[4] وبزدوی نیز شرح نوشت سوالہای وی قوی تر از جواب ہاست وجماعہ[5]
دیگر از اہل آں دیار نیز حواشی قاضی را شرح کردہ اند ولیکن شرح میاں الہداد
نسبت بآنہا قوی تر وموجہ تر است ومتعارف دراں دیار از علوم صرف ونحو
وفقہ واصول فقہ بود وعلوم دیگر از معقولات قلیل ونادر بلکہ معدوم بود ویکے از
شعرای زماں سلطان فیروز بلکہ بالاتر ازاں مظہر کڑہ[6] بود سخن وی خالی از فصاحتی و

۱؎ شیخ الہداد جونپوری۔ سنہ ۹۳۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے سلطان سکندر لودھی کے معاصر تھے
حالات کے لئے دیکھئے اخبار الاخیار ص ۱۸۸ سبحۃ المرجان ص ــ ماثر الکرام ص ۱۹۲ تذکرہ علماے ہند
ص ۲۵ منتخب التواریخ ص ۹۶

۲؎ حواشی قاضی سے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب حواشی کافیہ مراد ہے۔ دیکھو
نوٹ (۱) متعلقہ صفحہ (۱۶)

۳؎ ہدایہ فقہ کی مشہور کتاب ہے جسے شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی
سنہ ۵۹۳ھ نے تصنیف کیا ہے۔

۴؎ مدارک سے مشہور تفسیر مدارک التنزیل وحقایق التاویل مراد ہے جسے امام حافظ الدین عبداللہ
بن احمد النسفی المتوفی سنہ ۷۱۰ھ نے تصنیف کیا ہے۔

۵؎ شرح کردہ اند۔ شیخ صفی الدین بن نصیر الدین۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے دخترزادے تھے
انھوں نے بھی قاضی صاحب کے حواشی کافیہ کی شرح لکھی ہے جس کا نام غایۃ التحقیق ہے۔

۶؎ مولانا مظہر متوطن شہر کڑہ۔ مرید شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی دیکھو اخبار الاخیار ص ۸۳۔ ملا عبدالقادر
بدایونی نے لکھا ہے کہ ان کے دیوان میں پندرہ ہزار بیت ہیں اور ان کی اولاد اکبر کے عہد تک لکھنو

وبلاغتی نیست دیوانی دارد. در قصاید کہ دریں روزگار کمیاب بلکہ نایاب ست در اخبار الاخیار چند بیت ازوے در ذکر شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ نوشتہ شدہ است و در ہمان جزو زمان مغیث ہانسوی[1] نیز شخصی بود کہ بعالم فضیلت نسبتی داشت در بیان صنائع و بدایع رسالہ دارد اما مشہور نیست و ذکری ازیں مرد نیز در ذکر شیخ نصیر الدین محمود رفتہ است ۔

دیگر ظہیر دہلوی[2] بود کہ شیخ جمالی او را ظہیر میخواند بجہت عدم رطوبت سخن وی و ایں شیخ جمالی[3] در زمان سلطان سکندر لودہی و نصیر الدین ہمایون بادشاہ و از اکابر شعر

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) میں سکونت پذیر تھی۔ منتخب التواریخ صـ ۶۷

[1] شیخ مغیث الدین ہانسوی دیکھو اخبار الاخیار صـ ۸۰ محمد بن قوام بن رستم بلخی نے ۹۵۰ھ میں مخزن الاسرار نظامی شرح لکھی ہے اس کے دیباچہ میں شیخ مغیث الدین کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اس زمانہ میں علم وفضل میں بے نظیر اور معانی و بیان میں بے عدیل ہیں اور ان کی تصنیفات سے ایک کتاب بدیع الحکایات بھی بتائی اور اس سے چند ابیات بھی نقل کئے ہیں۔

[2] مولانا ظہیر دہلوی۔ سلطان محمود شاہ بن محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق (۷۹۶ھ تا ۸۱۵ھ) کے درباری شعرا سے ہیں۔ ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں ان کے چند قصاید نقل کئے ہیں اور ان کی نسبت لکھا ہے کہ الحق بعد از قاضی ظہیر شاعرے کہ شعرش کرا ے خواندن کند در ہندوستان برنخاست۔ منتخب التواریخ صـ ۲۶۱ و صـ ۲۶۲

[3] مولانا جمالی دہلوی شیخ سماء الدین دہلوی کے مرید اور سلطان سکندر لودہی کے ندیمان خاص سے تھے انھوں نے عرب و ایران کی سیاحت بھی کی تھی۔ دوران سفر میں مولانا عبد الرحمن جامی اور شیخ جلال الدین دوانی سے ملاقات کرنے کا بھی اتفاق ہوا تھا۔ ہمایون بادشاہ کے زمانہ میں ۱۰ ذی القعدہ ۹۴۲ھ کو ان کا انتقال ہوا اور دہلی میں مدفون ہوئے۔ سیر العارفین کے نام سے ہندوستان کے مشائخین کرام کا تذکرہ لکھا ہے۔ اس کو خواجہ بزرگ شیخ معین الدین چشتی سے

بود دیوانی دارد مشتمل بر قصیده و غزل و کتاب مثنوی نیز دارد مسمی بمہر و ماہ و بعد از وی پسر وی حیاتی[1] فطرت و سلیقہ درست داشت اگر دریں زماں می بود در شعر سر آمد روزگار می شد میگویند کہ تاریخی نوشتہ بود بنام سلیم شاہ مصنوع مطبوع کہ باقی ماند

و در زمان ما قریب بایں زمان والد کاتب الحروف شیخ سیف الدین[2] بودند کہ سیفی تخلص میکردند و در میان اقران خود از اہل ہندوستان در سلامت سخن و درستی زبان ممتاز بودند و رفتن آں عزیز از سر ایں مسکین مطابق آں بیت ست کہ میر خسرو در مرثیہ پدر خود گفتہ است ؎

سیف از سرم گذشت و دل من دو نیم ماند — دریا رواں شد و دُرِ یتیم ماند

و ایشاں را رسایل ست بر طریقہ تصوف و توحید و اشعار بسیار بود کہ اگر مقید بجمع و تدوین آں می شدند دیوانی بہم میرسید و لیکن بے توجہی و بے تعلقی ایشاں بہ مراسم عرف و عادت براں داشت کہ مقید برآں نشدند و بر مشرب ایشاں فنا و توحید غالب بود جملہ از احوال ایشاں در خاتمہ اخبار الاخیار مذکور است از انجا بر حقیقت حال کہ ممکن نیست اطلاع براں مطلع میتواں شد و عم بزرگوار ایں خاکسار

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) شروع اور اپنے رشتہ شیخ سما الدین کے تذکرہ پر ختم کیا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۳۱۱ھ میں دہلی میں چھپ گیا ہے بقول ملا عبد القادر بدایونی کے ان کے دیوان میں آٹھ نو ہزار ابیات ہیں۔ مثنوی مہر و ماہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ حالات کے لئے دیکھو اخبار الاخیار صـ۲۱۷ منتخب التواریخ صـ۶۶ وصـ۷۵ تاریخ فرشتہ جلد اول صـ۱۸۸ محبوب الالباب صـ۳۴۷۔ تذکرہ علمائے ہند صـ۴۲

[1] حیاتی فرزند مولانا جمالی ان کا نام عبد الحی ہے ۹۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۵۹ھ میں انتقال کیا اخبار الاخیار صـ۲۱۸

[2] شیخ سیف الدین سیفی ان کا انتقال ۹۹۰ھ میں ہوا۔ حالات کیلئے دیکھئے تا اخبار الاخیار صـ۲۸۳ تا صـ۲۹۴

شیخ رزق اللہ[1] مشتاقی تخلص داشتند از نوادر روزگار و مروی کامل و مستقیم و سالک
طریق قویم بودہ از اہل عشق و محبت بود و بزبان فارسی و ہندوی سخنان دل پسند
دارند و بیان ایشان کہ بزبان ہندیست مشہور داشت و تاریخ واقعات مشتاقی کہ
در احوال سلطان بہلول لودہی وغیرہ دست تصنیف ایشان است و در فارسی مشتاقی
تخلص دارند و در ہندوی راجن و مولانا حسین نقشی و شیخ تاج الدین و مولانا علی احمد
نشانی[2] نیز از فضلا و شعرا و اصفیای وقت بودند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین و دیگر از علما و
فضلا و شعرا درین شہر و شہرہائے دیگر از ہندوستان بودند کہ ذکر ایشاں طولی دارد
و قصد متعلق بذکر جماعہ از گذشتگان شدہ کہ اثری و تالیفی گذاشتہ نہ ذکر اسمای
اشخاص دیگی از آنہا کہ درین خیر و زمان زبان بشاعری کشادہ و داد سخنوری دادہ
است فیضی[3] آگرہ است کہ در فصاحت و بلاغت و متانت و رصانت سخن ممتاز

ا۔ شیخ رزق اللہ مشتاقی ۸۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۰ ربیع الاول ۹۸۹ھ کو انتقال کیا۔ حالات کے لئے دیکھو اخبار الاخیار صـ ۱۶۷ - تذکرہ علمائے ہند صـ ۶۳ ان کا تخلص فارسی میں مشتاقی اور ہندی میں راجن تھا۔ ہندی میں انھوں نے دو رسالے لکھے ہیں۔ پیم آن اور جوت نرنجن یہ دونوں منظوم ہیں واقعات مشتاقی کے لئے دیکھو الیٹ کی تاریخ ہند جلد چہارم صـ ۵۳۴

۲۔ مولانا حسین نقشی اور ان کے فرزند علی احمد نشانی دور اکبری کے مشاہیر علما سے تھے ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ پدر و پسر دونوں کو مہرکنی میں کمال حاصل تھا۔ لوگ ان کی مہروں کو نادرہ روزگار سمجھ کر بطور یادگار ایران خراسان اور عراق میں لے جاتے تھے۔ منتخب التواریخ صـ ۳۰۰ علی احمد نشانی جہانگیر کی مجلس سرود میں جلوس کے پانچویں سال شب دوازدہم محرم ۱۰۱۹ھ کو انتقال کیا ان کے انتقال کا واقعہ خود جہانگیر اپنے توزک میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے دیکھو تزک جہانگیری جلد اول صـ ۸۲

۳۔ شیخ فیضی فرزند شیخ مبارک ناگوری۔ ان کے حالات و تصنیفات کے لئے دیکھو دربار اکبری صـ ۲۵۹ شعر العجم جلد سوم صـ ۳۱

روزگار بود لیکن حیف که بجهت وقوع و هبوط در هاویه کفر و ضلالت رقم زد و
انکار و ادبار بر خود کشیده است و زبان اهل دین و ملت و دوستان و منتسبان
جناب نبوت را از بردن نام وی و جماعه شوم وی پاک دارد تاب الله علیهم
ان کانوا مومنین و از انچه بشارت میدهد بخت اهل این روزگار به نعمتی که واجب ست
شکر آن بر ذمه اهل انصاف وجود فرزند مسعود و نور دیدهٔ دانش و بینش نور الحق الملقب[1]
به مشرقی ست که شروق نیر فضل و کمال وی در هر دو طریق دانشوری و سخنوری با وسط
السماء استوا و اعتدال نزدیک به سمت الراس رسیده است یقین منست که اگر وی
توجه بر گمارد در طریقه شعرای زمانه شب و روز به مشق سخن و فکر بشعر روی آرد خمسه
نظامی و خسرو را تتبع تواند کرد و جواب گفت و لیکن توجه و اشتغال وی بجانب علم
و صلاح و نفس الامر غالب آمده نمیگذارد که بطرف شعر و طریقه شعر روی آرد پروردگار
جل و علا کوکب سعادت و اقبال او را از افول و نزول نگاهدارد و فرزند عزیز محمد هاشم
نیز در علم و فضل تالی و تابع برادر ست در جوهر طبع او بجودت و سلامت و قوت و در علم و
عمل خصوصًا بعلم شریف حدیث موصوف و ممتاز است بلغه الله مبلغ الرجال

وصل

چون سخن باینجا رسید قلم حیران بایستاد و سررشته گم کرد گویا فراموش کرد که غرض
از تمهید و ترتیب این مقدمات و ذکر این حکایات و شرح کلمات چه بود و موضوع
مسئله که بود و من چون از اصل مقصود واقف بودم و بر باطن وی نیز اطلاع داشتم
دانستم که چه میخواهد و گرامی جوید و یاد که میکند خود را از وی بلکه از خود نیز دزدیدم
و روی در گریبان حیا و تشویر پیچیدم پس نگاهی بجانب من کرد که حال چیست و
موجب ملال چه و گفت چه می اندیشی شرم از که داری بگو انچه باید گفت و بیار آنچه

---

[1] نور الحق مشرقی ان کا انتقال ۱۰۹۳ھ میں ہوا ہے۔ حالات کیلئے دیکھو سبحۃ المرجان ص۵۳ ماثر الکرام ص۲۰۱ تذکرہ علمای ہند ص۲۴۰

داری گفتم شرم ازاں دارم که سخن در باب علم و فضل و علما و فضلا میرود و آنکه در هر دوری نوبت به که رسید و سکه بنام که زدند که این کار را نوکرد این امر را تجدید نمود و من مفلس بینوای بے پایه را چه یارا که درینجا دم زنم و چه مجال که درین مقام بایستم و به چه نسبت خود را بنام و بکدام مناسبت زبان کشایم گفت تواضع نیکوست و چشمهٔ کرام است من تواضع تواضع لله رفعه الله ولیکن در راستی جای و صدق مقام تکلف است آنچه راستی است بے تکلف باید گفت و گوهر صدق در رشتهٔ انصاف سفت

اگر صدق داری بیار و بیا ... براه تکلف مرو سعدیا

دیگر عذر چیست من خود هم زبان و هم راز و همدم و هم ساز توام و هرچه از دل تو بر آمد همه بر زبان من رفته و در ضمیر من نشسته است حالت سخن ترا من نیک می دانم و عیار دانش ترا بهتر می شناسم و آنکه حاسهٔ فطرت وی سلیم ست و ذائقهٔ ادراک وی صحیح نیز لذت آن خواهد یافت و داد انصاف داد رحم الله من انصف

قد رحم الله من انصف نوشت ... بر سرِ هر نامه که آصف نوشت

و خود طالبان بسیار اند و ذوقها مختلف و مقاصد و مطالب متعدد یکی طلب و ذوق چیزی دارد و مقصود و مطلوب او طریقی ست و دیگرے را حال برعکس افتاده اگر یک معلول منکوس الحال صفراوی مزاج را حلاوت چیزے در کام وقت شیرین نفتد زبان ندارد و همه چیز برای همه کس نیست و لله الحمد که در سخن از جادهٔ دین بیرون نیفتاده و عنان بدست نفس و هوا نداده و اگر احیاناً بجهت غلبهٔ حال و انبساط وقت از من طغیانی و جوششی پیدا آمده و مستی سر برزده باشد تو بدستاری توفیق و نصرت و تائید حق بدرشتی و نرمی مرا ازاں ورطه بیروں کشیده براه راست آورده در حاق وسط طریق مستقیم جاری گردانیده و این وصیت که مشائخ برائے تو نوشته و لا یتکلم بالحقایق و الرقایق الا بین للناس علم المعاملات و ما ینفتیون به عن العیوب بجائے آورده سخن را از ابهام

دا ابہام و شطح و طامات نگاہداشتہ و بخوض در کشف حقایق وجود و حقیقت ذات حق و صفات وی عز و علا جراءت و گستاخی ننموده و از دائره عبودیت بیرون نرفته و چوں دیگراں در مقام عزت جناب نبوت واد عا کمال بہ متابعت و تحلی باحوال شریف و اتصاف بصفات وی صلی اللہ علیہ وسلم از طریق تادب بدر نیفتاده و غرور و اعتماد بنفس در احوال و مقامات مقربان درگاه و بزرگان راه نہ پیچیده و زبان از طعن و تنقیص عزیزاں و بزرگاں نگاہداشتہ از راه دیانت و احتیاط پائی نکشیده در ورطۂ گستاخی و خلاف فرو نرفتہ و اگر فضلا و شعرا دفاتر و دواوین در فنون شعر و مدح ملوک و امرا و در اطوال عشق بازی مجازی افسانہ خوانی و قصہ پردازی کرده در دام ہزل و لہو و لعب افتاده اند تو باری کتب و صحائف در علوم شرعیہ و تفسیر کتاب اللہ و شرح و احادیث رسول اللہ و نعت و منقبت انبیاء و اولیاء و حالات و مقامات و حکایات ایشاں جمع کرده و بصراط مستقیم و طریقہ قویم دلالت و ہدایت نموده در مہوای ضلالت و کو طبیعت فرو نرفتہ زدار و زد این انشاء اللہ کتاب را اصحاب الیمین بدست راست تو دہند و بخواندن کتاب الابرار کہ در علیین ست امر کنند آں زماں کہ چہ خوانده و چہ نوشتہ چنانکہ امیر خسرو گفتہ است ؎

باش تا پرده براندازد جہاں از روی کار | آنچہ امشب کرده فردات گردد آشکار

و در قران السعدین خطاب بنفس خود کرده فرموده است

مثنویات

نامۂ عمرت بسوادی گزشت | عمر بہ بیہودن بادے گزشت

سوخت دلت زیں رقم دود خام | پختہ نشد در پے سودائے خام

زانچہ بگفتی بہ خطاء و صواب | چونت بپرسند چہ گوئی جواب

ایں رقم امروز کہ سودائے تست | سلسلہ گردن فردائے تست

گیر کہ نظمت سخن از در کند | کس بہ دروغی چہ تفاخر کند

تا بود اندر فن شعرت ہوس | جز بدروغت نبرد نام کس
حاصل تزویر کم و کاستی است | رستن مرد از سبب راستی است
راستی آور که دروغت بس است | ہرچہ چنیں ست چہ نیکو کس است

وگفت قلم من میدانم کہ بعد از امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ دریں شہر و دیار انچہ از تو در کثرت تصنیف وجود و اشتہار یافتہ از دیگرے نشدہ فرق ہمیں است کہ تصنیفات حضرت میر در شعر است و تالیفات تو در شرع اگر طبائع اہل عالم باشعار مولع و مشغوف است اما حال خواص اہل دین بخلاف آں موصوف ست وشکر دیگر آنکہ سخنان ترا گوارائے ہست وکلمات ترا حلاوتی بخشیدہ اندکہ در درون اہل قبول جای میکند و بکام ارباب ذوق شیریں می آید و برہان باطن بریں بشارتیست کہ از زبان بعضے ناظران عالم غیب کہ خوانندگان صحیفہ لاریب اند یافتہ و نشان ظاہر آنکہ خواطر خواص ازاں راضی و ایدی عوام بہ نوشتن آں متقاضی است بر ہر تقدیر انچہ از غیب است بے عیب است ہرچہ تازہ است لذیذ است بیار انچہ میدانی وتوکل علی اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین۔

وصل

عالی کہ قلم ایں سخنان خوش آمد آمیز من گفت چوں روئے براستی داشت تاثیری کرد از خواب نیستی وگم نامی کہ فرو گرفتہ بود قدری بیدار ساخت وبین النوم والیقظہ چیزے حالتی دست داد گوش برآواز وئے نہادم کہ چہ میگوید و نکتہ تفصیل سخن در ترفتہ و اول و آخر آں بہ تمام نہ فہمیدہ ایں مقدار فرا گرفتم کہ ولی می دہد وہمتی می بخشد نفسی بخود آمدم وخواستم کہ بر خیزم و کمری بر بندم و در خانہ وجود و موجود خود نگاہ کنم مگر چیزے بیابم کہ پیشکش اصحاب کنم بہ قیاس عقل در رفتہ وحساب کار فہمید بحکم صاحب البیت ادری بما فیہ دریافتم کہ متاعی در خانہ نیست کہ بر سر بازار تواں

آورد دروی خریدار تواں دید- خاطر ازیں معاملہ جمع کردہ واز سود و سرمایہ آں نومید گشتہ
بموجب فی الیاس راحۃ سر بر بستر استراحت نہادم و تفلم کہ مبالغہ دریں کار داشت
گفتم کہ اے دوست دلنواز ولے یار غمگسار مرا درین معاملہ معذور دار کہ در چہار گوشہ
خانۂ خود بدیدۂ امعان وانصاف دیدم چیزی نمی یابم کہ بکار آید جز آں کہ در طاق خانۂ
ورقی چند ابتر و پریشان افتادہ می بینم تو خود بردہ بیں اگرچہ کار آمد نیست برگیر و نبویس
و بنا ایں معاملہ بتو می سپارم و ترا وکیل و خلیفۂ خود می سازم کہ اگر سہوے و خطاے راہ یابد
منسوب بتو باشد و من تہمت زدہ نشوم و در اصل وجود و ظہور آں ہمہ نیست و توئی نگارندہ
واز کتم ضمیر بر زبان آرندہ آں نخست علم بالقلم ذکر کرد و بعد ازاں علم الانسان مالم یعلم
گفت توئی نادوان فیض توئی کاردان علم توئی پاسبان فہم توئی نگہبان دانش گفت
من ہستیم و کیستم من جنبی ام مرا از زمین برداشتہ و بردست عنایت و اہتمام گرفتہ بحرکت قسری
میدانند و آلت کار کتابت می سازند غایت کار و مبالغہ در اعتبار من آنست کہ مرا در
مرتبۂ زبان بنہند کہ البیان باللسان و بحقیقت زبان آلت عبارت و سخن افراشتن
است و من واسطۂ کتابت و حروف نگاشتن عرائس معانی از وی لباس الفاظ و عبارت
پوشندہ و از من در حلیۂ حروف و کتابت جلوہ گر شوند تو مرا از خاک مذلت بردار و بدست
عزت بگیر و تربیت کن و کار فرماے از تو و کارگزاری از من خادم پروری از تو و خدمتگاری
از من ایں سخن از قلم شنیدم و جواب نادادہ بخواب تغافل رفتم چوں ہم دریں خیال بخواب
رفتہ بودم دراں عالم نیز می بینم کہ ہمی فکر و ہمیں اندیشہ دامن گیر حال و پیرامون گرد خیال
است وصورت خواب در کمل بر میزنم و چشم میکشائم قلم را می بینم بر بساط ہمت دل نہادہ
و سر از پا می نشناختہ در خدمت ایستادہ زبان خواہش دراز و نغمہ آز در ساز دارد دمے
بمن نمی گذارد و سر ازیں سودا باز نمی دارد ایں بار چوں رسم تکلف از حد گذشت و مجال
حیلہ تنگ آمد گفتم بہ گو چہ می گوئی و بخواہ ہرچہ میخواہی ظاہر آں میخواہی کہ ایں خرافات

چند کہ آنرا تصنیفات و تالیفات نام می نہند بر روئے کار آرم و عدد آنہا بشمارم و نام ہائے آں را بر صفحۂ اظہار بہ نگارم و آں را در رشتۂ تنسیق و ترتیب در آرم گفت ایں خود حکایت دغرض از اول ہم نیز ہمیں بود ایں چنداں کاری نیست و بر طبع ازاں باری نہ آں ہمہ نوشتہ گیر نہ نوشتہ شما اکنوں آرزوئے و خواہشی دیگر در دل راہ می یابد کہ از گزشت احوال خود چیزے بگوئے و از مبادی حال تا اکنوں کہ آخر صحبت است بخوانی کہ چہ کردی و کجا بودی و چہ دیدی و چہ نمودی اکنوں ور چہ فکری و چہ خیال داری بگو اگر طاقت مجال مقال داری ؎

سخن دوستاں خوشست بگو   نالہ عاشقاں نکوست بنال

گفتم ایں سخن بے فائدہ و لاطائل است و موجب تضیع وقت و حکم تحصیل حاصل دارد مجموع اوقات و احوال سہ حالت است طفلی و جوانی و پیری طفلی نادانی است جوانی پریشانی پیری ناتوانی۔ طفلی قصور است جوانی غرور پیری فتور طفلی پستی ست و جوانی مستی و پیری سستی مرا خود حاصل غم ہمیں دو نشاط بود۔ خردی و پیری و جوانی ندانم کہ چیست و متمتع از جوانی کیست ؎

من ندانم کہ زندگانی چیست   کامرانی چہ و جوانی چیست

روزگاری خوشی کرا گویند   دل خوش در جہاں کجا جویند

وصل یا کام دل چہ می باشد   کامیاب از جہاں کہ می باشد

آنکہ او دید چہرہ مقصود   کیست در عالم و کہ خواہد بود

آنکہ مقصود یافت در عالم   کہ بود زندہ بنا بہ اعلم

مجمل احوال فقیر دریں فقرہ مندرج است دیوانی حقی کہ حیران و سرگردان راہ تنزل و ترقی است۔ مجبوبی بود کہ چندگاہ بہ تاثیر صحبت فرزانگان بحکم الجنون فنون در احاطہ و احراز فنون کوشید و در آخر بہ مصداق الجنون فنون بے حوصلگی نمودہ ہم بر سر

جنوں رفت ے

قصه ام را مکن اے همدم عاقل تکرار — کاول و آخر او جمله جنونست و جنوں
گر فنوں جمله شد آں نیز جنونی بودست — بشنو از مردم عاقل که فنون است جنوں

اگر اختصار کنند حاصل قصه عالم دریں یک کلمه تمام است که گویند پیدا گشت
و ناپیدا شد بود و نابود شد نمودند و ربودند گفت حقیقت همیں است که گفتی و گوهر رازیست در
رشته اختصار و ایجاز سفتی اما در سماع تفصیل حال سالکان و به مقصد رسیدگان عبر
مر طالباں را که باعثهٔ طلب را قوی گرداند و تازیانه ایست که مرکب شوق را نیز راند و گرنه آں
باشد باری بر هر تقدیر بر سامعه ترانه نوازد که دل را مشغول به آں سازد و گفت من می دانم که
عنایت و توفیق الٰهی دستگیر حال تو شده ترا درکارے واشته و از نعمتهائے نامتناهی
خود محروم نگذاشته است از عجیب دریا برآمده و از شیوهٔ خودستائی و خودنمائی مطلق تهی شده
بگوی دور راه کذب و مبالغه مپوی واما بنعمة ربک فحدث گفتم تفصیل آں نیز در مواضع متعدد
مذکور و مسطور است مبادی احوال در خاتمه اخبار الاخیار که در ذکر مشائخ ایں دیار است و اوسط
در جذب القلوب که تاریخ مدینه مطهره است و منتها در زاد المتقین که در ذکر مشائخ حرمین
شریفین است ولیکن مجملی ازاں به طریق اختصار و بعضی از انچه که دراں کتب مذکور و مختار نشده
بیارم تا به ذکر ایں غرض که تعداد و ترتیب تالیفات ست اتصال و انجرار یابد - بدانکه چوں
صانع پروردگار از اول خطرت ایں غریب خاکسار را منشار خاص مخصوص گردانیده بود - هم
در عنفوان جوانی که آوان نشو و نما کامرانی است اقسام علوم عقلی و نقلی تحصیل کرده و تکمیل
نموده و بعد از تحصیل و استفاده بدرس و افاده مشغول شد و هم دریں ایام به توفیق و تائید
الٰهی به حفظ قرآن مجید مشرف شده و به جاذبهٔ غیبی ترک دیار مفارقت اهل و عیال گفته
و در وادے طلب و غربت افتاده به موطن ارواح و مستقر قلوب که بیت رب العالمین و
درگاه — سید المرسلین است روئے آورده به انعام عام و خاص به طریق عموم و اختصاص

از آنحضرت مشمول و مخصوص گشته و به سعادت لقای شریف وی صلی اللہ علیہ وسلم مکرر مشرف
شده و استماع حدیث در منام از حضرت سید انام علیه الصلوٰة والسلام بے واسطہ منوره
و لبشارتها به مقصو یافته مدتی به تجوید قرآن عظیم و علم قرات و خدمت علم حدیث رسول کریم
مشغول شده و به اجازت نامه عام شامل و کامل تامهٔ کتب احادیث و سائر علوم دینیه
از علماء کرام آں عالی مقام علیهم رحمة الله الملک العلام خصوصًا از حضرت شیخ اجل اکرم
اوحد و اعدل عبدالوهاب متقی قادری شاذلی قدس الله روحه واوصل الینا فیوضه و
فتوحه به تلقین ذکر و اشیار خلوت و خلافت و برکت و مشرف و فائز شده به نعمتهاے بشارت
از خدمت وی در حصول انوار و آثار نتایج و ثمرات برکت و التزام مقام صدق و استقامت
در نشر علوم دینی و حصول هو اهیب یقینی مشرف و مبشر گشته رجوع و عود بوطن مالوف مامور
و مکلف گشت و هرچه بر زبان قلم من ازیں باب جاری شده همه از رشحات باطن وظاهر
آں خاطر دریا مقاطرست و ایں توالیف که معدود خواهند شد وجود آں بعد از قدوم
برکت لزوم ایں سفر مبارک اثر است مگر اخبار الاخیار و آداب الصالحین و یک دو
رساله دیگر در نحو و مناظره که تسوید آں پیش ازاں در اثنائے طالب علمی صورت یافته بود
و به تبئیض و ترتیب و تنقیح آں نیز بعد ازاں اتمام یافت و اکنوں بعد از احصار توالیف سخن
تمام کنیم و چوں در اسامی آں رساله جدا مسمی به تالیف قلب الالیف بکتابة فهرست التوالیف
نوشته شده بود به هماں صورت نقل کنم و چوں آں کتب و رسایل درهم بود بعضے به لفظ عربی
و بار ه به زبان فارسی وصف عربی به عربی کرده شد و فارسی به فارسی وهذه

فہرست تصنیفات شیخ عبد الحق محدث دہلوی

الموسوم بہ

تالیف قلب الالیف بکتابۃ فہرست التوالیف

الحمد للہ منزل الکتب السماویہ والصحف المکرمۃ المرفوعۃ المطہرۃ علی الارواح القدسیہ العلویۃ الرسلیۃ لہدایۃ النفوس السفلیۃ الارضیۃ والصلوۃ التامۃ المبارکۃ الزکیۃ البہیۃ علی الجوہر الاول والآخر المحمدی حافظ اللوح المحفوظ مبین الکتاب المبین وعلی اہل بیتہ الاطہار وصحابتہ الاخیار واتباعہ الابرار مفسری الکتاب ومفصلی الخطاب ومحیی علوم الدین سپاس وستایش مر پروردگار علی الاطلاق ومفیض اقسام ارزاق راکہ عطائے اورا پایان نیست وفیض اورا انقطاع نہ خدائے بے مانند بے ہمتاکہ بخشندۂ عطایا وبخشایندۂ خطایاست تعالیٰ شانہ وعظم برہانہ وجل جلالہ وکثر افضالہ ودرود نامعدود رحمت نامحدود بر فہرست دیوان رسالت وملخص کتاب سفارت کہ بہتر عالمیان ودانش آموز انس وجان و استاد پیشینیاں وراہ نمائے پسینیان ست وبر فرزندان ویاران اوکہ مجموعہ فضل وکمال وجامع مراتب علم وحال وکتب علوم دین وابواب وفصول کتاب مبین اند افاض اللہ علینا من انوارہم ونفعنا ببرکاتہم وبرکات علومہم۔ بعضے از اصحاب فضل وکرم کہ اہتمام بشان فضل وعلم وعنایتی بحال ایں ضعیف داشتند بعضے از مسودات ایں مسکین راطلب می نمودند

تا مطالعه کنند یا اکتساب نمایند وچون در نظر دانش و بینش حقیری چناں نبود که بکار آید
واگر بود در آنجا اقسام فنون متعدد بود از علوم بعضی بلسان عربی و برخی بزبان پارسی ونه همه
کس کار آمدنی نه فهرستی در تعداد آن نگاشته عرض داشتم تا هرچه ازاں اختیار افتد و به مذاق
وقت موافق آمد بخدمت فرستم و بعد ازاں نیز هرکس ازیں الواں که برمائده ام هرچه خوش
دارد فائده بردارد و انا معترف بقلة بضاعتے و عدم استطاعتے وضعف بالی وشتاتة حالی
وقصور نظری و فتور فکری ملتمس از اهل فضل و ارباب کرم آنکه عیوب و زلات ایں مسکیں را
به پوشند و در اصلاح و تصحیح آنچه از خطا و سهو راه یافته باشد بکوشند وارجو من الله الکریم
حسن القبول ونیل المامول او ست عیب پوش و عذر نیوش وهو الکریم الوهاب۔

۱۔ **فمنها** لمعات التنقیح فی شرح مشکاة المصابیح[1] وهو اجل واعظم واطول واکبر
هذه التصنیفات وقد جاء بتوفیق الله وتائیده کتابا حافلا شاملا مفیدا نافعا فی شرح الاحادیث
النبویة علی مصدرها الصلوة والتحیة مشتملة علی تحقیقات مفیدة وتدقیقات بدیعة و فوائد شریفة
ونکات لطیفة واحوال کیفیات مکتوبة فی دیباجة قریبة من ثمانین الف بیت

۲۔ **ومنها** اسماء الرجال والرواة المذکورین فی کتاب المشکات اثنا عشر الف بیت و کسر

---

[1] لمعات التنقیح۔ امام بغوی ابو محمد حسین بن مسعود الفرا البغوی المتوفی سنہ ۵۱۶ھ نے کتب صحاح کے اسانید و مکررات کو حذف کر کے احادیث صحیحہ کا ایک مجموعہ مرتب کیا اور اس کا نام مصابیح السنۃ رکھا۔ ولی الدین ابی عبداللہ محمد عبداللہ الخطیب نے اس پر نظر ثانی کی اولاً احادیث کو ابواب پر تقسیم کیا ثانیاً رواۃ حدیث کے نام اضافہ کئے ثالثاً ہر حدیث کے ساتھ اُن کا حوالہ بھی لکھ دیا جن سے صاحب مصابیح انھیں اخذ کیا ہے اس ترتیب و تہذیب کے بعد یہ کتاب بالکل جدید تالیف ہوگئی اور اسے مشکوۃ المصابیح کے نام سے موسوم کیا اور سلخ رمضان سنہ ۷۳۷ھ کو اسکی تالیف و تدوین سے فراغت حاصل کی۔ لمعات کمیاب ہے اس کے دو نسخے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔ فن حدیث ۳۰۱، ۳۰۲، ۸۳، ۱۰۳۳۔

۳۔ **ومنہا** اشعۃ اللمعات فی شرح المشکٰوۃ[۱] شرح فارسی مشکٰوۃ است کہ در قدر و مرتبہ تلو شرح عربی است و در تنقیح وتہذیب وضبط وربط راجح وفائق و در حجم ضخامت زیادہ ازاں آں نیز بہ تائید ونصرت الٰہی سبحانہ شرحی نفیس لطیف مہذب مرغوب ومقبول آمدہ کتابت آں مقدار صد وسی ہزار بیت باشد۔

۴۔ **ومنہا** جامع البرکات منتخب شرح المشکٰوۃ مجموعہ آمدہ است شامل فواید کثیرہ وعواید غزیرہ در ہر باب یک دو متن حدیث ذکر کردہ و در باقی احادیث بہ مضامین آں اقتصار کردہ واختصار نمودہ شدہ است وکتابت آں مقدار سی و دو ہزار بیت باشد۔

۵ **ومنہا** مدارج النبوۃ ومراتب الفتوۃ[۲] در سیر حضرت سید مختار وامام المتقین والابرار صلی اللہ علیہ وسلم مقدار چہل و دو ہزار بیت۔

۶ **ومنہا** مطلع الانوار الٰہیہ فی الحلیۃ النبویہ مقدار یکہزار بیت

۷ **ومنہا** ذکر اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث

۸ **ومنہا** اسماء الاستادین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

۹ **ومنہا** فصول الخطب بیل اعالی الرتب

۱۰ **ومنہا** تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف فی باب اخلاص الصوفیہ قدس اللہ اسرارہم الصفیہ من الحکم علی ما صدر من اخبارہم عن احوالہم تحدیثاً بنعمۃ اللہ انہا من باب الکبر

---

[۱] اشعۃ اللمعات۔ بزبان فارسی شاہ صاحب نے اپنے لمعات کے بعد تصنیف کیا ہے برٹش میوزیم میں اس کا جو مخطوطہ محفوظ ہے اس کی جلد آخر سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے ۱۰۲۵ھ ہجری میں تمام کیا ہے یہ کتاب دو جلدوں میں ۱۲۷۷ھ میں نولکشور پریس لکھنو میں چھپ گئی ہے۔

[۲] مدارج النبوت۔ یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں مدراس میں اور ۱۲۸۰ھ میں لکھنو میں چھپی ہے۔ مولوی عبدالمجید ساکن پیلی بھیت نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو منہاج النبوت کے نام سے ۱۳۰۲ھ میں لکھنو میں چھپا ہے۔

وغلبة الحال وبیان ان ہذہ الرسائل الاربعة مقدار ثلثة او اربعة آلاف تخمینا

۱۱ **ومنہا** الطریق القویم فی شرح الصراط المستقیم[1] نام اصل متن سفر السعادت است که در مشہور میان مردم به صراط مستقیم شده و در وقت کتابت شرح چوں باسم اول مذکور و منظور شد به ہمیں نام مسطور گشت واگر اسم ثانی را در نظر آرند سلوک طریق الافاده فی شرح سفر السعادة نام نہند و کتاب مذکور تصنیف شیخ مجد الدین شیرازی صاحب قاموس ست و مقصود وی درین کتاب آنست که اعمال شریفه حضرت نبوت را از عبادات وعادات باحادیث اثبات کرده تصحیح نموده و بر دو آں کار بر آنچه مخالف آں از مذاہب اربعه واقع شده تصریح کرده است پس در شرح تائید مذاہب اربعه واثبات آں باحادیث خصوصا مذہب حنفی معارضه کلام مصنف که ادعاے صحت احادیث موافق مدعائے خود نموده در قم رو و ابطالات بر خلاف آں کشیده است کرده شد وایں حکایت در دیباچه کتاب بہاتر ازیں گفته شده است کتابے آمد حافل شامل نافع جامع طریقه فقه وحدیث مقدار کتابت وی قریب سی ہزار بیت خواہد بود

۱۲- **ومنہا** جذب القلوب الی دیار المحبوب[2] تاریخ مدینه مطہره در بیان اسماء فضایل ومنافع ایں بلد کریم واحوال ساکنان وی از زمان قدیم وذکر فضائل مسجد منیف ومقامات متبرکه واحکام وآداب زیارت قبر شریف واقامت در آں عالی مقام ورجوع بوطن بالخیر والسلام وبسط کلام در اثبات حیات انبیا علیہم السلام وذکر فضائل وآداب صلوٰة بر سید المرسلین صلی الله علیه وسلم

---

[1] سفر السعادة شیخ مجد الدین محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم الفیروز آبادی المتولد ۷۲۹ھ به کارزون والمتوفی ۸۱۷ھ بزبید ہے شیخ صاحب کی شرح ۱۲۸۱ھ میں نولکشور پریس لکھنو میں طبع ہوی ہے اور ضخیم کتاب ہے

[2] جذب القلوب - یه کتاب ۱۲۶۳ھ میں کلکته میں اور ۱۸۷۶ء میں لکھنو میں چھپی ہے۔ مولوی عبد الحق بن غلام رسول بن ولی الله نے ۱۲۷۹ھ میں به زبان اردو اس کا ترجمه کیا جو مرغوب القلوب کے نام سے ۱۲۸۴ھ میں لکھنو میں چھپا ہے۔

وذکر بعضے از صیغ صلوات ماثورہ از صحابہ و سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین
و این کتاب در متانت و رصانت الفاظ موافق شرافت و کرامت معانی آں نزدیک
بدرجہ قبول اہل وصول واقع شدہ است نزدیک بہ ہفت ہزار و پانصد بیت

۱۳- **ومنہا** احوال الائمہ الاثنی عشر خلاصۂ اولاد سید بشر مقبول و منتخب از
کتاب مستطاب فصل الخطاب و ترجمہ عبارات عربی وے و ترک سخنان فارسی علی حالہا کہ
بامر واجب الامتثال بعضی از ارباب کمال نوشتہ شدہ مقدار ہزار و پانصد بیت

۱۴- **ومنہا** زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار[1] فی مناقب الغوث الاعظم والنور الاتم
الشیخ محی الدین عبد القادر الحسنی الجیلانی رضی اللہ عنہ و کتاب بہجۃ الاسرار کتابیست مقرر معتبر
مذکور مشہور بین المشائخ والعلما صنفہا بعض عظماء المشائخ المقرئین و بینہ و بین الشیخ رضی اللہ عنہ
واسطتان وقد کتبت ترجمہ فی طبقات المقرئین الذہبی اختصرہا الشیخ محمد الجزری وقال
قرأت ہذا الکتاب علی الشیخ عبد القادر الاسطوطی وکان من کبار المشائخ بمصر اکثر من
ثلثۃ آلاف بیت

۱۵- **ومنہا** شرح فتوح الغیب[2] مسمیٰ بہ مفتاح الفتوح لفتح ابواب النصوص و
فتوح الغیب از تصانیف عظیمۂ حضرت غوث اعظم ست کہ در تحقیق مقالات دین و کمالات

---

[1] اس کتاب کا پورا نام بہجۃ الاسرار و معدن الانوار فی مناقب السادۃ الاخیار من المشائخ الابرار ہے۔ اور اسے
شیخ نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف اللخمی الشافعی المعروف بابن جہضم الہمدانی مجاور حرم نے حدود ۷۶۶ھ
میں تصنیف کیا ہے اسمیں چالیس مشائخ ابرار اور صوفیائے کبار کے حالات ہیں۔ ابتدا غوث اعظم شیخ عبد القادر
جیلانی کے تذکرہ سے کی ہے اور اسکے نصف سے زیادہ حصہ میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۳۰۶ھ
میں مصر میں چھپی ہے۔ شاہ صاحب نے اس سے صرف حضرت غوث اعظم کے حالات اختصار کے ساتھ نقل کئے ہیں
اور مولوی عبد الاحد نے اردو ترجمہ کے ساتھ سنہ ۱۳۰۴ھ میں بمقام دہلی چھپوایا ہے۔

[2] یہ کتاب دہلی لکھنو اور بمبئی میں کئی بار چھپی اور عام طور پر ملتی ہے مولوی سید ابو الحسن نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے
جو لکھنو میں طبع ہوا ہے۔

اہل یقین موافق لسان رسالت وزبان نبوت است چنانکہ شان معارف صدیقان است
فرمودہ اند دہ ہزار بیت

۱۶ **ومنہا** الانوار الجلیہ فی احوال المشائخ الشاذلیۃ ذکر فیہ ثمانیۃ رجال من عظمائہم وعلمائہم باعث بر تصنیف ایں رسالہ وتحصیل ایں سعادت وقوع ذکر ایں اعزہ بود در رسائل ایں فقیر نقل کلمات وحکایات ایشاں چنانکہ در خطبہ رسالہ گفتہ شدہ است کلمات لطیف وفواید شریف وسخنان غریب از انفاس یقینیہ ایں قوم دارد کہ بغایت نافع وسود مند است قریب بہ چہار ہزار بیت

۱۷۔ **ومنہا** زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین در احوال شیخ عارف کامل متبع علی متقی وخلیفہ راستین وی شیخ ولی مقتدا عبدالوہاب متقی قدس اللہ سرہما وبعضی دیگر از مشائخ از دیار عرب وعجم واہل حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفا وتعظیما رسالہ ایست بسے مفید ونافع مر قاصدان صراط مستقیم وسالکان طریق قویم را دریں رسالہ تقریب بعضے احوال ایں غریب وتشرف بخدمت حضرت شیخ نیز مذکور شدہ است مقدار چہار ہزار بیت

۱۸۔ **ومنہا** اخبار الاخیار فی احوال الابرار[1] در ذکر احوال مشائخ وعلما وصلحاء ایں دیار نسخہ اصل مقدار پانزدہ ہزار بیت بود ومتوسط دوازدہ ہزار ومنتخب آخر کہ قرار یافتہ نہ ہزار وکسری ومثبت دریں مجموعہ نسخہ متوسط است وایں اول تصنیفے است کہ رقم زدہ کلک ایں مسکیں شدہ است اگرچہ بحسب لفظ وعبارت نہ دراں مرتبہ است ولیکن بہ سبب اشتمال بر احوال وحکایات وکلمات بزرگان بغایت شیوع واشتہار موسوم گشتہ است۔

۱۹۔ **ومنہا** تاریخ سلاطین ہند[2] اصل مسودہ مقدار سہ ہزار بیت بود وبعد از ضم احوال سلاطین اکناف واطراف ایں ولایت کہ در جمع سابق ناقص ماندہ بود بہ چہار

---

[1] اس کتاب کے لئے دیکھئے کتاب ہذا کے صفحہ ۶ کا حاشیہ نمبر (۲)

[2] اس کتاب کے لئے دیکھئے کتاب ہذا کے صفحہ ۶ کا حاشیہ نمبر (۱)

ہزار بیت وچیزی است و مسمی بذکر ملوک کہ متضمن تاریخ اوست گفت

۲۰۔ **ومنہا** ۔ تحقیق الاشارۃ الی تعمیم البشارۃ فی اثبات البشارہ بالجنۃ لغیر الاصحاب المشہرین بالعشرۃ المبشرۃ وعدم اختصاصہم بہا وبیان سبب انتہار ہم بذلک وعدۃ مباحث متعلقہ بہذا الباب مع ذکر شئی من قواعد اصول الحدیث فی مقدمۃ الکتاب وایراد نبذۃ من فضائل اہل بیت الرسالۃ سلام اللہ علیہم فی خاتمۃ الکتاب واللہ الملہم الصواب والیہ المرجع والمآب زہاء ثلثۃ آلاف بیت

۲۱۔ **ومنہا** جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوالدین جمعت فیہ مقاصد مختلفۃ فی ابواب العلم وارجو من اللہ ان یوفقنی بشرحہا انہ خیر موفق ومعین مقدار خمسمایہ بیت

۲۲۔ **ومنہا**[۱] ۔ ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین

۲۳۔ **ومنہا** المطلب الاعلی فی شرح اسماء اللہ الحسنی وصفاتہ العلی ہزار و پانصد

۲۴۔ **ومنہا** ۔ ترغیب اہل السعادات علی تکثیر الصلوٰۃ علی سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم مشتمل بر فوائد این عمل عظیم الشان وذکر صیغ ماثورہ در آں وذکر صلوات منقول از بعضی مشائخ عظام علیہم التحیۃ والاکرام قریب ہزار بیت و پانصد بود بعد از ان ضعیفین آں ہدر گشتہ۔

۲۵۔ **ومنہا** الاجوبۃ الاثنا عشر فی توجیہ الصلوٰۃ علی سید البشر رسالۃ حوت توجیہات التشبیہ الواقع فی الصلوٰۃ علی نبی الکریم اللہم صل علی محمد وآل محمد کما صلیت علی ابراہیم وآل ابراہیم جمعتہا فی مجلس واحد من وقت السحر الی طلوع ذکاء مع ما وقع فی البین من الصلوٰۃ والورد والدعاء مقدار اربعمایہ بیت وکسر

۲۶۔ **ومنہا** تحقیق ما ثبت بالسنۃ من الاعمال فی ایام السنۃ اوردت فیہ الاحادیث

---

[۱] یہ کتاب ۱۳۰۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوی ہے ۔ مولوی سبحان بخش نے اس کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے ۔ اس کے ساتھ بین السطور چھپا ہے ۔

الواردة فیماجاء فیہ من الاعمال فی الایام و الاشہر ولیالیہا مثل الصلوٰۃ والصیام فی یوم عاشورا ولیلۃ النصف من شعبان وغیر ذلک من الزمان صحاحا وحسانا وضعافا وموضوعات نحو امن الفی بیت او اکثر قریب من ثلثہ

۲۷ ومنہا التعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی[1] علی ربع الجزء الاول نحو امن عشرۃ الاف ونسال اللہ التوفیق بان یضاف علیہ ما شاء اللہ من غیر تکلف واعتساف

۲۸ ومنہا ہدایۃ الناسک الی طریق المناسک رسالہ ایست مضبوط منقح کہ زبدہ مناسک حج وآداب زیارت بجہت سالکان این راہ وقاصدان ایں درگاہ ذکر کردہ شدہ نزدیک بدو ہزار بیت

۲۹ ومنہا رسالہ نوریہ سلطانیہ دربیان قواعد سلطنت واحکام وارکان واسباب وآلات تحصیل آں واوضاع وآداب ایں امر عظیم الشان قرین باسم سامی سلطان الوقت وملک الزمان خلد اللہ فی مراضیہ ملکہ وسلطانہ واعلا امرہ وشانہ نزدیک بہ ہزار بیت

۳۰ ومنہا آداب الصالحین منتخب از ربع العادات از کتاب احیاء العلوم[2] الدین دربیان آداب اکل وشرب ومنام ومعاشرت ومصاحبت باصناف انام از ازواج واولاد واصحاب وخدام مقدار سہ ہزار وپانصد بیت

۳۱ ومنہا مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین درجمع میان شریعت و حقیقت وذکر بعضے از اوضاع وافعال مشائخ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم ومواخذہ فقہا برایشان وجواب وتوجیہ از آں رسالہ ایست مفید ونافع درتحصیل اعتقاد صحیح وحق صریح خالی از خوش عبارتی وحسن بیان نیست مقدار ہزار وپانصد بیت

---

[1] تفسیر بیضاوی سے قاضی ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر البیضاوی کی تفسیر انوار التنزیل فی اسرار التاویل مراد ہے۔

[2] احیاء العلوم۔ امام حجۃ الاسلام زین الدین ابی حامد محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی مشہور تصنیف ہے۔

۳۲ **ومنها** تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان[1] دربیان عقاید اہل سنت وجماعت بایراد عبارت عربی عقاید وشرح آں بہ زبان فارسی باذکر فواید شریفہ ونکات لطیفہ وبط کلام دربعضے مسایل خصوصا مسئلہ خلافت قریب سہ ہزار بیت

۳۳ **ومنها** تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف زہا ثلثۃ آلاف بیت

۳۴ **ومنها** توصیل المرید الی المراد ببیان احکام الاحزاب والاوراد در بیان علوم وقواعد متعلقہ باوراد وادعیہ واحزاب وتوفیق میان مذہب محدثین و مشایخ کہ در تصحیح وتضعیف بعضے اعمال دریں باب اختلاف دارند مشتمل برسی وصل وایں رسالہ توطیہ وتمہید رسالہ دیگر است کہ دروی اوراد واحزاب کہ بہ اجازت مشایخ پیوستہ وبہ عمل کاتب حروف درآمدہ جمع کردہ شدہ ومجموع رسالتین مسمی است بایں اسم مقدار سہ ہزار بیت

۳۵ **ومنها** تسلیۃ المصاب بسبیل الاجر والثواب دربیان صبر برمصائب و بلایا وتبنیہ بروجود نعم خفایا وتحقیق معنی اجابت ومنع دردعا وسلوک طریق رضا وتسلیم درورود احکام ارادیہ قہریہ وہاب کریم وتادب آلہی بترک طلب وسوال باختلاف اوقات واحوال مقدار ہزار بیت وکسری۔

۳۶ **ومنها** شرح الصدور بہ تفسیر آیۃ النور ہزار بیت کسری

۳۷ **ومنها** الدر الفرید فی بیان قواعد التجوید رسالہ مختصرہ مضبوطۃ مع شرحۃ بہذا النمط ممزوجا بالمتن نحوا من الالف وخمسمایۃ بیت

۳۸ **ومنها** البناء المرفوع فی ترصیص مباحث الموضوع فیہ مباحث شریفہ منقولہ من شرح الشمسیہ وشرح المطالع وحواشیہا مع ایراد بعض نکات الشیخ بالفکر الفاتر فی بیان کوامنہا وغوامضہا نحوا من الف بیت وکسر

---

[1] یہ کتاب دہلی اور لکھنو میں کئی بار چھپی ہے۔

۳۹ **ومنها** الدرة البهية فی اختصار الرسالة الشمسیه وقع فی مجلس واحد یسیر شاملة بجمع ما فیہا من مسایل المنطق اختصار الطفا عجیباً فی صفحه واحدة واسطه معدودة

۴۰ **ومنها** ۔ شرح شمسیه[1] قد وقع علی طریق البسط والتحقیق الی قوله یجب تقدیم مباحث الموصل الی التصور علی مباحث الموصل الی التصدیق نحو امن الفی بیت وکسر ۔

۴۱ **ومنها** حاشیة الفوائد الضیائیة[2] الاتباع الهوی الصبائیة من الاول الی وجه حصر الکلمة فی الاقسام ومن بحث الفعل الی آخر الکتاب بعون الملک العلام القریب فیه الزب عن المخدوم المکین الامین فی اعتراضات مولانا واستاذنا عصام الدین والکان وقع فیہا شیٔ من التکلف فی الکلام علی ما تقیضه شریطه الالتزام نحو امن ثمانیه الآلف بیت

۴۲ **ومنها** الاذکار الصافیة فی ترجمه کتاب الکافیه[3] در صغر سن در ابتداے حال طالب علمی به تقریب کسی نسبت معنوی و رابطه قوی داشت تا آخر منصوبات تسوید نموده شده تا بحث مرفوعات به بیاض رسید و عمر کاتب حروف در آں وقت پانزده یا شانزده سال بود مشتمل بر سخنان بسیار مقدار هشت هزار بیت وکسری

۴۳ **ومنها** نظم آداب المطالعة والمناظرة لمن طالع الکتاب وناظره رسالہ منظومه مثنویست در آداب بحث و مطالعه خالی از لسطی و سلاستی نیست در ایام تحصیل نوشته شد هفت صد بیت وکسری ۔

۴۴ **ومنها** نکات العشق والمحبته فی تطییب قلوب الاحبته در نکات وحکایات محبت و عشق بازی مجازی که در زمان کودکی و بازی واقع شده بود نزدیک به دو هزار بیت و پانصد ۔

---

[1] شمسیه علم منطق کا مشہور متداول متن ہے اور اسے نجم الدین عمر بن علی القزوینی شاگرد خواجه نصیر الدین طوسی نے لکھا ہے۔

[2] خواید الضائیه ۔ کافیه ابن حاجب کی شرح ہے اور مولانا نور الدین عبد الرحمٰن الجامی المتوفی سـ‍ـه نے اسی سنه میں تصنیف کیا ہے۔

[3] کافیه نحو کا مشہور متن ہے شیخ جمال الدین ابن حاجب المتوفی سـ‍ـه کی تصنیف ہے ۔

۴۵ **ومنها** نکات الحق الحقیقة[1] من باب معارف الطریقه مقدار سه هزار بیت

۴۶ **ومنها** صحیفة المودة مثنوی که در مراسلت و مکاتبت به برادر عزیز و یاران و دوستان و احباب و اصحاب ارباب تمیز نوشته شده بود شهر آشوب عالم محبت است خالی از سلاستی و ملاستی نیست و کسی که مطلع باشد بر احوال جماعه مکتوب الیهم داند که در ضمن بیان معانی انچه نکتها و ظرافتها رعایت کرده شده است چند صد بیت۔

۴۷۔ **ومنها** انتخاب المثنوی للمولوی المعنوی دو هزار و سی صد بیت و پیش از شروع وران بیتی چند نوشته شده که از رشحات خامه کاتب حروف ست و صفحه چند از نثر نیز نگاشته آمد۔

۴۸۔ **ومنها** حسن الاشعار فی جمع الاشعار چند غزل و قصائد و قطعها و رباعیات که به جهت شرم و حیا ستر و اخفاء آں لازم است نامرتب در بیاضها افتاده بود و به نسبت بے حیای که لازمه طریقهٔ شاعریست نوشته شده و در دیباچه رساله جزوی از نثر در عذر کم گوئی شعر که متضمن به معنے قباحت فهمی ست ذکر کرده شده است۔

۴۹ **ومنها** ارسال المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل و عدد رسائل قریب به هفتاد رسیده و من الله المزید مقدار هشت هزار بیت

الرسالة الاولی۔ سلوک طریق الفلاح عند فقد التربیة بالاصطلاح

الرسالة الثانیه ۔ ذکر اصول طریقة الکشف الحقیقه

الرسالة الثالثة ۔تعیین الطریق لاهل الاراده بالتزام وظائف الخیر والعباده

---

[1] نکات الحق یہ کتاب ۱۸۹۱ء میں لکھنؤ میں چھپی ہے۔ مولوی سید ظہور الحسین نے اردو میں ترجمہ کیا ہے جو لطائف الحق کے نام سے ۱۳۱۴ھ میں دہلی میں طبع ہوا ہے۔

[2] یہ مجموعہ مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوا ہے۔

الرسالة الرابعة۔ تنبیہ اہل العلوم والنہی تبفاوت حال الابتدا ے والانتہا
الرسالۃ الخامسہ۔ تحصیل الکمال الابدی باختیار الفقر المجدی
الرسالہ السادستہ۔ قرع الاسماع باختلاف اقوال المشایخ واحوالہم فی السماع
الرسالۃ السابعتہ۔ درود الامداد بالاستقامتہ علی الاوراد
الرسالۃ الثامنہ۔ رعایتہ الانصاف والاعتدال فی اعتقاد الصوفیہ من باب الاحوال
الرسالۃ التاسعتہ۔ ایراد العبارات الفصیحتہ فی شرح قول النبی علیہ السلام الدین النصیحۃ
الرسالۃ العاشرۃ۔ اقامتہ المراسم فی احوال المواسم
الرسالۃ الحادیتہ عشر۔ تطریب الالحان بمناصحتہ الخلان
الرسالۃ الثانیہ عشر۔ اختیار الانفراد والتخلی لانتظار الکشف والتجلی
الرسالۃ الثالثۃ عشر تحصیل المطلوب بانتظار حضور المحبوب
الرسالۃ الرابعتہ عشر تذکیر اولی الاحلام بان لذات الدنیا کلہا آلام
الرسالۃ الخامستہ عشر رفع صوت النحیب بالمام ضعف المشیب
الرسالۃ السادسہ عشر تقسیم الانام علی اربع اقسام
الرسالۃ السابعۃ عشر تنبیہ الغافلین بفناء الدنیا وار بابہا واغترار الجاہلین بزخارفہا وانیابہا
الرسالۃ الثامنتہ عشر سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل
الرسالۃ التاسعتہ عشر صدق التعطش والآوام فی طلب المقصد والمرام
الرسالۃ العشرون تثبیت القدم فی الاصطبار بترک صحبۃ الاضداد والاغیار
الرسالۃ الحادیہ والعشرون تجدید الذکر فی بیان حقیقت الشکر
الرسالۃ الثانیتہ والعشرون اتحاف الاحبہ بہ بیان حدیث المحبتہ
الرسالۃ الثالثتہ والعشرون حفظ الوقت بترک الاختلاط مع الاضداد والاخلاط
الرسالۃ الرابعتہ والعشرون التزام التمسک والالتجا بالوقوف بین الخوف والرجا

الرسالة الخامسة والعشرون کشف استار الظلم من وجه لسان الحال والقلم
الرسالة السادسة والعشرون سلوک الطریق الفجاج بالاجتناب عن الانحراف والاعوجاج
الرسالة السابعة والعشرون کشف الاستار عن تحقیق معنی الکسب والاختیار
الرسالة الثامنة والعشرون ترک الاختیار والتدبیر بالاکتفاء بتدبیر العلیم الخبیر الخبیر
الرسالة التاسعة والعشرون تحقیق الباس عن قول ایمان الباس
الرسالة الثلثون وجود انتفاء احدیة الذات بالغیبة من جمیع النسب والجہات
الرسالة الحادیة والثلثون ہدایة طریق التربیة والتعلیم بہ بیان حقیقة الرضا والتسلیم
الرسالة الثانیة والثلثون التعظیم لامر اللہ والشفقة علی خلق اللہ
الرسالة الثالثة والثلثون مشاہدة الابرار بین التجلی والاستتار
الرسالة الرابعة والثلثون ہدایة الانام الی التمسک بالشرائع والاحکام
الرسالة الخامسة والثلثون تنبیہ اولی الارباب علی ملازمة الادعیة والاحزاب
الرسالة السادسة والثلثون استیناس انوار القبس فی شرح دعاء النس ۔
الرسالة السابعة والثلثون تجلیة القلوب مقدس الملکوت بشرح دعاء القنوت
الرسالة الثامنة والثلثون تحصیل البرکات والطیبات بہ بیان معنی التحیات
الرسالة التاسعة والثلثون تثبیت الفواد بتصور عظمة رب العباد
الرسالة الاربعون کسل فی المواظبة والمداومة علی العمل
الرسالة الحادیة الاربعون تنویر القمر لیلة البدر فی تصویر معنی شرح الصدر
الرسالة الثانیة الاربعون تدقیق البیان فی ایجاب الشکر المزید واستلزامہ حصول المحبة والتوحید
الرسالة الثالثة الاربعون تحقیق الدعاء والاستمداد بہ لسان القال والحال والاستعداد
الرسالة الرابعة والاربعون ۔ فی لسان القلم بہ بیان معنی قولہم لاراحة

الرسالة الخامسة الستون وجدان البرد باستشمام الورد
الرسالة السادسة الستون جمع کلمات العارفین من اہل الصدق والیقین
الرسالة السابعة الستون الرد علی الدعاء والباطلة التی صدرت لبعض النفوس الساقطه

عدد ایں کتب ورسائل کہ بر صفحۂ بیان نگاشتہ آمد از سی متجاوز ست وشمار
ایں رسایل از شصت بالا گر اینہا را جدا جدا بشمارند و رسم دکان داری درمیان آرند
دالے کہ عدد آں بہ چند رسد و ہنوز سلسلۂ سخن دراز است و در فیض الٰہی بازی کجا رسد
و بکجا رساند اگرچہ دریں ایام قوت طبیعت بشری در ذبول ست و علوم و فنون روئے بنزول
دارد و شوق پرواز بعالم دیگر غالب و اجابت داعی حق را منتظر ست واللہ اعلم تا آخر کار
چیست و اگر عدد ابیات بر روش کاتبان بشمارند میتوان گفت کہ از چہار صد ہزار بیت
بیشتر ست واز پانصد ہزار کمتر و اگر حساب را تمام از پردۂ اجمال و ابہام بر آرند چہار صد
و شصت ہزار بشمارند و چوں اطوار سخن متنوع و انواع علوم متعدد بود مجموعہ بہ سہ قسم انقسام
یافت و ہر قسمی در حکم دفتری و جلدی اقسام وارتسام پذیرفت و اگر ایں ہمہ را یک صحیفہ
سازند و در یک جلد شیرازہ بہ بندند بیشک در نظر عرف و عادت از دائرہ مناسبت
وملائمت بدر افتد و برداشتن بار آں بر دست طبعت گراں آید و چوں اطوار سخن متنوع
وانواع علم متعدد بود ترتیبی و تمیزی می بایست اعتبار کرد ازیں جہت تالیف و ترتیب
در سہ دفتر نہادہ شد کتب و رسایل عربی در ہر فن و ہر باب کہ باشد جدا جمع کردہ شد
وانچہ بزبان فارسی بود دو قسم شد و تحقیق ایں تقسیم و تفصیل ایں اجمال در خطبۂ دفتر عربی
مبین شدہ است و مجموعہ اسامی کتب و رسایل از خرد و بزرگ کہ در آں دفتر مکتوب
ست چہل و ہشت چنانکہ در دوائر کہ بر پشت دفتر کشیدہ شدہ ارتسام یافتہ است و عدد
انچہ دریں قسم ثانی مکتوب است سیزدہ وانچہ در دفتر ثالث ارتسام یافتہ چہار ع
مجموع شصت و پنج عدد رسائل کہ اجزاء کتاب و رسال المکاتیب والرسایل ارباب

الکمال والفضائل شصت و هفت واگر آنها را جدا جدا شمارند صد و سی و دو گردد و عدد ابیات معلوم شد که قریب به پانصد هزار و اهل ست اگر چیزی ازاں به مرتبهٔ قبول یافت الحمد للّٰہ واگر نه همه هیچ مقصود رضائے حق و عطائے اوست۔ انی لا اضیع عمل عامل منکم بشارتی می بخشد و الا اللّٰہ الدین الخالص کمر می شکند و الایمان بین الخوف والرجا وما عندکم ینفد وما عند اللّٰہ باق والعاقبة بالخیر ان شاء اللّٰہ الخلاق۔

تمام شد

اطراف الاسماء

فہرست مندرجات تذکرۂ مصنفین دہلی

سلسلۂ متون تاریخی

نمبر (۳)

تذکرۃ الملوک

تصنیف ملا رفیع الدین ابراہیم بن نور الدین توفیق شیرازی

بیجاپور کے سلاطین عادل شاہی اور ان کے معاصر شاہان ہندوستان و دکن و ایران کی تاریخ۔ ابتدائے ظہور سلطنت بہمنیہ سے سنہ ۱۰۲۰ھ تک۔

فہرست مضامین

باب اول	سلاطین بہمنیہ کی تاریخ ابتداء سے سلطان محمود شاہ کے جلوس تک سنہ ۹۶۸ھ
باب دوم	تذکرۂ یوسف عادل شاہ
باب سوم	تذکرہ اسمٰعیل عادل شاہ
باب چہارم	تذکرۂ ابراہیم عادل شاہ اور تاریخ راجگان بیجانگر
باب پنجم	تذکرہ علی عادل شاہ۔ تاریخ جلوس سے رامراج والی بیجانگر کے حملہ احمدنگر تک سنہ ۹۶۶ھ
باب ششم	سلاطین گجرات کی تاریخ اکبر کے فتوحات تک۔ سلاطین نظام شاہی کی اور قطب شاہی کی تاریخ۔ عہد حکومت علی عادل شاہ کے بقیہ واقعات فتح بنکاپور تک سنہ ۹۸۲ھ
باب ہفتم	افضل خاں کی سرگذشت اور علی عادل شاہ کے بقیہ واقعات۔
باب ہشتم	ابراہیم عادل شاہ اور ابراہیم بن برہان نظام شاہ کی تاریخ
باب نہم	سلاطین تیموریہ کے حالات بابر سے جہانگیر کے جلوس تک۔ سلاطین صفویہ کی تاریخ بالخصوص شاہ عباس ماضی کا مفصل تذکرہ سنہ ۱۰۱۸ھ تک۔ ملک عنبر کا تذکرہ۔ مینارات ایلورہ کا حال۔ دکن پر شاہزادہ پرویز کا حملہ اور اسیرگڈھ کی فتح سنہ ۱۰۲۰ھ

قیمت دس روپیہ۔ پانچ جزء۔ جزء اول تیار ہے

سلسلۂ متون تاریخی

نمبر (۴)

تاریخ سلطان محمد قطب شاہی

گولکنڈہ کے سلاطین قطب شاہیہ کی تاریخ جو سنہ ۱۰۲۶ھ میں سلطان محمد قطب شاہ کے حکم سے تصنیف ہوئی ہے،

فہرست مضامین

قیمت دس روپیہ ۔ پانچ جزء ۔ جزء اول تیار ہے۔